وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (القرآن)
آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر نہ کھاؤ
رشوت
شریعتِ اسلامیہ میں ایک عظیم جرم
تالیف
شیخ عبداللہ عبدالمحسن الطریقی
ترجمہ
مولانا نصیر احمد ملی
تصحیح وتقدیم
مختار احمد ندوی
فاروقی کتب خانہ
الفضل مارکیٹ ۰ اردو بازار۔ لاہور

پاکستان میں پہلی بار

نام کتاب ــــــــــــ جریمة الرشوة فی الشریعة الاسلامیه
مصنف ــــــــــــ عبد اللہ عبد المحسن الطریقی
اردو ترجمہ ــــــــــــ رشوت شریعت اسلامیہ میں ایک عظیم جرم
مترجم ــــــــــــ مولینا نصیر احمد ملی
سن طباعت ــــــــــــ ۱۹۸۸ء
تعداد صفحات ــــــــــــ ۳۲۰
تعداد طباعت ــــــــــــ ۱۰۰۰
مقام اشاعت ــــــــــــ فاروقی کتب خانہ ، لاہور
طابع ــــــــــــ خادم پرنٹرز ، لاہور
قیمت ــــــــــــ 36/2

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ
عرض ناشر	۸
پیش لفظ	۱۰
بحث کا طریقۂ کار	۱۳
مقدمہ	۱۷
موضوع اول	✣
دینی تربیت اور جرائم کو روکنے اور امت کی اخلاقی حالت کو پستی سے بلند کرنے میں اس کا اثر	۱۸
فرد اور جماعت کے حقوق کی بحالی اور ضائع ہونے سے ان کی حفاظت	۲۵
موضوع دوم	✣
جرم اور اس کی تعریف	۲۸
جرم کے ارکان و اجزاء	۲۹
جرم کی قسمیں	۲۹
موضوع سوم	✣
اسلامی شریعت میں سزا اور اس کی قسمیں	۳۱
اسلامی شریعت میں سزاؤں کی دو قسمیں ہیں	
تعزیر ۔ اس کی لغوی تعریف	۳۴
تعریف کی تشریح اور اس کی احترازی قیود کا بیان	۳۵
تعزیر کی قسمیں اور ہر قسم کی مشروعیت کی اجمالی دلیل	۳۶
قتل کرنے کے ذریعہ تعزیر	۳۷
جلاوطن یا شہر بدر کرنا	۴۲
توبیخ	۴۵
ہجر (بائیکاٹ) کی سزا	۴۸
تشہیر کرانا	۵۱
نصیحت کے ذریعہ سزا	۵۲
دیگر تعزیری سزائیں	۵۳
تعزیر کی قسموں کی کوئی حد نہیں	۵۴
تعزیر کی دو الگ الگ سزاؤں کو یکجا کرنا	۵۵
تعزیر میں قاضی کے آزادانہ اختیارات کی حد	۵۸
تعزیر کا حد کی اکثر مقدار سے بڑھ جانا	۵۹
کیا تعزیر کا اختیار والی کو ہے یا قاضی کو؟	۶۵
تعزیر کو معاف کرنے کی مشروعیت	۶۸
تعزیر معاف کرنا کب درست نہیں؟	۷۰
باب اول ۔ رشوت کی حقیقت	۷۴
فصل اول ۔ رشوت کی تعریف اور اس کے بنیادی ارکان	۷۵

لغوی و اصطلاحی مفہوم کے درمیان ربط ۸۰ امام کو ہدیہ دینا ۱۱۳

جرم رشوت کے اہم اجزاء ۸۰ قاضی کو ہدیہ دینا ۱۱۷

فصل دوم ٭ مفتی کو ہدیہ دینا ۱۲۲

رشوت کی قسمیں ۸۱ واعظ اور مدرس کو تحفہ ۱۲۲

پہلا مطلب۔ حق کو باطل کرنے یا باطل کو ملازمت کے تحت کام کرانا ۱۲۳

حق ثابت کرنے کے لئے رشوت کا لین دین ۸۱ تحصیلداروں، والیوں، اور ملازموں ٭

دوسرا مطلب۔ کسی حق کو حاصل کرنے کے کو تحفہ وصول کرنے کی حرمت کے دلائل ۱۲۵

لئے رشوت دینا ۔ ۸۴ سفارش کے لئے ہدیہ ۱۲۶

تیسرا مطلب۔ ظلم و ضرر کو دفع کرنے کے لئے ٭ مسئلہ ۱۲۸

رشوت دینا ۔ ۸۴ دوسرا مطلب۔ رشوت لینے والے آدمی ۱۲۹

حق کے حصول اور ظلم و ضرر کو دفع کرنے کے ٭ کا کوئی کام یا خدمت کر دینا ۔ یا اس کو نفع پہنچانا ۱۲۹

لئے رشوت دینے کے جواز کی دلیلیں ۔ ۹۲ پہلی بحث۔ رشوت لینے والے کا کوئی کام یا ۱۲۹

رشوت کا لینا دینا یکساں حرام ہے ۔ ۹۶ خدمت انجام دینا ۔

مسئلہ ۹۹ دوسری بحث روپیہ دینے کے بجائے ۱۴۰

چوتھا مطلب۔ کسی منصب یا ملازمت کے ٭ رشوت لینے والے کو کوئی مالی فائدہ پہنچانا

حصول کے لئے رشوت دینا ۱۰۰ قرض دینا ۱۴۱

فصل سوم ۔ جرم رشوت سے متعلقہ امور ۱۰۸ کوئی چیز عاریۃً لینا ۱۴۲ کسی قسم کی رعایت دینا ۱۴۳

پہلا مطلب۔ ہدیہ کا بیان، اس کی لغوی تیسرا مطلب۔ واسطہ بننا اور وجاہت کی ۱۴۵

و اصطلاحی تعریف ۱۰۹ وجہ سے دخل اندازی کرنا ۔

ہدیہ کب رشوت میں شمار ہوتا ہے؟ ۱۱۰ ثالث بننے کی دوسری قسم ۱۵۱

مسئلہ ۱۵۶

باب دوم ۔ رشوت کے احکام ۱۵۸

پہلی فصل ۔ رشوت کی حرمت اور کتاب و سنت ؍؍

اور اجماع امت سے اس حکم کی دلیلیں ۱۵۹

مقدمہ ۱۵۹

رشوت کا حکم ۱۶۰

کتاب و سنت سے اس کی حرمت کی دلیلیں ۱۶۰

رشوت کی حرمت کے بارے میں صحابہ و تابعین کی صراحتیں ۱۷۶

اجماع امت کی دلیل ۱۸۰

دوسری فصل

جرم رشوت کو ثابت کرنے کے طریقے ۱۸۰

شہادت ۱۸۰

ایک گواہ اور ایک قسم ۱۸۲

اقرار و اعتراف کے ذریعہ ۱۸۴

فیصلہ کن قرینہ ۱۸۵

تیسری فصل

رشوت لینے دینے والے اور بیچ میں واسطہ بننے والے کی تعزیر ۱۸۷

مالی تعزیر اور اس کی دلیلیں ۱۸۸

مباحثہ ۱۹۹

ترجیح ۲۰۷

مال کے ذریعہ تعزیر کی قسمیں ۲۰۷

تلف کر دینا ۔ بدل دینا ۲۰۷

حبس (قید) کی سزا ۲۰۸

ہاتھ اور کوڑے مارنے کی سزا ۲۱۲

ملازمت سے معزولی کی سزا ۲۱۸

دوبارہ رشوت لینے والے کی سزا ۲۲۱

باب سوم

جرم رشوت کے اثرات ۲۲۶

پہلی فصل ۔ قاضی کے فیصلہ کرنے میں جرم رشوت کے اثرات ۔ ۲۲۷

عزل و نصب اور تحصیل منافع پر رشوت کے اثرات ۔ ؍؍

اول ، قاضی کے فیصلہ کرنے میں جرم رشوت کے اثرات ۲۲۷ ؍؍

مسئلہ ۲۲۹

مسئلہ ۲۳۹

عہدہ پر مامور کرنے میں رشوت کا اثر ۲۲۹

منصب قضاء پر فائز کرنے میں رشوت کا اثر ۲۴۰

منصب قضاء کے علاوہ دیگر مناصب پر تقرری میں رشوت کا اثر ۲۴۷

قاضی کو معزول کرنے میں رشوت کا اثر ۲۴۷
منصب قضاء کے علاوہ دیگر مناصب سے ۲۵۱
معزول کرنے کے لئے رشوت ستانی
کے اثرات
نفع کمانے میں رشوت کا اثر ۲۵۳
دوسری فصل
رشوت لینے والے کا رشوت کا مالک ۲۵۶
بننے اور اس رشوت سے متعلق عقد
یا تصرف کو کر گذرنے پر رشوت کا اثر ۲۵۶
فصل سوم
راشی کی ملکیت سے نکل جانے میں رشوت ۲۵۸
کا اثر
باب چہارم
حکومت سعودیہ عربیہ میں قوانین انسداد ۲۶۱
رشوت ستانی
مقدمہ ۲۶۲
پہلی فصل ۔ قوانین انسداد رشوت ۲۶۳
ستانی کی دفعات اور ان پر تبصرہ
دفعہ ۱ ۲۶۳
دفعہ ۲ ۲۶۴
قانونی بنیاد ۲۶۴
ترکیبی اجزاء کی بنیاد ۲۶۵
معنوی رکن ۲۶۸
دفعہ ۳ ۲۶۹
دفعہ ۴ ۲۷۱
دفعہ ۵ ۲۷۲
دفعہ ۶ ۲۷۴
دفعہ ۷ ۲۷۵
دفعہ ۸ ۲۷۷
دفعہ ۹ ۲۷۸
دفعہ ۱۰ ۲۸۰
دفعہ ۱۱ ۲۸۲
دفعہ ۱۲ ۲۸۳
دفعہ ۱۳، ۱۴ ۲۸۴
دفعہ ۱۵ ۲۸۶
دفعہ ۱۶، ۱۷ ۲۸۸
دوسری فصل
نظام انسداد رشوت ستانی پر کی گئی ۲۸۹
اہم تنقیدیں
یہ نظام ہمہ گیر طور پر رشوت ستانی کے ۲۹۱

انسداد کے لئے کافی نہیں
بعض ان چیزوں کی سزائیں جن کا جرم رشوت سے کوئی تعلق نہیں ۲۹۵
زور زبردستی کی صورت ۲۹۵
درخواست، تاکید یا وسیلہ بازی سے کام لینا ۲۹۷
حقیقی یا خیالی رسوخ سے بیجا فائدہ اٹھانا ۲۹۹
رشوت لینے والے ہی کو جرم رشوت کا اصل مجرم سمجھا گیا ہے۔ ۳۰۰
کوڑے مارنے کی سزا کا اس نظام میں کہیں ذکر نہیں ۳۰۱
اس سزا پر تنقید اور اس کا جواب ۳۰۴
اس سزا کے نفاذ کے حق میں بعض تائیدی کلمات ۳۰۵
اس سزا کی ادنیٰ مقدار پر تنقید ۳۰۸
جرم رشوت کی نشاندہی کرنے والوں کو انعام دینے پر تنقید ۳۰۸
مقررہ جج یا مشیر پر تبصرہ ۳۰۹
اس نظام کی ساخت اور پرداخت فقہ اسلامی کی روشنی میں نہیں ۳۱۰
فصل سوم
ان قوانین کے اندر اسلامی رنگ میں رنگنے کی کہاں تک صلاحیت موجود ہے؟ ۳۱۱
خاتمہ ۳۱۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقدمہ

رشوت! انسانی سوسائٹی کا وہ بدترین مہلک مرض ہے۔ جو سماج کی رگوں میں زہریلے خون کی طرح سرایت کر کے پورے نظام انسانیت کو کھوکھلا اور تباہ کر دیتا ہے، رشوت ظالم کو پناہ دیتی ہے۔ اور مظلوم کو جبر ظلم برداشت کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ رشوت ہی کے ذریعہ گواہ، وکیل اور حاکم سب حق کو ناحق اور ناحق کو حق ثابت کرتے ہیں۔

رشوت، قومی امانت میں سب سے بڑی خیانت ہے، جج ہو یا گورنر، وزیر ہو یا سکریٹری عدالتی نظام ہو یا دفتری، محکمۂ پولس ہو یا دفتر قضا، سب قوم وملت کی امانت ہیں۔ جب تک یہ قانون، اخلاق اور حق وانصاف کے بے لاگ اور بے غرض محافظ رہیں گے۔ انسانیت عدل وانصاف اور رحمت وراحت سے مالا مال رہے گی اور لوگ سکھ اور چین کی زندگی گذاریں گے۔ لیکن اگر رشوت کی شراب پی کر انسانیت کے یہ محافظ بدمست ہو جائیں تو عدل وانصاف اور حق وامانت کے سارے تار و پود بکھر جائیں گے۔

رشوت کینسر کی طرح ایک خطرناک مرض ہے۔ جس کی جڑیں سماج میں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ کبھی یہ نقد روپیہ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ کبھی سفارش اور ہدیہ وتحفہ کی شکل میں کبھی نفع میں حصہ دار بن کر کبھی کسی کو منصب و ملازمت دے کر، کبھی جنسی لذت حاصل

کر کے اور کبھی مرغوب کھانوں اور پر تکلف دعوتوں کے ذریعہ پیٹ کی آتما پوری کرکے ،
اسلامی شریعت دنیا میں عدل و رحمت کی داعی اور حق وانصاف کی مبلغ ہے ۔

اسلام نے روز اول ہی سے انسانی سماج کی اس مہلک بیماری کی جڑوں اور اس کے اندرونی اسباب اور چور دروازوں کی کھوج لگا کر اس پر زبردست پابندی عائد کی اور اس کے انسداد کے لئے بہت ہی مفید تدابیر اختیار کیں، جس سے دنیا کو اس مہلک مرض سے نجات پانے کی راہ ملی ۔

زیر نظر کتاب " امام محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی میں ایم.اے کے ایک تحقیقی مقالہ کی حیثیت سے پیش کی گئی تھی ، جسے ہمارے لائق اور فاضل دوست شیخ عبداللہ بن عبدالمحسن المنصور الطریقی نے انتہائی جانفشانی سے مرتب کیا تھا ۔

ادارۃ الدار السلفیۃ نے عصر حاضر کے جدید تحقیقی علمی کارناموں کو اردو میں منتقل کرنے کا جو عظیم سلسلہ شروع کیا ہے ۔ یہ کتاب اس کی ترپنویں (۵۳) کڑی ہے ۔ الحمدللہ ادارہ الدار السلفیہ آج اسلامی دنیا میں زبردست خراج تحسین حاصل کر رہا ہے ، اور تمام علمی حلقوں میں اس کے علمی کاموں کی زبردست پذیرائی کی جارہی ہے ۔

کتاب کے ترجمہ کی زبان کے لئے مولانا نصیر احمد ملی استاد جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں کا نام ہی اب صحت و سلاست کیلئے کافی ہے ، موصوف ادارہ الدار السلفیہ کے شعبہ ترجمہ و تحقیق کے معزز رکن اور رفیق ہیں ۔ ان کی متعدد کتابیں ابتک ادارہ سے چھپ کر مقبول عام و خاص ہو چکی ہیں ۔

امید ہے کہ زیر نظر کتاب اردو زبان میں ایک بیش قیمت اضافہ تصور کی جائے گی ، اور معاشرہ کی اصلاح میں اس سے بیش از بیش مدد ملے گی ۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے مؤلف و مترجم اور ناشر کو جزائے خیر عطا فرمائے ۔ آمین ۔

والسلام

مختار احمد ندوی ، مدیر الدار السلفیہ

فروری ۱۹۸۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا فِیْہِ، وَاُصَلِّیْ وَاُسَلِّمُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ آلِہٖ وَمَنْ سَارَ عَلٰی نَھْجِہٖ وَحَکَمَ بِشَرْعِہٖ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ وَبَعْدُ!

قضاء کے "معہدِ عالی" (Law College) کی جانب سے فارغ التحصیل طلباء کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ ایم۔ اے۔ کی ڈگری حاصل کرنے کے لئے کوئی مقالہ تیار کریں۔ بنا بریں میرے لئے بھی یہ ضروری ہوا کہ سب سے پہلے میں اپنے لئے کوئی موضوع متعین کروں، تاکہ یہی موضوع میرے مقالہ کا عنوان بن سکے۔ میں نے کافی غور و فکر کے بعد ریسرچ کے لئے ایسا موضوع چننا چاہا، جس سے موجودہ سماجی گتھیوں کو سلجھایا جا سکے اور اسی کے ساتھ ساتھ اسلامیات سے متعلق لائبریری میں کسی ایسی کتاب کا اضافہ ہو سکے، جو مسلم سماج کی تشکیل تجدید میں اہم کردار ادا کرے اب میرے ذہن نے سماج کو درپیش مسائل اور ان سے پیدا شدہ ایک ایک خرابی کا جائزہ لیا۔ اور بالآخر ایک دیرینہ جرم کا سراغ مجھے مل گیا، جو "رشوت کے نام سے" ہر دور اور ہر زمانے میں، موجود رہا ہے، اتنا ضرور ہے کہ کسی زمانے یا ملک میں بکثرت اس کا رواج رہا، اور کہیں کسی زمانے میں کم پایا جاتا

رہا۔! اس لئے راقم نے تحقیق کے لئے ـــ "جرم، رشوت اور اسلامی قانون" کا انتخاب کیا۔

اس موضوع کے انتخاب کی حقیقی دو وجہیں حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ فقہ اسلامی کی کتابوں میں کہیں جرم "رشوت" کو مستقل عنوان دے کر اس پر بحث نہیں کی گئی۔ تاکہ کم ازکم اس طرح اس جرم کی علامتیں واضح ہوجاتیں، اس کے اصول اور ضابطے منضبط ہوجاتے، اور اس پر پڑی ہوئی گرد ہٹ جاتی۔ تاکہ اصل مسئلہ بے غبار ہوجاتا، ہاں۔! کچھ سرسری اشارہ کتابوں کی اصل عبارتوں، ان کے حواشی، اور بین السطور میں کہیں نظر آجاتا تھا۔ جیسے اس بحث میں کہ: "نظام قضا کو چلانے کے لئے عادل ہونا شرط ہے۔"

یا تحفہ تحائف کی بحث میں، یا ان روایتوں میں جو خاص "رشوت" کے بارے میں وارد ہیں۔

۲۔ حکومتوں کے بعض طریق کار، اور مختلف فرموں اور کمپنی سسٹم کے اندر یہ جرم چھپ کر، اس طرح اندر تک سرایت کئے ہوتا ہے۔ جس سے سماج کا ڈھانچہ لرزاٹھتا ہے۔ رگ رگ میں بگاڑ سما جاتا ہے۔ اور تفرقہ، جھگڑا، بغض اور دشمنی کا بیج تیزی سے بڑھنے لگتا ہے۔ ظاہر ہے ان حالات میں فقہ اسلامی کے احکام و مسائل اور شریعت اسلامی کے اس موقف کو پیش کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔ جس کا براہ راست تعلق اس مسئلہ سے ہے۔

مذکورہ ہر دو وجوہات کے تحت راقم نے "جرم رشوت اور اسلامی قانون" کے موضوع کو خامہ فرسائی کیلئے منتخب کیا، اور اپنی علمی بساط کے مطابق اس مسئلہ کو مستقل بحث کا روپ دیا۔ جس پر اب سے پہلے اس طرح کسی نے قلم نہیں اٹھایا ہے ـــ!

میں نے جملہ مسائل کو بے غبار کر کے صاف صاف بیان کیا، مشکل اور پیچیدہ بحثوں کو آسان کیا، اور شک وشبہ کی اس فضا کو دور کرنے کی کوشش کی، جو علماء کے مختلف اقوال اور ان کے دلائل کو بیان کرنے کے بعد سامنے آتی ہے۔ اور گروہی عصبیت یا مسلک کی اسپرٹ سے بالاتر ہو کر راجح فیصلہ کو اس کی دلیل کے ساتھ درج کیا ہے۔ ساتھ ہی میں نے اس کا بھی التزام کیا کہ انسداد رشوت ستانی کے سودی قوانین، اور اس کا مرجع یعنی مصری قوانین کو بحث کے دوران اپنے مدنظر رکھوں، اور یہ دکھانے کی کوشش کروں کہ ان قوانین کے اندر اسلامی رنگ میں رنگنے کی کہاں تک صلاحیت موجود ہے؟

مجھے امید ہے کہ اس عنوان کو منتخب کرنے کے بعد ایک مستقل بحث کا روپ دیکر پیش کرنے سے بکھرا ہوا مواد یکجا ہو گا، پراگندہ مسائل کی شیرازہ بندی ہو گی، جو باتیں اب تک ہاتھ نہیں آئی تھیں، اب ان پر گرفت مضبوط ہو گی، نادر و نایاب چیزیں سامنے آئیں گی، ناظرین کو کسی پیچیدگی کا احساس نہ ہو گا، اور — میری حیثیت اور استطاعت کے مطابق — سامعین کو تذبذب یا جستجو کرنے والوں کو کسی قسم کا شک وشبہ لاحق نہیں ہو گا، اور مجھے توفیق کا ملنا اللہ ہی کے فضل سے ہے۔ ہم اسی سے مدد چاہتے ہیں۔ اور اسی سے راستی اور درستی کے خواہاں ہیں۔

بحث کا طریق کار

یہ مقالہ، ایک مقدمہ، چلر ابواب، اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے، مقدمہ میں تین ۳/ موضوع ہیں۔

موضوع اول :-

دینی تربیت، اور جرائم کو روکنے اور امت کی اخلاقی حالت کو پستی سے بلند کرنے میں اس کا اثر، فرد اور جماعت کے حقوق کی بحالی، اور ضائع ہونے سے ان کی حفاظت،

موضوع دوم :-

جرم کی تعریف، اس کے مختلف گوشے، اور اس کی قسمیں۔

موضوع سوم

سزا اور شریعت اسلامیہ میں سزاؤں کی اقسام، تعزیرات، ان کی تعریف، ان کی قسمیں، اور ہر قسم کی مشروعیت کی اجمالی دلیل، تعزیرات کا تعین نہیں، تعزیر کی دو سزاؤں کا جمع کرنا، تعزیر میں قاضی کے اختیار کی وسعت، تعزیرات کا مقررہ مقدار سے بڑھ جانا اور اس کے بارے میں علماء کا اختلاف، کیا تعزیر کا اختیار والی کو ہے۔ یا قاضی کو؟ تعزیرات کو معاف کرنے کی مشروعیت۔

* * * *

باب اول :-

رشوت کی حقیقت، اس باب میں تین ۳ فصلیں ہیں۔

(فصل اول) رشوت کی تعریف، اور اس کی بنیادیں،

(فصل دوم) رشوت کی قسمیں، اس فصل میں چار مطالب درج ہیں۔ پہلا مطلب: حق کو باطل کرنے یا باطل کو حق ثابت کرنے کے لئے رشوت کا لین دین، دوسرا مطلب: کسی حق کو حاصل کرنے کے لئے رشوت دینا۔ تیسرا مطلب: ظلم و ضرر کو دفع کرنے کیلئے رشوت دینا، چوتھا مطلب: کسی منصب یا ملازمت حاصل کرنے کے لئے رشوت دینا،

(فصل سوم) جرم رشوت سے متعلقہ امور، اس فصل میں تین مطالب درج ہیں،

پہلا مطلب: ہدیہ کا بیان۔ اس کی تعریف، ہدیہ کب رشوت میں شمار ہوتا ہے،

دوسرا مطلب: رشوت لینے والے کا کام یا خدمت کر دینا، یا نفع پہونچا دینا،

تیسرا مطلب: رسوخ کی وجہ سے ثالث بننا، اور دخل اندازی کرنا۔

باب دوم :-

رشوت کے احکام، اس باب میں تین فصلیں ہیں۔ (پہلی فصل) رشوت کی حرمت، اور کتاب و سنت اور اجماع امت سے اس حکم کی دلیلیں، (دوسری فصل) اس جرم کو ثابت کرنے کے طریقے، (تیسری فصل) راشی، مرتشی اور درمیانی شخص کی تعزیر اور اس کی دلیلیں، میری نظر میں یہ تعزیر مال، قید، کوڑے، ملازمت سے برطرفی، یا ان حقوق سے محرومی کی شکل میں ہوگی، جسے حکومت نے ان افراد کو مہیا کیا ہے۔ نیز ان میں سے ہر ایک کے دلائل مختلف اقوال، اختلافات، ترجیح، اور

دوبارہ رشوت لینے کے وقت ان میں سے ہر ایک کی سزائیں ۔

باب سوم :-

جرم رشوت کے اثرات ، اس باب میں تین ۳ فصلیں ہیں (پہلی فصل) قاضی کے فیصلہ کرنے میں رشوت کا اثر ، عزل ونصب اور تحصیل منافع پر رشوت کے اثرات ، (دوسری فصل) رشوت لینے والے کا رشوت کا مالک بننے ، اور اس رشوت سے متعلق عقد یا تصرف کو کر گذرنے پر رشوت کا اثر ، (تیسری فصل) رشوت دینے والے کی ملک سے رشوت نکل جانے میں رشوت کا اثر اور کیا اگر رشوت دینے والا جانا چاہتا ہے تو اس کا لوٹا دینا جائز ہے ؟

باب چہارم :-

حکومت سعودیہ عربیہ میں نظام انسداد رشوت ستانی ، اس باب میں تین فصلیں ہیں ، (پہلی فصل) نظام انسداد ، رشوت ستانی کے نصوص اور ان پر تبصرہ (دوسری فصل) اس سزا پر تنقید کا جواب (تیسری فصل) اس نظام کے اندر اسلامی رنگ میں رنگنے کی صلاحیت کہاں تک موجود ہے ؟

خاتمہ :-

اس بارے میں کہ شریعت اسلامیہ کو ہر نظام اور قانون کا ماخذ بنانا واجب ہے ۔ اور جن ملکوں میں ان کے نفاذ میں سستی برتی گئی ، وہاں از سر نو ان کا نفاذ کرنا ضروری ہے ۔ اور ان اسباب کا بیان جو اس نفاذ کے داعی ہیں ۔

آخر میں اپنے استاذ جلیل، فاضل نگراں کار علامہ ڈاکٹر عبد العال عطوہ کا تہہ دل سے مشکور و معترف ہوں، جو میرے اس علمی سفر میں ابتدا سے میرے ساتھ رہے۔ میری غلطیوں پر مجھے آگاہ کیا، بھول چوک کی صورت میں میری رہنمائی فرمائی، اور اس پورے علمی سفر میں گوناگوں مصروفیات کے باوجود علمی رہنمائی یا اوقات کی قربانی سے کہیں دریغ نہیں کیا، جبکہ خصوصاً ان کا یہ سال تحقیق و تفتیش، تصنیف و تالیف اور نگرانی اور رہنمائی، جیسی اہم مصروفیات سے بالکل خالی نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جملہ طالبان علوم دینیہ اور تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ اور ان کی عمر دراز کرے، تاکہ ہم ان کے علم سے بخوبی سیراب ہو سکیں، اور ان سے زیادہ سے زیادہ رہنمائی حاصل کر سکیں۔

اسی طرح میں اپنے نگران کار اور فاضل استاد ڈاکٹر محمد عبد الجواد محمد کے احترام اور عزت افزائی کا رہین منت ہوں، میں ان کا ازحد شکریہ ادا کرتا ہوں، کہ انہوں نے مخلصانہ علمی اور تعمیری مشوروں سے مجھے نوازا، اور اپنی علمی، تصنیف و تالیف اور نگرانی کی زبردست مصروفیات کے باوجود اپنا قیمتی وقت میرے لئے مہیا کیا، میں ان کے اس احسان کا پورا پورا بدلہ دینے سے قاصر ہوں، ہاں اللہ سے ان کے لئے حسن ثواب اور نیک توفیق کی دعا کرتا ہوں۔ اور آخر میں یہی کہوں گا، کہ: تمام تر تعریفیں اللہ کیلئے ہیں، جو سارے جہاں کا پروردگار ہے۔

مولف

عبد اللہ بن عبد المحسن الطریقی

ریاض، پوسٹ بکس ۱۵۶

۱۲۔ صفر ۱۳۹۶ھ

یہ مقدمہ تین موضوع پر مشتمل ہے ،

۱۔ دینی تربیت ، اور جرائم کو روکنے ، اور امت کی اخلاقی حالت کو پستی سے بلند کرنے میں اس کا اثر ، فرد اور جماعت کے حقوق کی بحالی ، اور ضائع ہونے سے ان کی حفاظت ،

۲۔ جرم کی تعریف اس کے مختلف گوشے ، اور اس کی قسمیں ،

۳۔ سزا ، اور شریعت اسلامیہ میں سزاؤں کی اقسام ، تعزیرات ، ان کی تعریف ان کی قسمیں ، اور ہر قسم کی مشروعیت کی اجمالی دلیل ، تعزیرات کا تعین یا ان کی حدیں ، تعزیر کی دو سزاؤں کا جمع کرنا ، تعزیرات میں قاضی کے اختیار کی وسعت ، تعزیرات کا مقررہ مقدار سے بڑھ جانا ، کیا تعزیر کا اختیار والی کو ہے ۔ یا قاضی کو ۔ ؟ تعزیرات کو معاف کرنے کی مشروعیت

موضوع اوّل

دینی تربیت اور جرائم کو روکنے اور امت کی اخلاقی حالت کو پستی سے بلند کرنے میں اس کا اثر

دینی تربیت کا انسانی کردار کی تشکیل پر بڑا گہرا اثر ہوتا ہے۔ کیونکہ تربیت کے ذریعہ انسان کے دل میں یہ حقیقت جاگزیں ہو جاتی ہے، کہ وہ اگر دنیاوی سزا سے بچ گیا، تب بھی آخرت کے عذاب سے بچ نہیں سکے گا، اس لئے کہ وہاں نہ کوئی دلیل کارگر ہوگی، نہ کوئی اپیل چل سکے گی، نہ یہاں کی طرح کوئی کھلم کھلا ثبوت کارآمد ہوگا، نہ یہاں جیسی گواہیوں کا وہاں گذر ہوگا، بس قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے سزا ہوگی، کیونکہ کسی شک شبہ کے بغیر آخرت میں انسان کو عذاب ہونا نہایت برحق ہے۔ اور جب یہ یقین دل میں راسخ ہو جاتا ہے۔ تو ہمیں سے خبردار کرنے والے اس دینی جذبہ کو تحریک ملتی ہے۔ جس کے سبب بندہ کسی ایسے جرم کا ارتکاب کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ جسے اللہ نے حرام کر رکھا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ہر عمل کی لگاتار نگرانی کر رہا ہے۔ وہ اپنے غلط کاموں کو لوگوں کی نگاہوں سے تو چھپا سکتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ سے تو ہرگز نہیں چھپا سکتا، کیونکہ وہ ڈھکی اور کھلی ہر چیز کو جانتا ہے۔ نگاہوں کی چوری اور سینے کے اندر چھپی ہوئی بدنیتی سب ہی اس کے علم میں ہے۔

اس قسم کی تربیت جرائم سے حفاظت کے لئے ایک نفسیاتی ڈھال ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے خدا کی نگرانی کا احساس تیز ہوتا ہے، اور خدا کا خوف، لوگوں کے

خوف سے کہیں زیادہ اہمیت رکھتا ہے ۔ دینی تربیت کے حصول سے ایک مسلمان کو اطمینان نصیب ہوتا ہے ۔ قضاو قدر کے الہیٰ نظام سے وہ راضی برضا رہتا ہے ۔ اور پھر آنے والی افتاد کا خندہ پیشانی، سکون اور وقار کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے، اگرچہ ہر قضائے الہیٰ اور تقدیر خداوندی، اس کی خواہش اور تمنا کے عین مطابق نہیں ہوتی اور پھر اس طرح اس کے دل سے شر انگیز اسباب جیسے کینہ، کپٹ، بغض و حسد اور عداوت اور دشمنی وغیرہ سب نکل جاتی ہیں ۔

اور جب خبردار کرنے والا دینی جذبہ ابھرتا ہے، تو محبت میں زور پیدا ہوتا ہے کینہ کپٹ ختم ہوتا جاتا ہے، جس سے کہ جرائم کو بڑھاوا ملتا ہے اور حسد کا جذبہ سرد پڑتا ہے ۔ اور آدمی کسی شخص کو دیکھ کر نہیں کڑھتا، جس پر اللہ تعالیٰ نے فضل کر رکھا ہے ۔ کیونکہ وہ جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی روزی کا دینے والا زبردست قوت والا ہے ۔ اور صبر کرنے والوں کو ان کا بدلہ مل کر رہے گا، اور پھر ایک دن ایسا آنیوالا ہے، جب صبر کرنے والوں کو ان کے صبر کا بے پناہ اجر ملے گا، اس تصور کے اندر روح کی تسکین اور دل کے بہلاوے کا وہ سامان ہوتا ہے، جس سے نفس کے اندر موجود سرکشی اور حدود سے تجاوز کے جراثیم آپ سے آپ موت کے گھاٹ اتر جاتے ہیں ۔

یہی وہ تربیت ہے جو نفس کو جرم کے اعتراف پر آمادہ اور تیار کرتی ہے اور خواہ جرم کتنا ہی ہلکا اور چھپا ہوا کیوں نہ ہو ۔ دل اندر سے آپ سے آپ فوری سزا کا طلب گار ہوتا ہے، اور چونکہ آخرت کے عذاب کا زبردست کھٹکا لگا ہوتا ہے، اس لئے اس دنیا میں آدمی زیادتی سرزد ہونے پر از خود نادم اور شرمندہ ہوتا ہے، ۔۔۔ آخر کوئی تو بات تھی جس کی وجہ سے ماعز[1] اور غامدیہؓ نے دربار نبوت میں آپ سے آپ

---

[1] ماعزؓ اسلمی کا واقعہ ۔ شرح مسلم للامام النووی ج ۱۱ ص ۱۹۲ اور فتح الباری

حاضر ہو کر اپنے جرم کا اعتراف کیا، اور اپنے گناہوں کے داغ سے پاک کئے جانے

گذشتہ سے پیوستہ :۔ شرح صحیح البخاری ص ۱۴۵ ج ۱۵ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں :۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص حاضر خدمت ہوا ۔ اور آواز دے کر عرض کیا ، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے زنا کیا ہے! حضورؐ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا، وہ شخص اسی طرف کو مڑ گیا، جس طرف روئے مبارک تھا اور عرض کیا. یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے زنا کیا ہے حضورؐ نے ادھر سے بھی منہ پھیر لیا، یہاں تک چار مرتبہ اس نے دوہرا، دوہرا کر عرض کیا. جب وہ چار مرتبہ شہادت دے چکا تو حضورؐ نے اس کو بلا کر فرمایا، کیا تجھے جنون ہے؟ اس نے عرض کیا نہیں! فرمایا: کیا تو شادی شدہ ہے؟ اس نے عرض کیا، جی ہاں! بالآخر حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا، اس کو لے جا کر سنگسار کر دو ۔

(بخاری و مسلم)

لـه غامدیہؓ کا واقعہ :۔ شرح مسلمؒ للامام النوویؒ ج ۱۱ ص ۲۰۴ میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے منقول ہے ، فرماتے ہیں : قبیلہ جہینہ کی ایک عورت کو زنا کا حمل تھا، اس نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھ سے قابل حد جرم سرزد ہو گیا ہے مجھے مقررہ سزا دیجئے، حضورؐ نے اس کے ولی کو بلا کر فرمایا، اس کے ساتھ اچھا سلوک رکھنا، جب بچہ پیدا ہو جائے تو اس کو میرے پاس لے آنا، اس شخص نے حکم کی تعمیل کی پھر جب وہ لائی گئی، تو آپ کے حکم کے بموجب اس کے کپڑے میں دور دور ٹانکے لگا دیئے گئے، پھر آپ نے حکم فرمایا :۔ اور اس کو سنگسار کر دیا گیا، حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کی نماز

کا مطالبہ پیش کیا ، یہ صرف اللہ تعالیٰ کی نگرانی کے احساس کا نتیجہ تھا ، اور اگر دل میں دین کی طرف سے خبردار کرنے والا وہ جذبہ نہ ہوتا ، تو اس قسم کا اعتراف بھی کبھی پایا نہ جاتا علیٰ ہٰذا "عسیف"[1] کے واقعہ میں خود باپ نے اپنے بیٹے سے زنا سرزد ہونے پر سزا کے ذریعہ اس کی پاکی کا مطالبہ کیا تھا ، کیونکہ اس باپ کو خداوند عالم کی غالبیت اور اس کی

گزشتہ سے پیوستہ " پڑھی ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ، یا رسول اللہ ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اس نے تو زنا کیا تھا ، آپ اس کی نماز پڑھتے ہیں ۔ ؟ فرمایا ، اس نے تو ایسی توبہ کی ہے ، اگر مدینہ والوں میں سے ستر آدمیوں کو وہ تقسیم کر دی جائے تو سب کی مغفرت کے واسطے کافی ہو جائے ، کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی توبہ ہو سکتی ہے ، کہ خوشنودی خدا حاصل کرنے کے لئے اس نے اپنی جان دی ہو ۔ ؟ (مسلم

[1] عسیف (مزدور) کا واقعہ ۔ شرح مسلم للامام النووی ج ۱۱ ص ۲۰۶ اور فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۱۵ ص ۱۷۴ میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ : ایک اعرابی نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا ، یا رسول اللہ ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ کو قسم دے کر عرض کرتا ہوں کہ آپ کتاب اللہ کے موافق میرا فیصلہ فرما دیں ۔ اس شخص کا مقابل جو اس سے زیادہ سمجھدار تھا ، بولا ، ہاں حضور ! کتاب اللہ کے موافق ہی ہمارا باہمی فیصلہ کر دیجئے ، اور مجھے کچھ عرض کرنے کی اجازت دیجئے ۔ فرمایا کہو ! اس شخص نے عرض کیا ، میرا بیٹا اس کے پاس مزدور تھا ، اس نے اس کی بیوی سے زنا کیا مجھ سے کہا گیا کہ تیرے بیٹے کو سنگسار کیا جائے گا ، میں نے سو بکریاں اور ایک باندی اپنے بیٹے کے عوض اس کو دیدیں ، اور علماء سے مسئلہ پوچھا ، انہوں نے مجھے بتایا کہ تیرے بیٹے کو سو کوڑے مارے جائیں گے ، اور ایک سال کے لئے جلا وطن کیا جائے گا ،

بادشاہی کا بخوبی احساس تھا۔ اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس دنیا کی سزا آخرت کے عذاب کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہلکی اور معمولی ہے۔

پھر دینی تربیت کا ایک فائدہ اور ہوتا ہے، وہ یہ کہ جس شخص کے اندر دینداری کا ادنیٰ شائبہ ہوتا ہے، اس کو سزا کے نفاذ اور اس کے اجراء کے وقت شرمندگی ہوتی ہے کیونکہ اسے احساس ہوتا ہے کہ "جیسی کرنی ویسی بھرنی" کے مصداق اس گناہ کے ارتکاب پر خدا نے اس کو سزا دی ہے۔ اور جب ندامت اور شرمندگی کا یہ احساس بڑھتا ہے۔ تو توبہ کی گھڑی قریب آجاتی ہے، کیونکہ شرمندگی، توبہ کا پہلا زینہ ہے۔

گذشتہ سے پیوستہ۔ اور اس شخص کی بیوی کو سنگسار کیا جائے گا، ــــ حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا قسم ہے اس خدا کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، میں تم دونوں کا فیصلہ کتاب اللہ کے موافق کروں گا، باندی اور بکریاں تو تم واپس لے لو! تمہارے بیٹے کے واسطے سو کوڑے اور ایک سال کے لئے جلاوطن ہونا لازمی ہے ــ! اور انیس! تم صبح کو اس شخص کی بیوی کے پاس جانا، اگر وہ اقرار کرے تو اس کو سنگسار کر دینا، حسب الحکم حضرت انیس صبح کو اس عورت کے پاس گئے، اس نے اقرار کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیدیا، چنانچہ اس کو سنگسار کر دیا گیا۔ (بخاری ومسلم)

انسانی قوانین کے نفاذ کے وقت اس امر کا مشاہدہ کیا گیا، کہ کوئی مجرم جب ایک بار سزا سے چھوٹ گیا، تو اس کی جسارت بڑھ جاتی ہے۔ پھر خواہ اس کو لمبی یا مختصر جیل ہو جائے، اس کے اندر کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ ابتداء سے کوئی دین اور اخلاق اسے روکنے والا نہیں ہوتا، نہ ہی اس کا ضمیر اس کو مہذب بناتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن قوانین پر دین کی چھاپ جتنی دھندلی ہوگی، اور دلوں سے ایمان کا فاصلہ جتنا زیادہ ہوگا۔ وہاں جرائم کی رفتار اتنی تیز ہوگی۔

شریعت کا کامل نفاذ عہد نبوی، عہد خلفاء راشدین اور انصاف پسند حاکموں کے زمانے میں ہوتا رہا ہے اور تجربہ اور مشاہدہ ہمارے سامنے ایک ایسی روشن معاشرتی تصویر پیش کرتا ہے۔ جس کے ذریعہ لوگوں کے دلوں پر آسمانی شریعت کے نفاذ کے سبب مرتب ہونے والے بہتر اثرات اور ان کی قرار واقعی مقدار کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ چنانچہ جب ہم کسی ایسے سماج کے درمیان — جو آسمانی شریعت کا نفاذ اور اپنے علاقوں میں بڑی حد تک امن کا قیام عمل میں لاتے ہیں۔ — اور یورپ کے کسی ایسے خطے کے درمیان موازنہ کرتے ہیں۔ جہاں انسانوں کا جنگل آباد ہے۔ جو ٹکڑیوں اور گروہوں میں بٹے ہوتے ہیں۔ اور جو کسی قانون کے تحت اس لئے خود کو محفوظ نہیں پاتے کہ یہاں کا خود ساختہ قانون ہے تو اس سرسری جائزے کے ذریعہ ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ انسانی دل ودماغ اور اس کے کردار میں ایمانی قوت کا کتنا اثر ہوتا ہے! تہذیب وتمدن میں ترقی کے ساتھ ساتھ جرائم کی رفتار میں بھی کتنا اضافہ ہوتا ہے! جتنی آبادی بڑھتی ہے۔ نت نئے جرائم کی بھرمار ہوتی ہے۔ لیکن اس کے برخلاف جس سماج اور معاشرے میں شریعت الٰہیہ کا نفاذ عمل میں آتا ہے۔ وہاں اگر آبادی بڑھتی ہے تو اسی رفتار سے ایمان میں توانائی اور تازگی

آتی ہے۔ اور یقین میں جلا پیدا ہوتی ہے، دل آراستہ پیراستہ ہوتے ہیں، اور جرائم میں بیحد کمی آتی جاتی ہے۔

یہ اسلام کی شان ہے کہ وہ توبہ کی دعوت دیتا ہے، اور گنہگاروں کو اس کیلئے آمادہ کرتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اِنَّ السَّارِقَ اِنْ تَابَ سَبَقَتْهُ یَدُہٗ اِلَی الْجَنَّةِ وَاِنْ لَّمْ یَتُبْ سَبَقَتْهُ اِلَی النَّارِ	چور اگر توبہ کرلے تو اس کے ہاتھ اس کو جنت کی طرف لیجاتے ہیں، اور اگر اس نے توبہ نہ کی تو وہی ہاتھ اس کو جہنم کی طرف لے جاتے ہیں۔

اسی طرح پیغمبر علیہ السلام نے مجرم کو عار نہ دلانے کی تلقین کی ہے۔ تاکہ وہ لوگوں سے دور نہ ہوجائے، ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ ایک شخص کسی سزا یافتہ آدمی کو عار دلاتے ہوئے کہہ رہا ہے: اَخْزَاكَ اللّٰہُ! (تجھے اللہ تعالی رسوا کرے) آپ نے فرمایا:

لَا تُعِیْنُوْا عَلَیْهِ الشَّیْطَانَ [1] (اس کے خلاف شیطان کے معاون نہ بنو!)

ابوداؤد [2]

جس طرح دینی تربیت اور دین کی امتناعی قوت بڑے بڑے جرائم کے ارتکاب سے بخوبی روکتی ہے، اسی طرح یہ دونوں چیزیں جرم رشوت کا بھی نہایت بہتر طریقہ سے سدباب کرتی ہیں، کیونکہ یہ تربیت اور امتناعی قوت اس قدر پر اثر ہے کہ جرم سرزد ہوجانے کے بعد بھی مجرم اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس لئے کسی شک کے بغیر عرض ہے کہ

---

[1] فلسفۃ العقوبۃ فی الفقہ الاسلامی، ابوزہرہ ص ۲۱-۲۶ قدرے تصرف کے ساتھ۔

[2] عون المعبود شرح سنن ابوداؤد ص ۱۲۶ ج ۱۲۔

ان کی حیثیت زبردست رکاوٹ کی سی ہے۔ جس کے ہوتے ہوئے کسی صورت یہ ممکن نہیں کہ کوئی مومن اس جرم کا ارتکاب کرے، کیونکہ اس کا دل برابر اسے یاد دلاتا ہے، کہ پوشیدہ یا علانیہ ہر جگہ اللہ تعالیٰ اس کی نگرانی کرتا ہے۔

فرد اور جماعت کے حقوق کی بحالی، اور ضائع ہونے سے ان کی حفاظت

اسلام نے اپنی دستور سازی کی زبردست اسپرٹ اور مناسب ہدایات کے ذریعہ فرد اور جماعت کے حقوق کو بحال رکھا، اور انہیں برباد ہونے سے بچایا ہے۔ چنانچہ اس نے ناجائز کمائی کو حرام قرار دیا، مسلمانوں کے اموال کو ان کی جان اور عزت و آبرو کی طرح لائق احترام ٹھہرایا، جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ (بخاری و احمد)

تمہارے خون (جان) اور تمہارے اموال تم پر حرام ہیں۔

چوری کو ایمانی تقاضے کے منافی قرار دیتے ہوئے فرمایا:

لَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِيْنَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ (بخاری و مسلم)

جب چور چوری کرتا ہے۔ تو وہ مومن نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ

اور (دیکھو) جو مرد چوری کرے، اور جو عورت چوری کرے، تو دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو، یہ ان کے عمل کی سزا اور اللہ کی طرف سے

(مائدہ : ۳۸) عزت ہے، اور اللہ سب پر غالب، (اور) حکمت والا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يَاْخُذَ عَصَا اَخِيْهِ بِغَيْرِ طِيْبِ نَفْسِهٖ مِنْهُ (ابن حبان) کسی مسلمان کے لئے یہ حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کی لاٹھی اس کی مرضی کے بغیر لے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (نساء: ۲۹) اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر نہ کھایا کرو۔

رشوت کو حرام قرار دیتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَعَنَ اللّٰهُ الرَّاشِيْ وَالْمُرْتَشِيْ وَالرَّائِشَ (احمد، طبرانی) رشوت لینے والے، رشوت دینے والے اور رشوت کی دلالی کرنے والے پر اللہ نے لعنت فرمائی ہے۔

اسی طرح جو تحفے عوام حکام کے سامنے پیش کرتے ہیں، آپ نے ان کو بھی حرام قرار دیا ہے۔

اور جس طرح ایک شخص کی ملکیت دوسرے کیلئے حرمت اور اکرام کا درجہ رکھتی ہے۔ جس کی وجہ سے پوشیدہ یا علانیہ اس پر دست درازی کرنا حرام اور ممنوع ہے۔ اسی طرح خود مال والے کے لئے بھی یہ حرمت وارد ہے کہ وہ اسے بیجا خرچ یا برباد نہ کرے، نہ ہی ادھر ادھر اڑاتا پھرے۔ کیونکہ افراد کے اموال اور ان کی دولت میں قوم کا حق ہے، اور ان کے اسی استحقاق کی بدولت اسلام نے قوم کو یہ حق دیا کہ وہ نادان فضول خرچ لڑکوں کا مال بھی ہرگز ہرگز ان کے حوالہ نہ کریں۔ چنانچہ قرآن کریم

دو ٹوک انداز میں کہتا ہے :

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا

(نساء : ۵)

اور کم عقلوں کو اپنا وہ مال حوالہ نہ کرو۔ جس کو اللہ نے تمہارے لئے (معیشت کا) سہار بنایا ہے، اور ہاں اس میں سے ان کو کھلاؤ۔ اور پہناؤ، اور نرمی سے ان سے گفتگو کرو۔

اور منجملہ اور اسراف کے جس کو اسلام نے حرام قرار دیا، اسی کی ایک قسم ان چیزوں میں مال کو بیجا اڑانا ہے۔ جس کو اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ جیسے شراب، نشہ آور چیزیں سونے چاندی کے برتن، اور لغو اور بیہودہ کاموں میں پانی کی طرح روپیہ بہانا وغیرہ۔[۱]

اس میں شک نہیں کہ رشوت کا یہ موضوع جس پر سردست ہم بحث کرنے جا رہے ہیں۔ اس کا شمار بھی ان اہم مسائل سے ہے۔ جس کو حرام ٹھہرا کر اسلام نے افراد اور جماعتوں کے حقوق کو برباد ہونے سے بچایا، کیونکہ جوں جوں یہ جرم عام ہوگا، ایک ہمہ گیر بگاڑ رونما ہوگا۔ اور لوگوں کے مال اور ان کے حقوق پامال ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی حرمت کے قطعی احکام صادر ہوئے، اور ان کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے کڑی سزائیں سنائی گئیں، تاکہ فرد اور جماعت کے حقوق کی حفاظت جہاں اور طریقوں سے ہوتی ہے۔ یہ طریقہ بھی اس غرض کیلئے موثر ثابت ہو،

---

[۱] اسلام میں حلال وحرام ص۳۲۰۔۳۲۴ باختصار

مؤلفہ

یوسف القرضاوي

جُرم کی تعریف!

جُرمَ اور جَرِیمَۃَ لغت میں "گناہ" کو کہتے ہیں، اسی سے جَرَمَ، اَجْرَمَ، اور اِجْتَرَمَ بنا ہے، جن کے معنی یکساں ہیں، (یعنی گناہ کرنا) البتہ تَجَرَّمَ عَلٰی فُلَانٍ کے معنٰی ہیں، اس نے مجھ پر ایسے گناہ کی تہمت لگائی، جس کو میں نے نہیں کیا۔! شاعر نے کہا ہے:

تَعُدُّ عَلَی الذَّنْبَ اِنْ ظَفِرْتَ بِہٖ ÷ وَاِنْ لَّا تَجِدْ ذَنْبًا عَلَیَّ تَجَرَّمَ[1]

جب تمہیں موقع مل جاتا ہے، تو گن گن کر مجھے قصوروار ثابت کرتے ہو، اور جب کامیابی نہیں ہوتی تو مجھ پر گناہ کی تہمت لگاتے ہو۔

جِرْمٌ (جیم پر زیر کیساتھ) یعنی "جسم"۔ جَرِیْمٌ: بڑے جسم والا جُرم کا اطلاق کاٹنے پر بھی ہوتا ہے، اور یہی اس کا حقیقی معنی ہے، نیز اس کا اطلاق کسب پر بھی ہوتا ہے، جیسے اِجْتَرَم کا اطلاق بھی اسی پر ہوتا ہے۔ جَرِیْمَۃٌ واحد ہے، اس کی جمع جَرَائِم ہے۔ کہا جاتا ہے جَرَمَ اِلَیْہِ وَعَلَیْہِ جَرِیْمَۃً یعنی اس نے ایک جرم کیا، لہٰذا وہ جَارِمٌ (مجرم) اور جَرِیْمٌ[2]: (گنہگار) ہے۔

---

[1] صحاح ج ۵ ص ۱۸۸۵-۱۸۸۶، ترتیب القاموس المحیط ج ۱ ص ۲۰۸-۲۰۷۔ [2] ترتیب القاموس المحیط
(حاشیہ جاری)

جرم کی اصطلاحی تعریف یہ ہے :

"شرعی طور پر کوئی ایسا ممنوع کام کرنا جس سے اللہ نے حد یا تعزیر کے ذریعہ منع کر دیا ہو ۔ "جرم" کہلاتا ہے"۔[1]

جُرم کے ارکان و اجزاء

جرم کی مندرجہ بالا تعریف سے نتیجہ کے طور پر حسب ذیل ارکان اور اجزاء کا پتہ چلتا ہے ،

۱ ۔ کر گذرنا : بنا بریں اگر کوئی شخص کسی ممنوع کام کے ارتکاب سے متعلق سوچے یا صرف اس کا خیال پیدا ہو تو اسے جرم نہیں کہا جائے گا ۔

۲ ۔ اس کام کا شارع کی جانب سے کسی دلیل کی وجہ سے ممنوع ہونا ، لہٰذا اگر شارع کی جانب سے کسی فعل کی ممانعت پر کوئی نص وارد نہ ہو تو وہ فعل "جرم" نہیں کہلائے گا ،

۳ ۔ یہ ممنوع کام ایسا ہو جس سے اللہ تعالیٰ نے کسی حد یا تعزیر کے ذریعہ منع کیا ہو ، اس لئے اگر شارع کسی فعل پر حد یا تعزیر کی سزا واجب نہ کرے تو وہ جرم نہیں کہلائے گا ، اگرچہ اس کے کر گذرنے سے گناہ لازم آئے گا ۔

جُرم کی قسمیں

جرم کی تین قسمیں ہیں :-

گذشتہ سے پیوستہ " ج ۱ صفحہ ۴۰۷ - ۴۰۸ ، معجم متن اللغہ ج ۱ صفحہ ۵۱۲

[1] الاحکام السلطانیہ لابی یعلیٰ صفحہ ۲۴۱ ، الجریمۃ والعقوبۃ فی الفقہ الاسلامی لابی زہرہ صفحہ ۰ ، التشریع الجنائی الاسلامی ج ۱ صفحہ ۶۶ قدرے تصرف کے ساتھ ۔

۱۔ وہ جرائم جن پر حد واجب ہو :۔ یہ ایسے جرائم ہیں، جن کے ارتکاب پر حد شرعی کی سزا دی جاتی ہے، اس سزا میں کمی زیادتی کرنا، یا اس کو سرے سے ساقط کرنا جائز نہیں ہے، جیسے: زنا کرنا، جھوٹی تہمت لگانا، شراب پینا، چوری کرنا، مال لوٹنا یا لوٹنے والوں کی رہنمائی کرنا۔ ان جرائم پر جملہ فقہاء کے نزدیک حد واجب ہے، البتہ بعض فقہاء اس کے ساتھ ساتھ دین اسلام سے پھر جانے اور بغاوت کرنے کو بھی شامل مانتے ہیں۔

۲۔ وہ جرائم جن پر قصاص یا دیت عائد ہوتی ہو :۔ یہ وہ جرائم ہیں جن پر قصاص یا دیت کی سزا دی جاتی ہے، اور چونکہ یہ سزا متعلقہ افراد کا حق ہوتی ہے۔ اس لئے ان کے حقوق کے مطابق ہی اس سزا کا نفاذ ہوتا ہے۔ اور کسی کمی یا زیادتی کی اجازت نہیں ہوتی، البتہ یہ ساقط ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ یہ ان وابستہ افراد کا ذاتی حق ہوتی ہیں، جیسے قتلِ عمد، قتل شبہ عمد، غلطی سے قتل کرنا، یا جان لینے سے کم درجہ کا جرم قصداً کر لینا یا جان لینے سے کم درجہ کا جرم بے ارادہ کر گزرنا۔

۳۔ وہ جرائم جن پر تعزیر لازم ہو : یعنی ایسے جرائم جن پر تعزیر کی کوئی ایک یا ایک سے زائد سزا نافذ کی جائے، جیسے سود کھانا، امانت میں خیانت کرنا گالی دینا، اور رشوت خوری[1]۔

---

[1] التشریع الجنائی الاسلامی، عبدالقادر عودہ ج ۱ ص ۷۸-۸۰ باختصار

موضوع سوم

اسلامی شریعت میں سزا اور اس کی قسمیں

ماوردی[1] نے سزا کی تعریف یہ کی ہے کہ ڈانٹ ڈپٹ اور تنبیہ کی یہ وہ شکلیں ہیں، جنھیں اللہ نے خود مقرر کیا ہے، تاکہ انسان ممنوعہ کاموں کے ارتکاب سے باز آجائے اور جن باتوں کا حکم دیا گیا ہے، اس کو ترک نہ کرے۔

اس طرح دیکھا جائے تو یہ ایک مادی (اس دنیا کی) اور تادیبی سرزنش ہے، جو مجرم کو دی جاتی ہے۔ ان سزاؤں سے مکلف آدمی جرائم کے ارتکاب سے باز آتا ہے۔ اب اگر اس نے ایک بار جرم کیا تو تنبیہ کے لئے اسے سزا دی جاتی ہے، جس سے وہ دوبارہ جرم کا ارتکاب نہیں کرتا۔ ساتھ ہی دوسروں کو بھی اس سے عبرت حاصل ہوتی ہے[2]

حاصل یہ کہ سزائیں جرم سرزد ہونے سے پہلے روک بنتی ہیں۔ اور جرم صادر ہوجانے کے بعد تنبیہ کا کام دیتی ہیں یعنی اس کی مشروعیت سے واقف ہوجانے کے بعد آدمی اس کام کے ارتکاب سے رک جاتا ہے۔ اور اگر اس نے ایک بار ارتکاب کرلیا تو سزا کے بعد دوبارہ ارتکاب سے باز آجاتا ہے[3]

---

[1] الاحکام السلطانیہ از: ماوردی ص۲۲۱۔ [2] العقوبہ فی الفقہ الاسلامی، از ابوزہرہ ص۵ نیز صاحب موصوف ہی کی ایک اور کتاب الجریمہ والعقوبہ ص۸ سے قدرے تغیر کے ساتھ [3] حاشیہ ابن عابدین، ص۳/۱۴۴ نیز العقوبۃ فی الفقہ الاسلامی از: ابوزہرہ، ص۹

بکثرت فقہاء شریعت نے سزا کے موضوع پر گفتگو کی ہے۔ لہٰذا بہتر ہوگا کہ ہم ایسے بعض نصوص اور صراحتوں کو پیش کریں، جن کو انہوں نے سزا کی مشروعیت کی حکمت کے طور پر پیش کیا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ[1] رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوی میں مذکور ہے،:۔ "جاننا چاہیے کہ حدود کو قائم کرنا اللہ کی جانب سے اس کے بندوں پر رحمت ہے۔ اس لئے حکام کو حد قائم کرنے میں سخت ہونا چاہیئے، اور اس کا خیال رکھنا چاہیئے، کہ اللہ کے دین کے معاملہ میں نرمی کا ایسا جذبہ نہ ابھرے، جس کے سبب وہ سزا کو معطل کر دیں حاکم کی نیت یہ ہو کہ لوگوں کو منکرات سے طاقت کے ذریعہ روک کر خلق خدا پر رحم کرے، اپنے غصہ کی پیاس بجھانے کی نیت نہ کرے، نہ ہی مخلوق پر اپنی برتری قائم کرنے کا دل میں ارادہ رکھے۔ حاکم باپ کے قائم مقام ہوتا ہے۔ جو اپنے بچے کے خلاف تادیبی کاروائی کرتا ہے، اگر باپ تادیبی کاروائی نہ کرے —— جیسے ماں محض نرمی اور مہربانی سے ہی سمجھاتی ہے —— تو بچہ بگڑ جائے گا، حالانکہ باپ بھی ہمدردی اور اس کی اصلاح حال کیلئے ہی سزا دیتا ہے۔ دل سے یہ چاہتا ہے اور اسی کو ترجیح دیتا ہے کہ سزا دینے کی نوبت نہ آئے، اسی طرح حاکم کی حیثیت معالج کی سی ہوتی ہے، جو اپنے مریض کو کڑوی کسیلی دوا پلاتا ہے، کبھی اس کے زخم خوردہ عضو کو کاٹ دینے پر مجبور ہوتا ہے۔ نیز اس کی مثال اس اذیت اور مشقت کی سی بھی ہوتی ہے۔ جس کا انسان اس لئے خوگر ہوتا ہے، تاکہ آئندہ اسے راحت نصیب ہو۔" (.... الخ باختصار)

---

[1] فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ ج ۲۸ ص ۳۲۹۔ العقوبۃ فی الفقہ الاسلامی از ابو زہرہ: ص ۹

ماوردی نے یہ بھی کیا ہے کہ: " حدود ـ وہ سزائیں ہیں، جنھیں اللہ نے اس لئے وضع کیا، تاکہ بندہ ممنوع کاموں سے باز آجائے، اور جو کچھ کرنے کا اسے حکم دیا گیا، اس کو نہ چھوڑے، کیونکہ آدمی فطری طور پر شہوت کی فراوانی سے مغلوب ہوتا ہے، اور فوری لذت کے درپے ہو کر آخرت کی وعید سے غافل ہوجاتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے حدود کی تنبیہات عائد فرمائیں، جو جاہل کے اندر سزا کی اذیت کا کھٹکا اور ذلت آمیز عذاب کا خوف پیدا کریں، تاکہ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کی ممانعت برقرار رہے۔ اور اس نے جن فرائض کا حکم دیا، ان کی بدستور تعمیل کی جائے [1]

حاشیہ ابن عابدین[2] میں لکھا ہے کہ: سزائیں تجویز کئے جانے کی مصلحت یہ ہے کہ تمام لوگوں کے حسب نسب، مال و دولت، عقل و شعور اور عزت و آبرو کا تحفظ کیا جاسکے، اور بگاڑ کے جس راستے سے کسی کو تکلیف پہونچنے کا اندیشہ ہو، بروقت اس پر تنبیہ کردی جائے،..... الخ

اسلامی شریعت میں سزاؤں کی دو ۲ قسمیں ہیں۔

قسم اول:۔ معینہ مقدار کی سزائیں، ان سزاؤں کی بھی دو قسمیں ہیں:۔

الف:۔ حدود، جیسے زنا، چوری، شراب، تہمت، اور ڈکیتی سرزد ہونے پر لگائی جانے والی حدیں، جن کے حد ہونے پر جملہ فقہاء کا اتفاق ہے، جبکہ بعض فقہاء کے نزدیک ارتداد اور بغاوت کی سزائیں بھی "حد" میں شامل ہیں۔

---

[1] الاحکام السلطانیہ ص۲۲۱ از ماوردی۔ [2] حاشیہ مذکور ص۳ ج۴

ب :- قصاص یا دیت کی سزائیں ، جو جان بوجھ کر قتل کرنے ، شبہ میں قتل کرنے اور غلطی سے مار ڈالنے پر عائد ہوتی ہیں ۔

قسم دوم :- غیر معینہ مقدار کی سزائیں ، جنھیں "تعزیرات" کہا جاتا ہے ، جیسے جرم رشوت کے ارتکاب پر تعزیر کی جائے[1] ۔

اس دوسری قسم کی سزا پر آئندہ ہم قدرے تفصیل سے گفتگو کریں گے ، کیونکہ ہمارے موجودہ زیر بحث موضوع جرم ، رشوت کی مقررہ سزا یہی ہے ۔

تعزیر

تعزیر کی لغوی تعریف :

تعزیر کے لغوی معنی " ملامت " کے ہیں ، چنانچہ کہا جاتا ہے ، عَزَرَہٗ ، عَزَّرَہٗ تَعْزِیْرًا : ملامت کرنا ۔ منع کرنا تعزیر لغت میں اسماء اضداد سے ہے ۔ کیونکہ یہ تعظیم کرنے اور بڑائی کرنے پر بھی بولا جاتا ہے ۔ ابو عبیدہ نے اللہ کے اس ارشاد وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ (مائدہ ۱۲) کا معنی عَظَّمْتُمُوْهُمْ بتایا ہے ، یعنی تم لوگ ان کی تعظیم کرو ۔

اور اس لفظ کا اطلاق ادب سکھانے اور بہت مارنے پر بھی ہوتا ہے ، اسی لئے " حد " سے کم درجہ کی مار پیٹ کو تعزیر کہتے ہیں ـــ یہی لفظ تقویت دینے اور مدد کرنے پر بھی بولا جاتا ہے چنانچہ عَزَّرَہٗ اس وقت کہتے ہیں ، جب کوئی کسی کی مدد کرے

---

[1] شریعۃ الجرائم والعقوبات از : خالد فراج صـ۴۳ قدرے تصرف کے ساتھ ۔

[2] تاج العروس شرح قاموس ، صـ ۳۹۴/۳ ج ، تہذیب اللغۃ صـ ۱۲۹/۲ ج

باری تعالیٰ کے اس ارشاد کا مفہوم بھی یہی ہے کہ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ (فتح: ۹) یعنی اس کی مدد کرو، اس کی تعظیم کرو، حضرت ابو عبیدہ کے علاوہ دوسرے لوگوں کا بیان ہے کہ عَزَّرْتُمُوْهُمْ. نَصَرْتُمُوْهُمْ کے معنی میں ہے، یعنی تم لوگوں نے اس کی مدد کی

اب رہے فقہاء، تو ان کے نزدیک تعزیر کی تعریف یہ ہے۔

ایسی سزا[1]، جو اللہ یا کسی انسان[2] کے حق کے طور پر کسی ایسی معصیت سرزد ہونے پر واجب ہو، جس پر کوئی سزا[3] یا کفارہ[4] نہ رہا ہو۔

تعریف کی تشریح اور اس کی احترازی قیدوں کا بیان

ہم نے جو یہ کہا کہ "ایسی سزا جو اللہ یا کسی انسان کے حق کے طور پر واجب ہو" یہ جنس ہے۔ اور حدود، قصاص، اور تعزیرات غرض سزاؤں کی تمام اقسام کو شامل ہے رہا "معصیت" کا لفظ تو یہ قید ہے۔ اور اس وضاحت کیلئے ہے کہ سزا معصیت کی ہر اس قسم کو شامل ہے، جس کے کرنے یا نہ کرنے پر ڈانٹ پھٹکار کی گئی ہے۔

۱؎ التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ صـ۳۶، المغنی والشرح الکبیر صـ۳۴۷ ج ۱۰

۲؎ نہایۃ المحتاج شرح المنہاج صـ۱۶۲ ج ۷، حاشیہ عرفہ دسوقی علی شرح الدردیر صـ۲۱۶ ج ۴

التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ صـ۳۶،

۳؎ نہایۃ المحتاج شرح المنہاج صـ۱۶۲ ج ۷، الاحکام السلطانیہ لابی یعلی صـ۲۶۳ سبل السلام صـ۳۸ ج ۴، حاشیہ ابن عابدین صـ۶۰ ج ۴، فتح القدیر صـ۲۱۱، ۲۱۲ ج ۴، کشاف القناع عن متن الاقناع صـ۱۲۱ ج ۶ التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ صـ۳۶ قدرے تصرف کے ساتھ،

۴؎ نہایۃ المحتاج شرح المنہاج صـ۱۶۲ ج ۷، کشاف القناع عن متن الاقناع صـ۱۲۱ ج ۶

اور ہم نے جو یہ کہا کہ "جس پر کوئی سزا نہ ہو" اس کی بجائے تعریف کے اس جملہ میں ہم یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ: "ایسی معصیت جس پر کوئی حد نہ ہو" لیکن بہتر تعریف وہی ہے جو ہم نے اوپر ذکر کی ہے۔ (کہ "جس پر کوئی سزا نہ ہو") یہ اس لئے تاکہ اس کا اطلاق ان جرائم پر بھی ہو سکے، جو اطراف یعنی کنارے کاٹ لینے کی صورت[1] میں رونما ہوتے ہیں۔

بہرکیف یہ پہلی قید احترازی ہے۔ جس سے وہ جرائم نکل جاتے ہیں، جن پر حد واجب ہوتی ہے۔ جیسے زنا، تہمت دھرنا، چوری، شراب نوشی، قصاص اور مال چھیننا وغیرہ کیونکہ ان جرائم پر ایسی سزائیں ہیں۔ جن کی مقدار مقرر ہے۔ اور جو حدود اور قصاص کے نام سے عام طور پر جانی جاتی ہیں۔

اور " کفارہ نہ رہا ہو " یہ دوسری قید احترازی ہے۔ جس سے کفارہ ظہار اور کفارہ ایلاء[2] سے بچا گیا۔ —— یہ ایک رہی! لیکن اس سبب کے باوجود تعزیر، حدود سے اس معنی میں مشابہ ہے کہ اس کا مقصد بھی سرزنش، اصلاح و درستی، اور ڈانٹ ڈپٹ مقصود[3] ہوتی ہے۔

تعزیر کی قسمیں، اور ہر قسم کی مشروعیت کی اجمالی دلیل

تعزیر کی بہت ساری قسمیں ہیں، ان میں چند یہ ہیں، کوڑا مارنا، قید کرنا، مالی جرمانہ

---

۳۶ گزشتہ سے پیوستہ۔ المغنی والشرح الکبیر ص ۳۴۷ ج ۱۰ التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ: از ڈاکٹر عبداللہ عامر

[1] نہایۃ المحتاج شرح المنہاج ص ۱۶۲ ج ۲، [2] کشاف القناع عن متن الاقناع ص ۱۲۱ ج ۶

[3] الاحکام السلطانیہ لابی یعلیٰ ص ۲۶۳۔ التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ از ڈاکٹر عبدالعزیز عامر ص ۳۶

عائد کرنا، ملازمت سے برطرف کردینا، اسی طرح ان حقوق اور مراعات سے محروم کردینا جو حکومتیں فرد اور یونینوں کو مہیا کرتی ہیں۔ دوسرے باب کی تیسری فصل میں ہم اس پر مفصل بحث کریں[1] گے۔ انشاء اللہ!

سردست ہم تعزیر کی ان باقیماندہ قسموں پر گفتگو کریں گے، جو حسب ذیل ہیں۔

۱۔ **قتل کرنا**۔ قتل کے ذریعہ تعزیری سرزنش کرنا اکثر فقہاء کے نزدیک جائز ہے، البتہ تعزیری طور پر کن صورتوں میں قتل کرنے کی اجازت ہے، اس بارے میں ان کے درمیان اختلاف ہے۔

(**الف**) —— حاشیہ ابن عابدین میں لکھا ہے، "میں نے حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الصارم المسلول" میں یہ لکھا ہوا دیکھا ہے کہ احناف کا ایک اصول یہ ہے کہ جن صورتوں میں ان کے نزدیک قتل کی سزا نہیں، جیسے بھاری پتھر سے مار ڈالنا، یا اغلام بازی کرنا۔ اور بار بار اس حرکت کو دوہرانا، تو ان صورتوں میں امام پر لازم ہے کہ وہ ایسا کرنے والوں کو قتل کردے۔ دراصل احناف اس قسم کی واردات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب سے منقول قتل کے حکم کو اس بات پر محمول کرتے ہیں کہ آپ نے اسی کے اندر مصلحت دیکھی۔ احناف اس قتل کو از روئے سیاست (ملکی حکمت عملی کے تحت) قتل کا نام دیتے ہیں۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حاکم ان جرم کے ارتکاب پر قتل کی سزا نافذ کرنے کا مجاز ہوتا ہے۔ جو تکرار کی وجہ سے اہمیت کے حامل بن جاتے ہیں۔ اور اس نوعیت کے جرائم میں قتل کرنا مشروع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر احناف نے ان ذمیوں کو قتل کردینے کا فتویٰ

---

[1] التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ ص ۱۱۳،

دیا ہے۔ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بکثرت سب وشتم سے کام لیتے ہیں، اگرچہ گرفتاری کے بعد وہ اسلام کیوں نہ لے آئیں، اس قتل کو وہ سیاست پر مبنی ہونے کا نام دیتے ہیں۔ اسی طرح ان کے نزدیک امام کو یہ اجازت ہے کہ وہ عادی چور کو قتل کرا دے، گلا گھونٹ کر مار ڈالنے والے کو بطور تعزیر مروا ڈالے۔ یوں ہی تعزیر کے طور پر اس شخص کو قتل کر دینے کی بھی اجازت ہے۔ جو کسی ایسی عورت کے ساتھ خلوت کرنے پر ماخوذ ہو۔ جس کے ساتھ خلوت کرنا اس کے لئے حلال نہیں ہے۔ خواہ کوئی برا فعل کرتے ہوئے اسے نہ دیکھا گیا ہو۔ اس کے جائز ہونے کا پتہ اس سے بھی چلتا ہے، کہ اگر مرد نے اس عورت پر زور زبردستی کی اور عورت نے کوئی چارہ نہ پاکر اس کو مار ڈالا تو اس کا یہ فعل جائز ہوگا، اور یہ خون رائیگاں سمجھا جائے گا۔ یہی حال جادوگر اور اس بیدین گمراہ کا ہوگا، جو گمراہی اور بیدینی کا پروپیگنڈہ کرتا ہے، اگر وہ توبہ کرنے سے پیشتر پکڑا گیا، تو اسے مار ڈالا جائے گا۔ خواہ پکڑے جانے کے بعد وہ تائب کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اس کی توبہ ناقابل قبول ہوگی[1]۔

(ب) بعض شافعیہ کے نزدیک کتاب وسنت کے خلاف، بدعت کا پرچار کرنے والے شخص کو تعزیر کے طور پر قتل کر دینے کی اجازت ہے[2]۔

(ج) مالکیہ کے نزدیک تعزیر کے لئے قتل کئے جانے کا جواز ملتا ہے، جیسے اس مسلم جاسوس کو قتل کر دینے کی اجازت ہے، جو دشمن کیلئے جاسوسی کرے، رہا بدعتی

---

[1] حاشیہ ابن عابدین، ص ۶۲ ج ۴، التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ ص ۲۴۸، ۲۴۹

[2] السیاستہ الشرعیہ لابن تیمیہ ص ۱۱۴، التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ ص ۲۴۹، الحسبۃ فی الاسلام لابن تیمیہ ص ۴۳، فتاوی ابن تیمیہ ص ۴۰۵ ج ۲۵،

جو بدعت کا پروپیگنڈہ کرے، اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے درپے ہو۔ تو پہلے اسے توبہ کی ترغیب دی جائے گی ، اگر اس نے توبہ کر لیا تو ٹھیک ، ورنہ اسے بھی قتل کر دیا جائے گا۔[1]

د۔ حنابلہ ۔ ان کی ایک جماعت جس میں ابن عقیل بھی شامل ہیں اُن کا قول یہ ہے کہ مسلم جاسوس کو قتل کرنا جائز ہے جو خود مسلمانوں کے خلاف ان کے دشمنوں کے لئے جاسوسی کرے ، اور ٹھیک یہی حشر بدعتی کا ہوگا ، جو بدعت کو عام کرتا رہے[2] ، اور جو بار بار کسی بگاڑ میں حصہ لے ، اور لگاتار اسی میں منہمک رہے ، لیکن اس کی کارگذاری بڑھ کر مقررہ " حد " تک نہ پہونچے ، ایسے شخص کو بھی از روئے تعزیر قتل کرنا جائز ہے[3]، اس امر کے لئے حنابلہ اس سے بھی استدلال کرتے ہیں ، کہ اگر مفسد کا شر اسے قتل کئے بغیر ختم نہ ہو ، تو حسب ذیل روایتوں کی بنیاد پر اسے قتل کر دیا جائے گا ،

۱ ۔ امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں عرفجہ اشجعی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے ، انہوں نے کہا ، میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے ، جو شخص تمہارے پاس آئے ، اور تمہارا شیرازہ منتشر کرنا چاہے ، یا تمہاری جمعیت میں تفرقہ پیدا کرنے کا ارادہ کرے ، جبکہ تمہارے کل امور کسی ایک شخص کے ماتحت ہوں ۔ تو اس کو قتل کر دو ۔ ایک اور روایت میں ہے ۔ عنقریب اس اس طرح کے (فتنے اور نت نئے) حوادث رونما ہوں گے ، تو جو شخص اس امت میں تفرقہ پیدا کرنا چاہے ، حالانکہ ان میں

---

[1] التبصرہ لابن فرحون ج ۲ ص ۲۱۶ ، التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ ص ۲۲۹ ، فتاوی ابن تیمیہ ج ۳۵ ص ۴۰۵ ، [2] السیاسۃ الشرعیہ لابن تیمیہ ص ۱۱۴، ۱۱۵ ، التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ ص ۲۲۹ الطرق الحکمیہ ص ۱۰۶ فتاوی ابن تیمیہ ج ۳۵ ص ۴۰۵ [3] کشاف القناع عن متن الاقناع ج ۶ ص ۱۲۴ ، حاشیۃ الطرق الحکمیہ ص ۱۰۷

باہم اتفاق ہو، تو ایسے شخص کو تہ تیغ کردو، خواہ وہ کوئی آدمی ہو[1]۔ اس حدیث میں فسادیوں کو تعزیر کے طور پر قتل کردینے کا اشارہ ملتا ہے۔

۲۔ اور اس روایت سے استدلال کیا ہے جس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے دیلم حمیری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم ایسی سرزمین کے باشندے ہیں جہاں ہمیں سخت کام کرنا ہوتا ہے، اسلئے ہم گیہوں کی شراب بناتے ہیں۔ جس سے کام کے دوران ہم میں چستی اور توانائی آتی ہے۔ اور اپنے علاقے کی سردی پر ہم قابو پاتے ہیں۔ آپ نے دریافت کیا، کیا اس سے نشہ آتا ہے؟ میں نے کہا ہاں! فرمایا: پھر تو اسے چھوڑ دو! میں نے عرض کیا لوگ اسے چھوڑ نہیں سکتے، آپ نے فرمایا، اگر نہیں چھوڑتے تو انہیں قتل کردو[2] ـــــ یہاں قتل سے تعزیری قتل مراد ہے، کیونکہ اس کا شمار حد میں نہیں، اس لئے کہ حد تو محض کوڑا مارنا ہے۔ ـــــ غرض اس روایت سے

---

[1] صحیح مسلم مع شرح مسلم ص ۱۷۱-۱۷۲ ج ۱۲

[2] شرابی کو قتل کیا جائے گا، اس سلسلے میں ایک روایت تو یہی ہے، جو مذکور ہوئی دوسری روایت وہ ہے جس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ: "اگر اس نے دوبارہ پی، تو اسے قتل کردو"! حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میرے پاس ایسے شخص کو لاؤ، جس نے چوتھی بار شراب پی ہو، اگر تم لے آئے تو اس کا قتل کردینا مجھ پر واجب ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو نسائی کے علاوہ جملہ پانچوں محدثین (یعنی احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ) نے نقل کیا ہے کہ "پھر اگر چوتھی بار بھی پئے تو اسے قتل کردو"۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ قتل کا یہ حکم پہلے پہل تھا (حاشیہ جاری)

تعزیری قتل کا جواز ملتا ہے۔

۳۔ نیز اس لئے کہ فسادی حملہ آور کی طرح ہوتا ہے، جب حملہ آور کا دفاع قتل کے بغیر ممکن نہ ہو تو اسے قتل کر دیا جائے گا[1]۔!

۴۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے قدریہ خیالات کے حامل : غیلان (دمشقی) کو قتل کرا دیا تھا، کیونکہ وہ اپنے ہی خود ساختہ ایک مخصوص نظریہ کا پرچار کرتا تھا[2]۔

یہ تو ہوا، ساتھ ہی اس موضوع کے تحت ڈاکٹر عبدالعزیز عامر نے جو رائے پیش کی ہے، اسے میں بھی پسند کرتا ہوں، کہ بقول ان کے : "میں تعزیر کے طور پر قتل کئے جانے کو جائز کہتا ہوں، کیونکہ بعض ایسے جرائم جن کے تحت شارع نے حدود و قصاص کی

"گزشتہ سے پیوستہ" پھر بعد میں منسوخ ہو گیا۔ اس لئے کہ محمد بن اسحاق نے، محمد بن منکدر سے، انہوں نے جابر سے، اور حضرت جابر نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ پھر حضور کے پاس ایک آدمی لایا گیا، جس نے چوتھی بار شراب پی تھی، آپ نے اسے کوڑے مارے، مگر قتل نہیں کیا، نیز ابوداؤد اور ترمذی سے منقول روایت کے مفہوم سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ جس کو زہری نے قبیصہ بن ذویب رضی اللہ عنہ سے انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا : جس نے شراب پی اسے کوڑے مارو، اگر اس نے دوبارہ پیا تو اسے دوبارہ پھر مارو، اور تیسری چوتھی بار پھر پئے، تو اس کو قتل کر ڈالو" آخر آپ کے پاس ایک شخص لایا گیا، تو آپ نے اس کو کوڑے مارے، اور قتل کا حکم برخاست کر دیا اور آپ کی طرف سے رخصت تھی، اصحاب ظواہر کے علاوہ جمہور علماء نے اسی نسخ کو اپنایا ہے، نیل الاوطار ج ۷ ص ۱۵۵، ۱۵۶۔

[2] السیاسۃ الشرعیۃ لابن تیمیہ ص ۱۱۵، ۱۱۶، الحسبۃ فی الاسلام لابن تیمیہ ص ۳۹، ۴۰

[3] الطرق الحکمیہ ص ۱۰۶

سزائیں تجویز کر رکھی ہیں ، اگر ان جرائم میں قتل اور گردن زنی کی سزا کو موقوف کر دیا گیا ، تو اس میں شک نہیں کہ ان مقاصد کے یکسر فوت ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے ، جن کی بنا پر شارع نے ان سزاؤں کو مقرر کیا ہے ۔ پھر یہ عقل سلیم اور فکر مستقیم کے موافق بھی نہیں ہوگا ، جیسے اس قبیل سے وہ جرم ہے جس میں کوئی مسلمان عام مسلمانوں کے مفادات کے خلاف خود مسلمانوں کے لئے جاسوسی کرتا ہے ۔ ظاہر ہے اس جاسوسی کی شکل میں جو جرم رونما ہوگا اور جو خطرہ پیدا ہوگا وہ ان جرائم سے کہیں بڑھا ہوا ہوگا ، جن پر حدود و قصاص کی سزا کے طور پر تہ تیغ کر دینے کی سزا مقرر ہے ۔ پھر سماج میں ایسے مجرموں کی بھرمار ہے ، جن کی رگ رگ میں جرائم پیوست ہوتے ہیں ۔ جنھیں جرم کئے بغیر لطف نہیں آتا ، ایسے نابکار افراد ایک سے بڑھ کر ایک خطرناک جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں ، اور بڑی سے بڑی سزا پاکر بھی اپنی حرکت سے باز نہیں آتے ظاہر ہے ایسے مجرموں کو تہ تیغ کر کے ان کا قصہ پاک کر دینا ضروری ہے تاکہ سماج کے اندر سے ان کی جڑ کٹ جائے ، اور پورا سماج چین کا سانس لے سکے ،

منجملہ ان میں بعضے جرائم ایسے بھی ہیں ، جن سے ملکی سلامتی اور امن عامہ کو خطرہ لاحق ہوتا ہے ۔ بعضے جرائم ایسے بھی ہوتے ہیں ، جن سے دین اور عقیدہ مجروح ہوتا ہے پھر بھی والی سلطنت کے کل اختیارات بہر حال شرعی حدود کے پابند ہوتے ہیں[1] "

۲ ۔ جلا وطن یا شہر بدر کرنا ۔

جلا وطن یا شہر بدر کرنا ایک مشروع تعزیری سزا ہے ۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مطابق سزا خود بھی دی ہے ، چنانچہ آپ نے عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والے " زنخوں " کو مدینہ منورہ سے نکال باہر فرمایا[2] "

---

[1] التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ ڈاکٹر عبد العزیز عامر ص۲۶۳ [2] التبصرہ لابن فرحون ج ۲ ص۲۶۲ التشریع الجنائی الاسلامی ج ۱ ص۔۔۔

آپ کے بعد صحابہ کرام نے بھی یہی کیا، مثال کے طور پر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے "ضبیع" کو بصری یا کوفہ جلاوطن کر دیا گیا، اس لئے کہ یہ شخص "سورہ ذاریات" کی بابت لوگوں سے سوالات کیا کرتا تھا، اور قرآن کریم کے دیگر مشکلات پر غور کرنے کا پروپیگنڈہ کرتا تھا[1]۔

اسی قسم کی ایک روایت مظہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک رات مدینہ منورہ کی ایک گلی کا گشت کر رہے تھے، یک بیک آپ نے ایک عورت کو بلند آواز سے یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا۔!

هَلْ مِنْ سَبِيلٍ إِلَى خَمْرٍ فَأَشْرَبَهَا ❊ أَمْ هَلْ سَبِيلٍ إِلَى نَصْرِ بْنِ حَجَّاجِ

کیا کوئی صورت ہے کہ میں شراب پی سکوں؟ یا ایسا کوئی راستہ ہے کہ میں نصر بن حجاج تک پہنچ سکوں؟

صبح ہوئی تو نصر بن حجاج کو آپ کی خدمت میں لایا گیا، آپ نے دیکھا کہ یہ شخص نہایت حسین وجمیل ہے، اور اس کے بال بڑے خوبصورت ہیں، آپ نے کہا: امیر المومنین نے یہ عزم کر رکھا ہے کہ تمہارے بال کاٹ دیئے جائیں، چنانچہ بال کاٹ دیئے گئے[2] پھر انہیں مدینہ منورہ سے جلاوطن کر دیا گیا، کیونکہ ان کی ذات سے فتنہ کا ڈر لاحق تھا[3]۔

اس موقعہ پر کوئی یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ نصر بن حجاج کی جلاوطنی کا یہ واقعہ بذات خود، تعزیری سزا کے طور پر جلاوطنی کی سزا کے مشروع ہونے کا فائدہ نہیں دے سکتا، کیونکہ یہ ثابت ہے کہ نصر بن حجاج نے کوئی جرم نہیں کیا تھا۔

---

[1] التبصرہ لابن فرحون ج ۲ ص ۲۱۲،

[2] الاحکام السلطانیہ لابی یعلی ص ۲۶۸۔

[3] التبصرہ لابن فرحون ج ۲ ص ۲۱۳

اس کا جواب یہ ہے کہ نصر بن حجاج کی جلاوطنی کا ذکر جن روایتوں میں ملتا ہے ، ان کے اندر یہ مذکور نہیں ہے کہ نصر بن حجاج نے لائق تعزیر کوئی گناہ بھی کیا تھا ۔ ہاں اس کی بعض ارادی اور اختیاری حرکات وسکنات سے فتنہ انگیزی ، اور بگاڑ رونما ہونے کا قوی اندیشہ ضرور تھا ، مثلاً یہی کہ بات چیت ، چال چلن ، یا پوشاک میں تصنع کا میلان تھا ۔ یا بتکلف خوبصورت بننے کا طبیعت میں رجحان غالب تھا ، یا کسی ایسی قابل اعتراض حرکت کا اندیشہ تھا ، جسے بھانپ لینے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے مدبر نے حفظ ماتقدم کے طور پر انہیں سرزنش کرنی ضروری سمجھی ، اور اسی لئے اسے جلاوطن کر دیا ، تاکہ وہ اس سے بعض آجائے ، اس احتمال کو فرض کر لیا جائے ، تو اس جلاوطنی کا نفاذ "معصیت پر تعزیر" سے موسوم ہوگا ۔

لیکن ہماری رائے یہ ہے کہ اس قسم کا مفروضہ یا احتمال کسی دلیل پر قائم نہیں ، اس لئے محض اس مفروضہ کو بطور جواب پیش کرنا درست نہیں ہے ۔ لہٰذا اوپر مذکور سوال کا جواب یہ ہے کہ نصر بن حجاج کی جلاوطنی درحقیقت شرعی سرزنش ، اور دستوری تنبیہ تھی جس کے لئے یہ شرط نہیں کہ وہ کسی معصیت کے مقابلہ میں دی گئی ہو ، بلکہ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ کسی خاص مصلحت کے پیش نظر اس کا نفاذ ہو ،

اور یہاں مصلحت یہ تھی کہ " مدینۃ الرسول " صلی اللہ علیہ وسلم کی سماجی اور عوامی زندگی کو شر و فساد سے پاک رکھا جائے ، اور عوامی مصالح اور اجتماعی مفاد ہر لحاظ سے بالاتر ہوتا ہے ۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یک شرابی کو تعزیر کے طور پر خیبر کی طرف جلاوطن کیا تھا[2] ۔ علاوہ ازیں شہر بدر کر دینا ، تعزیری سزا کے طور پر مشروع ہے ، اس پر جملہ فقہاء

---

[1] التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ صفحہ ۳۱۵، ۳۱۶ ۔ [2] الحسبۃ فی الاسلام لابن تیمیہ صفحہ ۴۷

کا اتفاق ہے، نیز انہوں نے اس کو تعزیری سزاؤں میں شمار بھی کیا ہے[1]۔ یہی وجہ ہے کہ مالکیہ نے محلہ سے ایسے پڑوسیوں کو دور رکھنے کی تائید کی ہے، جو فاسق ہوتے ہیں، اور نیک دل پڑوسیوں کا ناک میں دم کئے ہوتے ہیں[2]۔

۳۔ توبیخ

توبیخ (پھٹکارنا) از روئے تعزیر ایک سزا ہے، جو زبانی ڈانٹ ڈپٹ، ملامت دھونس، دھمکی دیکر یا، مجرم سے اعراض برت کر یا قاضی کے اسے گھور کر دیکھ لینے سے بھی عمل میں آجاتی ہے۔ یا کسی قسم کی غلط تہمت لگائے بغیر برا بھلا کہہ دینے سے بھی اس پر عمل ہو جاتا ہے۔ یا ذلیل و خوار کر دینے سے بھی اس کا نفاذ ہو جاتا ہے، جیسے یہ کہا جائے کہ "اے ظالم، ارے سرکش۔ یا اس کا کان مروڑ دیا جائے" وغیرہ کیونکہ یہ ایک قسم کی سرزنش ہے۔ اور یہ سزا تمام فقہاء کے نزدیک ان لوگوں کو دینا مشروع ہے۔ جو فطری اور عادی مجرم نہیں ہوتے، بلکہ ان سے جرم کا صدور زیادہ تر لغزش یا کسی ارادے کے بغیر ہوتا ہے ساتھ ہی یہ امر بھی ملحوظ ہوتا ہے کہ وہ جرم کم خطرناک ہو، لیکن اگر مجرم جرم پر جری ہو، یا جرم بڑا ہو، تو عام طور پر توبیخ کی سزا سود مند نہیں ہوتی[3]۔

---

[1] حاشیہ الرہونی ج ۸ ص ۱۶۴ تبصرۃ لابن فرحون ج ۲ ص ۲۱۳، الحسبۃ فی الاسلام لابن تیمیہ ص ۳۸ نہایۃ المحتاج شرح المنہاج ج ۸ ص ۱۴ حاشیہ ابن عابدین ج ۳ ص ۱۱۔ التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ ص ۳۱۶ حاشیہ دسوقی علی شرح الدردیر ج ۴ ص ۳۱۶

[2] حاشیہ عرفہ الدسوقی علی شرح الدردیر ج ۴ ص ۳۱۶

[3] التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ ص ۳۶۴

۰۰۰۰۰

فقہاء نے تعزیرات پر مبنی توبیخ کی سزا کی شروعیت پر استدلال اس حدیث سے کیا ہے۔ جس کو امام مسلم[1]، امام بخاری، ابوداؤد، ترمذی اور امام احمد بن حنبل[2] رحمہم اللہ نے نقل کیا ہے کہ "حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو برا بھلا کہا، اور اس کی ماں کے ساتھ اسے عار دلائی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ابوذر! تم نے اس کی ماں کے ساتھ عار دلائی، معلوم ہوتا ہے تمہارے اندر جاہلیت کی بُو باس ابھی باقی ہے[3]۔

اور اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے جس کو امام مسلمؒ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: حضرت خالد بن ولید اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کے درمیان قدرے رنجش تھی، حضرت خالد نے ان کو کچھ برا کہدیا، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے کسی اصحاب کو برا بھلا نہ کہو! اسلئے کہ اگر کوئی شخص اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کر ڈالے، تب بھی وہ ان کے ایک مد، بلکہ آدھے مد کے برابر اجر کو بھی نہیں پہونچ سکے گا[4]۔

اور اس حدیث سے بھی جو سنن ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا، اس نے شراب پی رکھی تھی، آپ نے حکم دیا کہ اس کو مارو، راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر کیا تھا، ہم میں سے کوئی اسے ہاتھ سے مار رہا تھا، کوئی جوتے سے، اور کوئی کپڑے سے مار رہا تھا،

---

[1] صحیح مسلم بشرح النووی ج ۱۱ ص ۱۳۲

[2] المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی، ج ۱ ص ۳۹۴

[3] التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ ص ۳۶۴

[4] صحیح مسلم بشرح النووی ج ۱۶ ص ۹۲

ایک دوسری روایت میں اسی سند سے منقول ہے کہ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب کو حکم دیا کہ اس کو پھٹکاریں، چنانچہ لوگوں نے اسے ڈانٹنا شروع کیا، اور کہنے لگے، کیا تو اللہ سے نہیں ڈرا؟ کیا تجھے خدا کا خوف نہ آیا؟ کیا تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرم محسوس نہیں ہوئی؟[1] یہ روایت اس کی دلیل ہے کہ پھٹکار بھی ایک تعزیری سزا ہے۔

اسی قبیل کی ایک روایت وہ ہے، جس کو عمرو بن شرید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص ایسا ہے۔ جس کو رسوا کرنا۔ اور سزا دینا میرے لئے حلال ہے[2]، محدثین نے رسوا کرنے کی وضاحت یہ کی ہے کہ مثلاً اسے کہا جائے، اے ظالم! اے سرکش[3]! وغیرہ۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے ایک فوج بھیجی، جس کو بہت سارا مال غنیمت حاصل ہوا، جب وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لوٹ کر آئے تو ریشم اور دیباج کے کپڑے پہنے ہوئے تھے، آپ نے انہیں دیکھا، تو چہرے کا رنگ بدل گیا، اور آپ نے منہ پھیر لیا! انہوں نے عرض کیا! کہ آپ نے ہم سے منہ پھیر لیا؟ آپ نے فرمایا: دوزخیوں کے کپڑوں کو بدن سے اتار دو! لوگوں نے فوراً دیباج اور ریشم جو پہن رکھا تھا، اسے اتار ڈالا۔![4]

اس روایت میں ان سے منہ پھیر لینا بھی ان کے لئے ایک تعزیر تھی[5]، اسی طرح مذکورہ

---

[1] عون المعبود شرح سنن ابو داؤد ج ۱۲ ص ۱۷۶، ۱۷۷ [2] احمد، نسائی، ابن حبان نے اس کو صحیح کہا، ابن ماجہ اور بیہقی نے اس کی تخریج کی۔ [3] سبل السلام ج ۳ ص ۲۳ ؛ التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ ص ۳۶۲ [4] التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ ص ۳۶۲

[5] التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ ص ۳۶۲

احادیث اور اس اثر میں واضح اشارہ ہے کہ پھٹکار ایک تعزیری سزا ہے، اور شارع علیہ السلام نے اسے مستحب قرار دیا ہے،

آخر میں عرض ہے کہ ڈانٹ پھٹکار کے ذریعہ تعزیر کی مذکورہ سزا کی مقدار متعین یا محدود نہیں ہے، بلکہ یہ چند مثالیں ہیں، جن کو فقہاء کرام[1] نے بیان کیا ہے۔ اب قاضی کو اختیار ہے کہ وہ جن الفاظ، فقروں اور اشارات سے چاہے مجرم کو پھٹکار کی سزا دے، یا اوپر مذکور صورتوں سے ملتی جلتی کوئی ایسی سزا دے جو جرم سے روکنے کے لئے کافی اور موثر سرزنش ثابت ہو۔ اور زجر و تنبیہ کرنے میں تدریج سے کام لے یعنی مجرم کی حالت اور جرم کے لحاظ سے معمولی تنبیہ سے سخت تنبیہ کی طرف رفتہ رفتہ بڑھے، ابو یعلیٰ کہتے ہیں: اگر کوئی بلند مرتبہ کا حامل ہے تو اس سے منہ پھیر لینا، اس کے حق میں تعزیر ہوگی، اور جو کم مرتبہ کا ہو، اسے سخت سست کہنا اس کے لئے تعزیر ہوگا، اور انتہائی تعزیر وہ ہے جس میں مجرم کو خفت اور ندامت طاری ہو جائے، لیکن اس میں تہمت، یا گالی کے الفاظ ہرگز استعمال نہ ہوں[2]۔

۴۔ ہجر (بائیکاٹ) کی سزا

ہجر یعنی معصیت کے مرتکب کا بائیکاٹ کرنا، اور اس سے ہر قسم کے تعلقات معاملات، یا روابط منقطع کر لینا[3]۔ اس سزا کی مشروعیت کا ثبوت اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے،

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ — اور وہ عورتیں جن کی سرکشی سے تم ڈرتے ہو، انہیں نصیحت کرو، اور ان کو بستروں سے جدا کردو،

(نساء: ۳۴)

---

[1] حاشیہ ابن عابدین ج ۳ ص ۱۶۱، التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ ص ۳۶۴

[2] التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ ص ۳۶۴، الاحکام السلطانیہ لابی یعلیٰ ص ۲۶۳

[3] التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ ص ۳۶۵

اس آیت نے واضح کر دیا کہ بائیکاٹ کرنا ایک تعزیری سزا ہے، جس کو نافذ کرنا فرد وقت اور مصلحت کے تحت جائز ہے۔ نیز اس کی مشروعیت حدیث شریف سے بھی ثابت ہے چنانچہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام (رضی اللہ عنہم) نے ان تین آدمیوں کا بائیکاٹ کیا، جو غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے، وہ تین اشخاص: کعبؓ بن مالک مرارہؓ بن ربیعہ عامری، اور ہلالؓ بن امیہ واقفی تھے، انہوں نے پچاس دن اور راتیں اس طرح گذاریں کہ ان سے کوئی بات چیت نہیں کرتا تھا۔ نہ سلام کلام کرتا تھا، نہ کسی قسم کا میل جول رکھتا تھا، یہ سلسلہ اس وقت تک دراز رہا، جب تک کہ انہوں نے توبہ نہ کر لی، پھر اللہ نے ان کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ، وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ

(توبہ : ۱۱۸)

اور ان تینوں پر بھی اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمائی جن کا معاملہ ملتوی کیا گیا تھا، یہاں تک کہ جب ان پر زمین اپنی کشادگی کے باوجود تنگ ہوگئی اور ان کی جانیں ان پر دوبھر ہوگئیں، اور انہوں نے جان لیا کہ اللہ کی گرفت سے انہیں کہیں پناہ نہیں مل سکتی، مگر یہ کہ اس کی طرف رجوع کیا جائے پھر اللہ نے ان پر مہربانی کی، تاکہ وہ توبہ کریں، بلاشبہ اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا (اور) مہربان ہے۔

اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے صبیغ بن عسل کا بائیکاٹ کیا، جو لوگوں سے "ذاریات" کی بابت سوال کرتا تھا۔ آپ نے لوگوں کو بھی اس سے قطع تعلق کر لینے کا حکم دیا، اور کہدیا، کہ کوئی شخص اس سے بات نہ کرے۔ تا وقتیکہ وہ توبہ نہ کر لے [1]

[1] تبصرة الاحکام لابن فرحون صـ ۲۱۲ ج ۲، السیاسۃ الشرعیہ لابن تیمیہ صـ ۱۱۳۔

اور جیسا کہ ہم نے پیشتر عرض کیا، بائیکاٹ، سزا کی حیثیت اس وقت اختیار کرے گا، جب بائیکاٹ کرنا عین مصلحت[1] کے مطابق ہوگا، اور مجرم کی حالت دیکھ کر اس کا نفاذ ہوگا، تاکہ مقصد پورا ہو سکے، یعنی مجرم کی مناسب سرزنش اور اس کی اصلاح ہو سکے[2]

یہ تو ہوا، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ بائیکاٹ کی سزا اس وقت غیر موثر اور نامناسب ہوگی، جب کہ سزا یافتہ کو کہیں اور ایسی سوسائٹی یا سماج دستیاب ہو، جہاں وہ بآسانی خود کو ضم کر لیتا ہو، کیونکہ ایک فاسق کو بہت سارے فاسق مل جاتے ہیں جن سے وہ گپ شپ لڑا لیتا ہے۔ یا ان کے ساتھ اٹھ بیٹھ کر لیتا ہے۔ اس لئے ظاہر ہے ایسی صورت میں اس کو بائیکاٹ کی سزا دینے میں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

اور یہ جو عہد نبوی اور دور صحابہ میں یہ سزا موثر تھی، تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں گناہوں سے روک تھام کا دینی جذبہ زیادہ عام اور فاسقوں کی تعداد نہایت کم تھی، اس زمانے میں جس شخص سے بائیکاٹ کر لیا جاتا، اس کو کوئی شخص پوچھتا بھی نہیں تھا، اس لئے اس دور کی تعزیری سزائیں حد درجہ کارگر اور روک تھام کا باعث ہوا کرتی تھیں۔

رہا موجودہ زمانہ! تو آج بائیکاٹ اس وقت سودمند ہوگا، جبکہ بائیکاٹ کا حکم دینے والا کوئی بڑے مرتبہ کا حامل اور وجاہت والا آدمی ہو، جس کا اہتمام اور زبردست

"گزشتہ سے پیوستہ" التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ ص۳۶۵، ۳۶۶، نظریات فی الفقہ الجنائی الاسلامی، بہنسی ص۱۷۳، التشریع الجنائی الاسلامی ص۷۰۲ ج۱

[1] السیاسۃ الشرعیہ لابن تیمیہ ص۱۱۳، التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ ص۳۶۶

[2] التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ ص۳۶۶

احساس خود اس شخص کو بھی ہو جس کا بائیکاٹ کیا گیا، اور وہ اس سے متاثر ہو، اور یہی چیز بیوی سے بائیکاٹ کی صورت میں لازمی طور پر پائی جاتی ہے، کیونکہ بیوی شوہر کا ہر لمحہ آڑ لیتی ہے، اسی لئے بیوی سے بائیکاٹ پہلے بھی ایک تعزیری سزا تھی، اور آج بھی اس کی یہ حیثیت برقرار ہے۔ قصہ کوتاہ! بائیکاٹ کی سزا کا نفاذ صرف اسی موقعہ اور مقام پر ہوگا، جہاں اس کے ذریعہ جرم کا انسداد، اس کی روک تھام، اور سرزنش خاطر خواہ ہو سکے۔

۵۔ تشہیر کرانا:۔

اس سزا کا مقصد مجرم کے جرم سے لوگوں کو خبردار کرنا ہوتا ہے، اسی لئے تشہیر ان جرائم میں کی جانی چاہیئے، جن میں مجرم، معتمد لوگوں کی نظر میں لائق اعتماد سمجھا جاتا ہو، جیسے جھوٹی گواہی دینا، اور دھوکہ دینا وغیرہ[1]، اسی لئے ابوبکر خلال نے اپنی اسناد کے ساتھ مکحول سے نقل کیا ہے کہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جھوٹی گواہی دینے والے ایک شخص کا چہرہ سیاہ کرادیا، یہ اس کی تشہیر کا ایک سامان تھا۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جھوٹی گواہی دینے والے کو اسی وقت موقعہ پر گشت کرایا جائے گا، اس کے معاملہ کی پول کھولی جائے گی، اسے سرزنش کی جائے گی، پھر اس کا چہرہ سیاہ کردیا جائے گا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک دوسری روایت یہ بھی منقول ہے کہ چہرہ سیاہ نہیں کرایا جائے گا[2]، جھوٹی گواہی دینے والے کی تشہیر

---

[1] کشاف القناع عن متن الاقناع ج ۶ ص ۱۲۵، شرعیۃ الجرائم والعقوبات، بحوالہ دراج ص ۴۹۶، العقوبۃ فی الفقہ الاسلامی لبہنسی ص ۱۵۴، التشریع الجنائی الاسلامی ج ۱ ص ۷۰۰،

[2] الاحکام السلطانیہ لابی یعلیٰ ص ۲۶۷

طرح بھی کی جاتی تھی، کہ اسے سواری پر الٹا بٹھایا جاتا تھا، ہر دو کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اپنے فریق پر جھوٹا الزام لگا کر در پردہ اس کا چہرہ سیاہ کرنا چاہا تھا، لہٰذا اس کا چہرہ بھی کالا کر دیا جائے گا۔ دوسرے اس نے الٹ پھیر کر کے بات بدلنی چاہی تھی، اس لئے سواری پر اس کا منہ بھی الٹا کر دیا جائے گا،![1]

اور جھوٹی گواہی دینے والے کی سزا سراسر تعزیری سزا ہے، اس لئے تشہیر کے ذریعہ یہ سزا اس پر نافذ ہوگی، اور اس کی حیثیت وہی ہوگی، جو کسی تعزیری سزا کی ہوا کرتی ہے۔

اور تشہیر کا مفہوم بخوبی پایا جا سکے، اس کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ پروپیگنڈے کے جدید ترین وسائل اور ذرائع کو کام میں لایا جائے، جیسے: ریڈیو، اخباری اشتہارات وغیرہ تاکہ ان کے ذریعہ تشہیر کا بنیادی مقصد پایا جا سکے۔[2]

۶۔ نصیحت کے ذریعہ سزا

اسلامی شریعت[3] میں کسی قصور کے ارتکاب پر ایسا کرنے والے کو وعظ و نصیحت کرنا۔ ایک معتبر تعزیری سزا ہے۔ چنانچہ قاضی کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ لائق تعزیر شخص کو سزا کے طور پر صرف وعظ و نصیحت کر دے، بشرطیکہ اس کی نظر میں اصلاح اور جرم سے روک تھام کے لئے نصیحت کافی ہو، قرآن کریم نے وعظ و نصیحت کو سزا کے طور پر پیش کرتے ہوئے کھل کر کہا ہے،

---

[1] السیاسۃ الشرعیہ لابن تیمیہ صـ ۱۱۳، نہایۃ المحتاج شرح المنہاج ج ۷ صـ ۱۷۴، [2] التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ صـ ۳۷۵

[3] السیاسۃ الشرعیۃ لابن تیمیہ، صـ ۱۱۳،

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَھُنَّ فَعِظُوْھُنَّ (نساء : ۳۴)

اور جن بیویوں[1] سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو تو انہیں بخوبی سمجھادو۔

اور یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ عورت کی نافرمانی اور سرکشی ایسی معصیت ہے، جس پر کوئی حد یا کفارہ نہیں ہے۔ البتہ تعزیر ہے، اسلئے نصیحت کرنا اس کے حق میں ایک تعزیری سزا ہوگی،

ابن عابدین کہتے ہیں: نصیحت کا مقصد یہ ہے کہ مجرم اگر بھول کر جرم کر رہا ہے تو اس کو یاد دلایا جائے، اگر جاہل[2] ہے تو اس کو سکھایا جائے۔ یہی نہیں، بلکہ اگر جان بوجھ کر تھوڑا کیا ہو، تو اس کو اس لئے نصیحت کی جائے گی، تاکہ وہ راستی اور درستی کی طرف لوٹ جائے،

۷۔ دیگر تعزیری سزائیں

مذکورہ بالا سزاؤں کے علاوہ کچھ اور سزائیں ہیں۔ جن کی جانب فقہاء نے اشارہ کیاہے! جیسے ایک شخص سر کھلا رکھنے کا عادی نہ ہو اس کو ٹوپی اتار دینے کے لئے کہنا مجلس یا بھری محفل میں دونوں پیر پر کھڑے رکھنا۔ طمانچے مارنا۔ اور جو شخص سر منڈوانا پسند نہ کرے، اس کا سر منڈوا دینا۔ — لیکن داڑھی منڈوانا درست نہیں ہے[3]۔

تعزیر کے طور پر تین دن تک سولی پر زندہ لٹکانا جائز ہے[4]، اس لئے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ناب کو ایک پہاڑ پر سولی پر چڑھایا، لیکن سولی پر زندہ چڑھائے

---

[1] شرعیۃ الجرائم والعقوبات، ص۲۹۵ التشریع الجنائی الاسلامی ص۷۰۲ ج۱

[2] حاشیہ ابن عابدین ص۷۵ ج۴، التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ ص۳۶۰، العقوبۃ فی الفقہ الاسلامی لبھنسی ص۱۵۴

[3] حاشیہ دسوقی، ص۱۶ ج۴، التبصرہ لابن فرحون ج۲ ص۲۱۲،

[4] نہایۃ المحتاج شرح المنہاج ص۱۷۴ ج۷ کشاف القناع عن متن الاقناع ص۱۲۵ ج۶،

رکھنے صورت میں اسے کھانے پینے، اور نماز کے لئے وضو کرنے سے روکا نہیں جائے گا[1]

نیز امام کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ ان مختلف تعزیری سزاؤں میں سے قصور وار کا لحاظ کرتے ہوئے، جس سزا کو مناسب سمجھے اس کو نافذ کرے۔ لیکن ترتیب اور تدریج کو بہرصورت ملحوظ رکھے، جس کا ذکر حملہ آور کے دفاع کی مثالوں میں پہلے گذرا۔ اس لئے اگر اس کی نظر میں ہلکی تعزیر کافی ہو، تو سخت قسم کی تعزیر اختیار نہ کرے[2]۔

تعزیر کی قسموں کی کوئی حد نہیں:

قرافی کہتے ہیں: زمانے اور علاقے کے لحاظ سے تعزیر بھی مختلف ہوتی ہے، چنانچہ ایک ملک کی تعزیر بسا اوقات دوسرے ملک کے لئے توقیر اور عزت افزائی خیال کی جاتی ہے جیسے سر کھلا رکھنا اندلس کے باشندوں کے نزدیک معیوب، یا اہانت کے لائق نہیں، جبکہ مصر و عراق میں یہ فعل اہانت آمیز ہے[3]، اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ سابقہ تمام سزائیں اسلام کی کل تعزیری سزائیں ہیں۔ ان کے علاوہ اسلام نے کوئی تعزیری سزا عائد نہیں کی، یہ اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ تعزیرات کی کوئی حد یا ان کا کوئی شمار نہیں ہے۔ بلکہ اس کو والی اور حاکم کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے! وہ ان تعزیرات یا ان کے علاوہ جس سزا کو مناسب خیال کرے گا، اس کو نافذ کرے گا، بالخصوص جس سے اس کی نظر میں جرائم کا انسداد اور تدارک ہو سکے، مجرموں کی اصلاح اور ان کی سرزنش ہو جائے، اسی طرح اس کی نظر میں جو سزا مناسب ہو گی اس کو چھوڑ دیگا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ سزاؤں کے سلسلہ میں اسلامی[4] شریعت

---

[1] التبصرہ لابن فرحون ج۲ ص۲۱۱ [2] نہایۃ المحتاج شرح المنہاج ج۸ ص۱۷،

[3] التبصرہ لابن فرحون ج۲ ص۲۱۲ [4] شریعۃ الجرائم والعقوبات، ص۴۹۶،

التشریع الجنائی الاسلامی ج۱ ص۶۸۵

کی اساس کو ملحوظ رکھنا بہر حال ضروری ہے۔

اور جیسا کہ فقہاء خیال کرتے ہیں، تعزیرات کی قسموں کا کوئی شمار نہیں ہے۔ پھر بھی جن اقسام کا انہوں نے ذکر کیا ان کی مثال " مشتے نمونہ از خروارے " کی سی ہے، اس لئے تعزیرات کا معاملہ حاکم کی صوابدید اور اس کے اپنے اجتہاد پر مبنی ہو گا۔ مجرموں کو جرم سے باز رکھنے کیلئے حاکم جو سزا بہتر خیال کرے گا، اسی کو نافذ کر دیگا[1]۔

تعزیرات کی دو الگ الگ سزاؤں کو یکجا کرنا

تعزیر کی نوعیت، اور اس کی مقدار کی بابت شریعت اسلامیہ کی قائم کردہ حدود کے دائرے میں رہ کر امام اجتہاد کرے گا، کیونکہ شرعی طور پر اس سلسلے میں کوئی پابندی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ معاملہ امام کی رائے اور اس کی صوابدید پر موقوف ہوگا، تاکہ وہ مجرموں کے حالات، ان کے مراتب اور ان کے گوناگوں قصور کے لحاظ سے سزاؤں میں فرق کر سکے[2]۔ چنانچہ جس طرح اس کو ایک تعزیری سزا دینے کا اختیار حاصل ہے، اسی طرح ایک اور سزا کا اس پر اضافہ کر سکتا ہے۔ مثلاً جرم اور مجرم کے فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے مارنے کے ساتھ ساتھ قید کی سزا بھی دے سکتا ہے۔ بالخصوص جبکہ اس کے خیال میں اول سزا کی مقدار سے تعزیر کی حقیقی غرض پوری ہوتی ہوئی نظر نہ آتی ہو[3]۔

---

[1] حاشیہ ابن عابدین ج ۳ ص ۶۱، ۶۲، کشاف القناع ج ۴ ص ۱۲۶، حاشیہ دسوقی ج ۴ ص ۲۱۶ تبصرۃ ابن فرحون ج ۲ ص ۲۱۲، نہایۃ المحتاج شرح المنہاج ج ۸ ص ۱۷۴

[2] نہایۃ المحتاج شرح المنہاج ج ۸ ص ۱۷۴

[3] حاشیہ ابن عابدین ج ۳ ص ۶۲۔ شرح الکنز لمحمود العینی، ج ۱ ص ۲۹۳، تبصرۃ ابن فرحون ج ۲ ص ۲۱۶

اس کی دلیل وہ حدیث ہے۔ جس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو یہ حکم دیا تھا، کہ وہ شرابی کو ماریں، اس کے بعد آپ نے انہیں اسے پھٹکارنے کیلئے کہا، چنانچہ لوگوں نے اسے بڑھ بڑھ کر کہنا شروع کیا، کیا تجھے اللہ کا ڈر نہیں؟ کیا تیرے دل میں خوف خدا نہیں؟[1] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شرابی کو خیبر[2] جلاوطن کیا اور یہ طے ہے کہ حد جاری کرنے کے بعد آپ نے اس پر مستزاد یہ سزا دی، جب حد پر تعزیری سزا کا اضافہ کرنا جائز ہے۔ تو ایک تعزیری سزا پر اسی کے مثل دوسری تعزیری سزا کا اضافہ کیوں نہ جائز ہوگا؟

اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ضبیع کو شہر بدر کرا دیا، کیونکہ وہ سورہ ذاریات کی بابت لوگوں سے سوالات کیا کرتا تھا۔ ساتھ ہی آپ نے لوگوں کو اس سے بائیکاٹ کا بھی حکم دیا۔ ایک اور موقعہ پر آپ نے پہلے نصر بن حجاج کے بالوں کو مونڈھنے کا حکم فرمایا، پھر انہیں مدینہ[3] سے چلے جانے کے لئے کہا! نیز ابو بکر خلال نے اپنی سند کے ساتھ حضرت مکحول سے آپ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: جھوٹی گواہی دینے والے شخص کو چالیس کوڑے مارے جائیں، اس کا چہرہ کالا کر دیا جائے، اور اس کی قید کی مدت بڑھا دی جائے[4]

مندرجہ بالا تمام روایات سے پتہ چلتا ہے کہ تعزیری طور پر ایک کے ساتھ ساتھ دوسری سزا کا نفاذ جائز ہے۔ اگر یہ جائز نہ ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے بیک وقت دو سزاؤں کا نفاذ درست نہ ہوتا، حالانکہ آپ نے دو سزاؤں پر بھی اضافہ کو روا رکھا ہے۔

---

[1] تبصرہ لابن فرحون ج ۲ صفحہ ۲۱۱ [2] الحسبۃ فی الاسلام لابن تیمیہ صفحہ ۴۲

[3] تبصرہ لابن فرحون ج ۲ صفحہ ۲۱۲، ۲۱۳۔ الاحکام السلطانیہ لابی یعلیٰ صفحہ ۲۶۸

[4] الاحکام السلطانیہ لابی یعلیٰ صفحہ ۲۶۷

اس لئے میری نظر میں یہ اضافہ تعزیرات کی اغراض کے عین مطابق ہے، خصوصاً ان لوگوں کے لئے جو عادی مجرم ہوتے ہیں، اور بار بار جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں، ایسے افراد کے لئے ایک سزا کارگر نہیں ہوتی! انہیں جرائم کی لت پڑ جاتی ہے۔ اس لئے ان کیلئے تعزیرات میں اضافہ اور سختی ناگزیر ہے۔ اور یہ چیز ایک سے زیادہ سزا نافذ کئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔

مثال کے طور پر قاضی اگر کسی عادی مجرم کو سرزنش کے طور پر بیس کوڑے لگائے تو محض اس سے سرزنش کافی نہیں ہوگی، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وعظ ونصیحت، ڈانٹ پھٹکار، اور قید وبند کی سزا ضروری ہوگی، تاکہ مجرم کو سزا کے دباؤ کا احساس ہو سکے اور وہ دوبارہ جرم کے نتائج سے ڈرے، اور جب بھی سزا کی اذیت کا ایک بار اسے احساس ہوگا، دوبارہ جرم کرنے سے ڈرے گا۔

اور اگر سزاؤں میں سے ایک سزا قتل ہو، تو مجرم کو قتل کر دینا کافی ہوگا، جیسا کہ حضرت سعیدؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: جب دو حدیں یکجا ہو جائیں، اور ان میں سے ایک قتل کی حد ہو، تو قتل کر دینا دوسری سزا کو بھی شامل ہوگا۔ صحابہ کرام میں سے کسی کی بابت یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ انہوں نے اس کی مخالفت کی ہو۔ یہ اس لئے بھی کہ سزا کی اصل غرض تنبیہ اور سرزنش ہے، اور جب قتل کر دینا طے ہو چکا، تو اس کے ساتھ پھر کسی تنبیہ کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی، اس لئے کہ اب دوسری سزا بے سود ہوگی۔[1]

---

[1] مطالب اولی النہی فی شرح غایۃ المنتہی ج ۶ ص ۱۶۸

* * * * *

تعزیر میں قاضی کے آزادانہ اختیارات کی حد

فقہاء کے نزدیک تعزیر ایسی سزا ہے جو قاضی کی رائے اور اس کی صوابدید پر موقوف ہے، ایک یا ایک سے زائد سزا دینے کا جب بھی موقع آئے گا، قاضی کو سوچ کر یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ مجرم کی تنبیہ کے لئے کون کون سی سزا کافی ہوگی۔ قاضی اس امر کو البتہ ملحوظ رکھے گا کہ سزا میں زیادتی نہ ہو، اور ہر حال میں مجرم جس کے خلاف جرم کیا گیا اس کے حالات، اور زمان و مکان کی رعایت کرنی ہوگی۔[1]

مالکیہ کے علاوہ دیگر تمام فقہاء کے نزدیک راجح یہ ہے کہ قاضی کو سزا کی نوعیت کے بارے میں اختیار ہوگا۔ لیکن سزا کی مقدار کے بارے میں اسے کوئی اختیار نہ ہوگا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ قاضی کو جو اختیار میسر ہے، اس کی رو سے وہ یہ دیکھے گا، کہ کون سے جرم پر کس قسم کی سزا مناسب ہوگی، لیکن مقدار کے بارے میں وہ پابند ہوگا، مثال کے طور پر جب قاضی مارنے کی سزا کا انتخاب کریگا۔ تو وہ مار کی انتہائی حد اور مقدار کا پابند ہوگا، اور اس سے تجاوز نہیں کرے گا، رہی مار کی یہ حد تو اس کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ وہ مار کی کم سے کم حد کا پابند ہوگا، اس سے نیچے نہیں جا سکے گا۔[2]

---

[1] التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ ص ۳۹۲، السیاسۃ الشرعیہ لابن تیمیہ ص ۱۱۲ نہایۃ المحتاج شرح المنہاج ج ۷ ص ۱۷۴ حاشیہ ابن عابدین ج ۴ ص ۶۰، ۶۲، التبصرۃ لابن فرحون ج ۲ ص ۲۱۱

[2] التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ ص ۳۹۲ حاشیہ ابن عابدین ج ۴ ص ۶۰ نہایۃ المحتاج شرح المنہاج ج ۷ ص ۱۷۴، ۱۷۵، مطالب اولی النہی فی شرح غایۃ المنتہی ج ۶ ص ۲۲۳ کشاف القناع عن متن الاقناع ج ۶ ص ۱۲۳

اور اگر اس نے تعزیر کے طور پر جلا وطنی کی سزا دینی چاہی، تو جلاوطنی کی انتہائی حد کی پابندی اسے کرنی ہوگی۔ اور اس سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، چنانچہ کسی آدمی کو ایک سال کی جلاوطنی کی سزا دینا اس کے لئے جائز نہیں ہوگا، بلکہ ایک سال سے کم ہی جلاوطن کرے گا۔ خواہ ایک ہی دن کم کیوں نہ ہو۔[1]

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ قاضی کو سپرد کیا گیا یہ اختیار نوعیت اور مقدار دونوں کو ایک ساتھ شامل ہوگا۔ چنانچہ یہ امر قاضی کے صوابدید پر ہے کہ وہ زیر سماعت مقدمہ میں جرم کے لحاظ سے سزا کی مناسب نوعیت اور مقدار کا آپ اندازہ کرے۔ اور اگر اس کی نظر میں مار کی کوئی مقدار جرم کے تدارک اور مجرم کی سرزنش کیلئے کافی ہو، تو اس کا فیصلہ سنادے۔ اور وہ سزا نافذ کردے، خواہ یہ مقدار پیشتر سے شارع کی مقررہ مقدار کے علاوہ کیوں نہ ہو! اسی طرح اگر ضرورت سمجھے تو جلاوطنی کی تعزیر کی مدت ایک سال سے زائد بھی کرسکتا ہے۔[2]

تعزیر کا حد کی اکثر مقدار سے بڑھ جانا:-

احناف:- امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تعزیر کی زیادہ سے زیادہ مقدار انتالیس ۳۹ کوڑے ہیں، اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔

مَنْ بَلَغَ حَدًّا فِيْ غَيْرِ حَدٍّ فَهُوَ مِنَ الْمُعْتَدِيْنَ۔

جو شخص غیر حدود میں حد کے برابر سزا دے، وہ خود حد سے تجاوز کرنے والا ہے۔

---

[1] نہایۃ المحتاج شرح المنہاج ج ۸ ص ۱۴، التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ ص ۲۹۲،

[2] التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ ص ۲۹۲۔ التبصرہ لابن فرحون ج ۲ ص ۲۱۴ ج ۲ ص ۲۱۵

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ غلام کے لئے تعزیر کی اکثر حد ۳۹ کوڑے ہیں اور آزاد کیلئے ۷۵ کوڑے ہیں۔ امام ابو یوسفؒ سے ایک دوسری روایت یہ منقول ہے کہ تعزیر کی ہر جنس کو اس کی قریبی جنس کے ساتھ جوڑ دیا جائے گا۔ مثال کے طور پر کسی عورت کو چھونا ، یا بوسہ لینا حد زنا سے قریب ہو گا ، اور شادی یا غیر شادی شدہ پر زنا کے علاوہ کی تہمت دھرنا حد قذف سے قریب ہو گا ، اس طرح گویا ایک نوعیت کے معاملہ کو اسی کی نوعیت کی طرف پھیر دیا جائے گا ،

تعزیر کی کم سے کم مقدار تین کوڑے ہیں ، کیونکہ دو ، ایک کوڑے سے سرزنش اور تنبیہ نہیں ہوتی ، لیکن یہ حکم بھی یکساں نہیں ہے۔ اس لئے کہ جیسے اشخاص میں فرق ہوتا ہے۔ ان کے لحاظ سے حکم بھی مختلف ہوا کرتا ہے ۔ اس لئے ایسی کوئی مقدار متعین کرنا بے سود ہے۔ جس کے علاوہ مقدار سے بھی مقصود حاصل ہو جاتا ہو ۔ لہٰذا یہ امر بھی قاضی کی رائے پر موقوف ہو گا ، اس کی نظر میں جس قدر مقدار مصلحت کے لحاظ سے موزوں ہو گی ، اس کو نافذ کرے گا ، اگر اس کی نظر میں ایک کوڑے سرزنش کافی ہو گی ، تو وہ اسی پر اکتفا کرے گا ، [1]

شافعیہ

اگر تعزیر کے طور پر کوڑا لگانا طے ہو تو حد کی سب سے کم مقدار سے بھی کم کوڑے لگانا واجب ہو گا ۔ چنانچہ غلام کو بیس کوڑے سے کم کی سزا دے گا ، اور جلاوطن کرنا چاہے گا تو چھ ماہ سے کم جلاوطنی کی سزا دے گا ، اور اگر مجرم آزاد ہے تو اسے چالیس کوڑے سے کم لگائے گا ۔

---

[1] حاشیہ ابن عابدین ج ۳ ص ۱۸۲

ایک دوسری روایت یہ ہے کہ ہر قصور کو اس کے لائق کسی ایسے جرم پر قیاس کیا جائے گا۔ جس پر حد جاری ہوتی ہو، چنانچہ مقدمات زنا (بوسہ لینا، اور چھونا) کی تعزیر حد زنا سے کم تر ہوگی، لیکن حد قذف سے زیادہ ہو سکتی ہے، اور گالی گلوج کی تعزیر حد قذف سے گھٹ جائے گی۔ لیکن شراب پینے کی سزا سے بڑھ جائے گی۔ [1]

حنابلہ:۔

کوڑے کی تعزیریں دس سے زائد کوڑے نہیں مارے جائیں گے، سوائے اس صورت کے کہ رمضان میں کسی نے نشہ آور چیز کا استعمال کرلیا ہو، یا بیوی نے اپنے شوہر کے لئے اپنی لونڈی کو مباح کردیا ہو، اس کی دلیل حضرت ابوبردہ کی مرفوع روایت ہے کہ

لَا يُجْلَدُ اَحَدٌ فَوْقَ عَشَرَةِ اَسْوَاطٍ اِلَّا فِي حَدٍّ مِّنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ سزاؤں کے علاوہ (کسی جرم میں) کسی کے دس کوڑے سے زائد نہ لگائے جائیں۔
(بخاری ومسلم)	

اور حاکم کو یہ اختیار ہے کہ دس کوڑے کی تعزیریں بھی کمی کردے، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعزیر کی زیادہ سے زیادہ مقدار مقرر کی ہے۔ لیکن کم سے کم مقدار متعین نہیں کی ہے۔ اس لئے یہ قضیہ حاکم کے اجتہاد پر موقوف ہوگا۔ [2]

ایک دوسری روایت یہ ہے کہ تعزیر کرنے میں حاکم شریعت کی کم سے کم مقررہ حد کو نہ پہونچے، چنانچہ غلام کو انیس (۱۹) کوڑے سے زائد اور آزاد کو انتالیس (۳۹) کوڑے سے

---

[1] نہایۃ المحتاج شرح المنہاج جلد ۷ صفحہ ۱۷۵ [2] مطالب اولی النہی فی شرح غایۃ المنتہی جلد ۶ صفحہ ۲۲۳، المغنی والشرح الکبیر ج ۱۰ صفحہ ۳۴۸، ۳۴۷

زنا تک نہ مارے ،

اور اس کا بھی احتمال ہے کہ جرم کی کم سے کم حد اسی نوعیت کی مشروع حد کو نہ پہونچے ، لیکن غیر جنس کی حد سے بڑھ سکتی ہے ، چنانچہ اگر تعزیر کا سبب وطی ہو ، تو سو سے ایک کم کوڑے لگانے کی اجازت ہے ، تاکہ یہ سزا حد زنا سے کم ہو ، اور اگر سزا کا سبب وطی کے علاوہ ہو تو اسے حد سے کم مقدار میں کوڑے نہیں مارے جائیں گے ، اس لئے کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے اس شخص کی بابت نقل ہے جس نے اپنی بیوی کی اجازت سے اس کی باندی سے ہمبستری کی کہ اسے سو کوڑے مارے جائیں ، اور یہ بطور تعزیر تھا ، اس لئے کہ شادی شدہ زناکار کے حق میں زنا کی سزا ایک ہی ہے ، یعنی سنگسار کرنا ، (نہ کہ کوڑے مارنا)

البتہ حضرت سعید بن مسیبؒ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے ، کہ دو آدمیوں کی مشترکہ لونڈی سے ان میں سے کسی ایک نے اگر وطی کرلی ، تو اسے حد کے کوڑوں سے ایک کوڑا کم لگایا جائے گا ۔ اثرم نے اس کو روایت کیا ، اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے استدلال کیا ہے ۔[1]

مالکیہ :-

مالکیہ کہتے ہیں کہ تعزیری سزا کی حد بندی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ، بلکہ اس کا تمام تر مدار امام کی رائے پر موقوف ہوگا ۔ اس لئے کہ ان سزاؤں کا حقیقی مقصد سرزنش اور تنبیہ کرنا ہوتا ہے ۔ لہٰذا امام اپنی رائے کے مطابق جس طرح چاہے تنبیہ کرسکتا ہے ، اس کا ثبوت اس روایت سے ہوتا ہے ، معن بن زائدہ نے بیت المال کی نقش والی مہر کے

---

[1] المغنی والشرح الکبیر ۳۲۴

عین مطابق ایک مہر بنائی، پھر بیت المال کے نگراں کے پاس آئے، اور اسی مہر کے ذریعہ کچھ مال بیت المال سے نکلوایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا، تو آپ نے معن کو سو کوڑے لگوائے، اور قید کرا دیا، پھر آپ نے اس کی بابت گفتگو کی، اور مزید سو کوڑے اسے لگوائے، پھر دوبارہ بات چیت کی، اور سہ بارہ سو کوڑے لگوائے، اور اسے جلاوطن کرا دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فعل اس کی دلیل ہے کہ اس سزا کی کوئی حد مقرر نہیں ہے، بلکہ اس کا مدار امام کی رائے پر موقوف ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل کی کسی نے مخالفت نہیں کی، جس سے اجماع ثابت ہوتا ہے۔

اور رہی وہ روایت جس میں ارشاد ہے کہ

لَا يُجْلَدُ أَحَدٌ فَوْقَ عَشْرَةِ أَسْوَاطٍ إِلَّا فِي حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللهِ (بخاری و مسلم)	اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ سزاؤں کے علاوہ (کسی جرم میں) کسی کے دس کوڑے سے زائد نہ لگائے جائیں۔

تو اس کی تاویل یہ کی گئی ہے کہ یہ حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک مخصوص تھا، کیونکہ ان دنوں سزا کی اس قدر مقدار ہی کسی مجرم کے لئے کافی ہوتی تھی،[1] نیز آپ کے ارشاد "فی حد" کی تاویل "حق من حقوق اللہ" سے کی گئی ہے، یعنی اللہ کے قائم کردہ حقوق میں کوتاہی پر، خواہ وہ معصیتیں نہ ہوں جن پر حدیں مقرر ہیں۔ اس لئے کہ آخر معصیتیں بھی ساری کی ساری اللہ کی حدود میں داخل ہیں، اور مشہور مذہب یہ ہے کہ مقررہ حد سے زیادہ سزا دی جا سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] التبصرہ لابن فرحون ج ۲ صہ ۲۱۴، ۲۱۵

نے ایک ایسے شخص کو چار سو کوڑے لگوائے جو ایک بچہ کے ساتھ اس حال میں پایا گیا تھا کہ اسے برہنہ کر کے اسے اپنے سینے سے چمٹائے ہوئے تھا۔ کوڑے کھا کر اس کا بدن پھول گیا، اور وہ مرگیا، لیکن امام صاحب موصوف نے اس مقدار کو کچھ زیادہ نہیں سمجھا[1]،

اور احناف اس بارے میں مالکیہ کی موافقت کرتے ہیں۔ کہ امام مقررہ حد پر اضافہ کرسکتا ہے۔ بشرطیکہ اس کے نزدیک اس کے اندر مصلحت مضمر ہو[2] اوپر مذکور معن بن زائدہ کی بابت روایت (جس میں اس شخص کو تین سو کوڑے مارے گئے ابن) پر یہ بحث اٹھائی گئی ہے کہ زیادتی سزا کا احتمال یہ ہے کہ اس نے گناہ بھی مختلف کئے تھے، اس لئے تمام گناہوں کے مطابق آپ نے سزا بھی اسی حساب سے دی۔ یا اس جرم میں شخص مذکور کئی بار پکڑا گیا یا ایک سے زائد گناہ کا ارتکاب اس نے اس طرح کیا کہ اس نے جعلسازی کی، دوسرے بیت المال سے ناحق مال حاصل کیا، تیسرے اپنی اس حرکت سے اس نے دوسروں کیلئے مکر و فریب کا ایک دروازہ کھول دیا[3]۔

مالکیہ کی طرف سے پیش کئے گئے مختلف دلائل کی روشنی میں ان کے اس قول کو میں بھی ترجیح دیتا ہوں، کیونکہ انہوں نے ایک سے زائد دلیلیں دی ہیں۔ اس کے علاوہ ترجیح کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جرائم جرم کرنے والوں، اور زمان و مکان کے بدلنے سے تعزیرات میں تبدیلی ہوا کرتی ہے۔

پھر بعض جرائم ان جرائم سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں، جن پر کوڑے کی سزائیں حد کے طور پر مقرر ہوتی ہیں اور بعضے مجرم بھی اس حد تک خطرناک ہوتے ہیں کہ کوڑوں کی

---

[1] ایضاً۔ [2] حاشیہ ابن عابدین ج ۴ ص ۶۲، ۶۳
[3] المغنی والشرح الکبیر ج ۱۰ ص ۳۴۸

سزا پاکر بھی اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے ۔ اس لئے مناسب یہی ہوا کہ تعزیر میں کوڑوں کی سزا کا شمار حاکم کے صوابدید پر چھوڑ دیا جائے[۱] قاضی اس کا فیصلہ نہ کرے حاکم اگر حد سے زیادہ کی تعزیر میں مصلحت سمجھے تو میری رائے میں اس کو ایسا کرنے کی اجازت ہے خصوصاً ہمارے اس زمانے میں ایسا ہونا چاہئے. اس لئے کہ آج جرائم کثرت سے عام ہیں ۔ اور صورتحال انتہائی گمبھیر اور پیچیدہ ہو چکی ہے ۔ اور جرائم پیشہ طبقہ نے جرم کیلئے نت نئی راہیں ڈھونڈ نکالی ہیں ، اس لئے صورت حال کی نزاکت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے انسداد کیلئے ایسی کڑی سزاؤں کا نفاذ ضروری ہے ، جو کہیں زیادہ دردناک اور تلخ ہوں ۔ اور ایسی سزاؤں کا شمار مہلک ترین سزاؤں میں ہوگا ۔ جو " حد " سے بھی زیادہ کڑی اور سخت ہوں ، خصوصاً اس لئے کہ جرائم پر ڈانٹ پھٹکار اور سرزنش کی مصلحت اس سے حاصل ہوگی ۔

یہی وجہ ہے کہ از روئے سیاست و مصلحت فقہاء نے بطور تعزیر قتل کرنے اور اس سے کم درجہ پر کوڑے مارنے کی سزا کی اجازت دی ہے ۔ خواہ کوڑوں کی یہ تعداد مقررہ " حد " سے زائد کیوں نہ ہو جائے اس لئے مذکورہ تعزیر کی تعیین بھی حاکم کی انتظامی و مصلحت پر مبنی صوابدید پر چھوڑ دی جائے گی ۔

کیا تعزیر کا اختیار والی کو ہے یا قاضی کو ؟

حاکم کو عمومی ۔ اور قاضی کو خصوصی اختیار ہوتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ بعض تعزیرات کے نفاذ کا اختیار تمام تر والی اور حاکم کو ہوتا ہے ، قاضی کو اس کا چنداں اختیار نہیں ہوتا ،

---

[۱] التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ صـ ۲۷۹

منجملہ ان تعزیرات کے چند یہ ہیں :۔

۱ ۔ تہمت کے سلسلہ میں تہمت لگانے والے کو قید کرنا امیر کا کام ہے ، تاکہ حقیقت کھلے ، اور صفائی ہو سکے۔[۱]

۲ ۔ تہمت لگانے والے کو حاکم بطور تعزیر سزا دے سکتا ہے ، لیکن قاضی کو اس کی اجازت نہیں ہے ۔[۲]

۳ ۔ جو شخص بار بار جرائم کا ارتکاب کرے ، اور حد اس کے حق میں کارگر نہ ہو ، لوگ اس کے جرائم سے حیران پریشان ہوں ۔ تو ایسے شخص کو حاکم حبس دوام کی سزا دے سکتا ہے تا وقتیکہ وہ مر نہ جائے ، یا توبہ نہ کرے ، اور عاجزی کی صورت میں قید کی پوری مدت تک اس کے کھانے پینے کا انتظام بیت المال کے ذمہ ہوگا ، تاکہ اس کی مضرتوں سے حفاظت ہو سکے ، لیکن قاضی کو اس قسم کی سزا دینا جائز نہیں ہے ،[۳]

۴ ۔ امیر اور حاکم کو اس کی اجازت ہے کہ تہمت لگانے والے کو قسم دلائے ، تاکہ اس کی پوزیشن صاف ہو سکے ۔ تہمت کے معاملہ میں حقیقت آشکارا کرنے کے لئے مزید کچھ دباؤ پڑ سکے ، کیونکہ اس کا تعلق اللہ اور بندے دونوں کے حقوق سے ہے ، لیکن قاضی کے لئے حق کے علاوہ کسی اور صورت میں قسم دلانے کا اختیار نہیں ہے ۔[۴]

---

[۱] الاحکام السلطانیہ لابی یعلیٰ ص ۲۴۲ [۲] ایضاً ص ۲۴۳

[۳] الاحکام السلطانیہ لابی یعلیٰ ص ۲۴۲ ، مطالب اولی النہی فی شرح غایۃ المنتہیٰ ج ۶ ص ۲۲۴ کشاف القناع ج ۶ ص ۱۲۶ ، نہایۃ المحتاج شرح المنہاج ج ۷ ص ۱۵۵ ، التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ ص ۳۹۳

[۴] الاحکام السلطانیہ لابی یعلیٰ ص ۲۴۳

مذکورہ تمام صورتیں جرم ثابت ہونے سے پیشتر کی ہیں، کیونکہ امیر اور حاکم کی ذمہ داری سیاست اور تدبیر پر مبنی ہوتی ہے۔ جبکہ قاضی احکام اور مسائل کا پابند ہوتا ہے[1]

رہا جرائم ثابت ہوجانے کے بعد تو قاضی اور حاکم کا اختیار[2] قطعی یکساں ہوجاتا ہے اور جس طرح ان میں سے ایک فیصلہ درست ہوجانے کے بعد مجرم پر سزا کو جاری کرسکتا ہے۔ دوسرا بھی اسی طرح کا اجراء کرسکتا ہے۔ اور جو بات موت تک قید کرنے کے بارے میں کہی گئی، ممکن ہے از روئے سیاست قتل کے بارے میں بھی یہی کہا جاسکے، کیونکہ قتل کی سزا اس شخص پر نافذ کی جاتی ہے، جو بار بار جرائم کرتا ہے۔ اور مقررہ حد کی سزا سے اس کی گوشمالی نہیں ہوتی، جیسا کہ بعضوں نے یہی کہا ہے، لیکن یہ اختیار صرف حاکم کو ہے۔ قاضی کو اس کا اختیار نہیں ہوگا کہ تہمت کی حالت میں وہ ایسی سزا نافذ کرے، بالخصوص جبکہ بعض مجرموں کے شر سے عام لوگوں کو محفوظ رکھنا مقصود ہو۔ اور از روئے سیاست سزائیں دینے کا اختیار صرف امام اور حاکم کیلئے اس بنا پر مخصوص ہے کہ یہ ان عمومی اور عوامی امور سے ہے۔ جن پر حکومت کے امن اور سلامتی کا انحصار ہوتا ہے۔ اقتدار کا استحکام، مملکت اسلامیہ کو فتنہ و فساد سے پاک کرنا اور ایک کلمہ پر تمام لوگوں کو اکٹھا کرنا اسی پر موقوف ہے۔ اور ان امور کی نگرانی اور تحفظ امراء اور حکام کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ قاضیوں کا یہ کام نہیں، جو عموماً انفرادی جھگڑے اور افراد کی باہمی زیادتیوں کے سدباب پر مامور ہوتے ہیں۔[3]

---

[1] الاحکام السلطانیہ ص ۲۲۴ ، التعزیر فی الشریعۃ الاسلامی ص ۳۹۳

[2] ایضاً ، (قدرے تصرف کے ساتھ)

[3] التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ ص ۲۹۳

تعزیر کو معاف کرنے کی مشروعیت

حنابلہ کی رائے :

اگر امام کی رائے میں معاف کرنا مناسب ہو، تو معافی کی اجازت اسی تعزیر میں ہوگی ۔ جس کا وجوب کسی نص یا صراحت کے ساتھ منصوص نہ ہو ، اور معافی اسی وقت دی جائے گی ۔ جب کہ مجرم توبہ کے لئے آئے ، کوتاہی کا اعتراف کرے ، نادم ہو ، اور گناہوں سے یکسر بعض آنے کا اقرار کرے [۱]

احناف کی رائے :

اگر تعزیر کی بابت کوئی نص وارد نہ ہو ، اور ـــ خواہش نفسانی سے بالاتر ہو کر امام یہ خیال کرے کہ تعزیر کے بغیر بھی مجرم کی تنبیہ ہو سکتی ہے ، تو اب تعزیر کا نافذ کرنا واجب نہیں ہوگا ، بلکہ اس کو معاف کر دینے کی اجازت ہوگی ۔ [۲]

مالکیہ کی رائے :

اگر اللہ تعالیٰ کے کسی حق کے تحت تعزیری سزا دی جا رہی ہو تو اس کو معاف کر دینا جائز ہے ۔ اور اگر کسی انسان کی حق تلفی نہ ہو رہی ہو ، لیکن تنہا حکومت کا حق مجروح ہو رہا ہو ۔ تو حاکم کو اختیار ہوگا کہ سزا دینے یا معاف کر دینے میں جو زیادہ مناسب خیال کرے اسی کو اختیار کرے ۔ [۳]

---

[۱] کشاف القناع عن متن الاقناع ج ۶ ص ۱۲۴ ۔ مطالب اولی النہیٰ فی شرح غایۃ المنتہیٰ ج ۶ ص ۲۲۴ ،

[۲] فتح القدیر ج ۴ ص ۲۱۲، ۲۱۳ ۔ شرح الکنز از محمود عینی ج ۱ ص ۲۹۱

[۳] تبصرۃ لابن فرحون ج ۲ ص ۲۱۷

شافعیہ کا مسلک:

اگر اللہ کے کسی حق کے تحت تعزیر کے طور پر سزا دی جا رہی ہو، اور امام معاف کر دینے میں مصلحت[1] سمجھے تو اس کو معاف کر دینے کی اجازت ہے۔

جن فقہاء کی نظر میں تعزیر کو معاف کرنا مشروع ہے۔ ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

۱۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی، کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا، اور کہنے لگا، ایک عورت سے میری ملاقات ہوئی، میں نے اس سے صحبت نہیں کی لیکن اس سے آلودہ ضرور ہوا، آپ نے پوچھا، کیا تو نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی ہے؟ اس نے عرض کیا، ہاں! آپ نے اس کے سامنے یہ آیت پڑھی:

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ — یقیناً نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔ (ہود ۱۱۴)

استدلال کی وجہ: یہ شخص عورت سے جس طرح آلودہ ہوا۔ وہ ایک معصیت تھی، اس پر تعزیر واجب تھی کیونکہ وہ شخص توبہ کی غرض سے خدمت اقدس میں حاضر ہوا تھا، جس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ از خود آپ کے پاس آیا، اور آپ نے اس کے قصور کو معاف کر دیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ توبہ کر لینے اور حالت درست کر لینے کے بعد تعزیر کا معاف ہونا مشروع ہے۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے بارے میں فرمایا:

اقْبَلُوا مِنْ مُحْسِنِهِمْ وَتَجَاوَزُوا عَنْ مُسِيئِهِمْ — ان کے محاسن اور خوبیوں کو قبول کرو، اور ان کی خرابیوں کو درگزر کرو۔

۳۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثالث بن کر حضرت زبیر کے حق میں فیصلہ فرمایا

---

[1] نہایۃ المحتاج شرح المنہاج ج ۸ ص ۲۲

تو ایک شخص نے آپ سے یہ کہدیا کہ، آخر وہ آپ کی پھوپھی کا ہی بیٹا ہے!! ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی بات پر غصہ آیا۔ لیکن اس جملہ پر از روئے تعزیر آپ نے کوئی سزا نہیں دی، ایک اور شخص نے آپ سے کہا: "یہ ایسی تقسیم ہے جس سے اللہ کی خوشنودی نہیں چاہی گئی!" آپ نے تعزیر کے طور پر اس شخص سے بھی کچھ نہیں کہا ۔![1]

۴۔ ان فقہاء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے۔ جس کو احمد، ابوداؤد، نسائی، اور بیہقی نے نقل کیا ہے کہ:

أَقِيلُوا ذَوِي الْهَيْئَاتِ عَثَرَاتِهِمْ إِلَّا الْحُدُودَ[2] — معززین کی لغزشوں کو درگذر کردو، لیکن حدوں کو معاف نہ کرو۔

اوپر مذکور احادیث میں تعزیر کے معاف ہونے کی واضح دلیل موجود ہے، بشرطیکہ امام معاف کرنا مناسب سمجھے لیکن معافی انہیں دی جائے گی، جن سے لغزش اور غلطی نادانستہ اور اچانک سرزد ہو، دوسرے وہ پردہ دار اور عفت شعار ہوں، جو یہ سمجھتے ہوں کہ امام کا سزا معاف کردینا ان کے توبہ کا سبب ہوگا، یا خود امام انھیں معاف کردینے میں مصلحت سمجھے۔[3]

تعزیر معاف کرنا کب درست نہیں؟

حسب ذیل صورتوں میں حنابلہ، احناف، اور مالکیہ کے نزدیک تعزیرات معاف کرنا درست نہیں،

(الف) — جس پر نص صریح سے تعزیر وارد ہو، اس کا معاف کرنا صحیح نہیں ہے

---

[1] فتح القدیر ج ۴ ص ۲۱۲، ۲۱۳ المغنی والشرح الکبیر ج ۱۰ ص ۳۴۹ [2] سبل السلام ج ۴ ص ۴۹

[3] التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ ص ۴۲۳

جیسے اپنی بیوی کی لونڈی سے ہمبستری کرلی[1] اس کی دلیل امام احمد، اور ابو داؤد رحمہما اللہ سے وہ روایت ہے جس کو حبیبؓ بن سالم نے بیان کیا کہ "عبدالرحمٰن بن حنین" نامی ایک شخص نے اپنی بیوی کی باندی سے صحبت کرلی، اس کا یہ معاملہ نعمانؓ بن بشیر کے سامنے پیش کیا گیا، جو کوفہ کے گورنر تھے، انہوں نے کہا: میں تمہارے متعلق وہی فیصلہ کروں گا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا، (وہ یہ کہ) اگر اس کی بیوی نے اس آدمی کے لئے (اپنی لونڈی سے صحبت کرنا) حلال کیا تھا، تو میں اس آدمی کو سو درے ماروں گا ... (تحقیق کی گئی تو) پتہ چلا کہ اس کی بیوی نے اس آدمی کے لئے لونڈی سے ہمبستری کو حلال کردیا تھا، چنانچہ حضرت نعمانؓ نے اسے سو درے لگوائے[2]

استدلال کی وجہ:

سو کوڑے کی یہ سزا یہاں بطور تعزیر ہوئی، کیونکہ اگر تعزیر نہ ہوتی تو اس شخص پر رجم کرنا واجب آتا، پھر اس تعزیر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا ہے، اور جس چیز کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کیا ہو اس کا معاف کرنا جائز نہیں ہے۔

اسی طرح مشترکہ باندی سے صحبت کی تو اس پر بھی تعزیر آئے گی[3] جیسا کہ حضرت سعید بن مسیب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ "جو باندی دو آدمیوں کی مشترک ہو اور ان میں سے ایک اس سے ہمبستری کرے، تو اسے حد کی مقدار سے ایک کوڑا کم

---

[1] مطالب اولی النہی فی شرح غایۃ المنتہی ج ۶ ص ۲۲۴، المغنی والشرح الکبیر ج ۱۰ ص ۳۴۹، الکافی ج ۳ ص ۲۴۳، فتح القدیر ج ۴ ص ۲۱۲

[2] کشاف القناع عن متن الاقناع ج ۶ ص ۱۲۳

[3] مطالب اولی النہی فی شرح غایۃ المنتہی ج ۶ ص ۲۲۴، المغنی والشرح الکبیر ج ۱۰ ص ۳۴۹، الکافی ج ۳ ص ۲۴۳، فتح القدیر ج ۴ ص ۲۱۲

لی سزا دی جائے گی[1] اور جس جرم کی جو سزا مقرر ہو، اس کا معاف کرنا جائز نہیں ہے۔

لیکن شافعیہ نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ جس جرم پہ سزا شروع ہو۔ لیکن واجب[2] نہ ہو اس کو معاف کر دینا جائز ہے، جیسے اپنی بیوی کی لونڈی، یا مشترکہ باندی سے ہمبستری کر لینا وغیرہ، انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ جس میں درج ہے کہ ایک شخص ایک عورت سے ملوث ہوا۔ لیکن اس سے صحبت نہیں کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا، کیا تو نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی ہے؟ اس نے کہا: ہاں! اس پر آپ نے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی،

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ یقیناً نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔ (ہود: ۱۱۴)

نیز انصار کے بارے میں آپ نے فرمایا:۔ ان کے محاسن اور خوبیوں کو قبول کرو۔ وران کی خرابیوں کو درگذر کر دو"!

اور جب حضرت زبیر کے کھیت کی سیرابی کے بارے میں جھگڑا ہوا اور رسول اللہ لی اللہ علیہ وسلم نے ثالث بن کر حضرت زبیر کے حق میں فیصلہ دیا، تو ایک شخص نے کہا تھا آخر وہ آپ ہی کی پھوپھی کا بیٹا ہے"! اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ناراض تو ہوئے ن آپ نے اسے کوئی سزا نہیں دی[3]، اس کے علاوہ آپ نے یہ بھی فرمایا: "معززین لغزشوں کو درگذر کرو، لیکن حدوں کو معاف نہ کرو"۔

سابقہ روایتیں عام ہیں۔ لہٰذا ان کی اس عمومیت کی وجہ سے تعزیر مطلقاً معاف

---

[1] الکافی ج ۳ ص ۲۴۲ [2] المغنی والشرح الکبیر ج ۱۰ ص ۳۴۸، فتح القدیر لابن ہمام ج ۴ ص ۲۱۲

[3] فتح القدیر ج ۴ ص ۲۱۲، ۲۱۳ المغنی والشرح الکبیر ج ۱۰ ص ۲۴۸، ۲۴۹

ہونے کی وضاحت ان کے اندر موجود ہے،

امام شافعیؒ کے استدلال کا جواب:

ا۔ وہ حدیث ندامت اور توبہ پر محمول کی جائے گی، جس میں ایک مرد کے ایک عورت کے ساتھ ملوث ہونے کا ذکر ہے، کیونکہ وہ شخص اس حادثہ کی خبر دینے کے لئے خدمت اقدس میں حاضر ہوا تھا۔ تاکہ اپنی کرنی کی اس کو سزا مل جائے، اور اس طرح اسے توبہ نصیب ہو جائے۔

۲۔ رہی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ والی روایت! تو اس میں تعزیر اس لئے ساقط ہوئی کہ اس کی ضرورت ایک بندے (خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کے حق کے طور پر لاحق ہوئی تھی، اور بندے[1] کو اس کی اجازت ہے کہ وہ اپنا حق معاف کر دے،

۳۔ رہیں۔ (معززین اور انصار سے متعلقہ) باقی ماندہ روایتیں تو وہ بصراحت انہیں کے ساتھ مخصوص ہیں، جن کے بارے میں نص وارد ہے۔ یعنی انصار کے ساتھ، اور معززین کے ساتھ انہیں خاص کر دیا گیا ہے۔

(ب) — اسی طرح ان تعزیرات کو معاف کرنا بھی درست نہیں ہے۔ جن کی بابت ہر چند کہ نص وارد نہیں ہے۔ لیکن امام کی رائے یہ ہے کہ تعزیر کی سزا دینے کے اندر مصلحت مضمر ہے۔ یا اسے یقین ہے کہ سزا کے بغیر وہ آدمی راہ راست پر نہیں آئے گا، لہٰذا ایسی صورت میں تعزیر واجب ہوگی، کیونکہ جس طرح اللہ کے حق کو توڑنے پر شرعی حد آتی ہے۔ اسی طرح اس کے حق کو توڑنے پر تعزیر بھی مشروع تنبیہ[2] کا کام دیتی ہے۔

---

[1] فتح القدیر ص ۲۱۲ ج ۴

[2] المغنی والشرح الکبیر، ص ۳۴۹ ج ۱۰، کشاف القناع عن متن الاقناع ص ۷۲ ج ۴، فتح القدیر ص ۲۱۲ ج ۴، مطالب اولی النہی فی شرح غایۃ المنتہی ص ۲۲۴ ج ۶

(ج) ـــ لیکن کسی آدمی کے حق کے طور پر ثابت شدہ تعزیر کو معاف کرنا جائز نہیں ہے۔ جبکہ وہ اپنے حق کا طالب ہو۔ لہٰذا اس کے مطالبہ پر تعزیر لازم ہوگی، اور اس کو معاف کر دینے کی اجازت نہیں ہوگی[1]۔

اس بارے میں شوافع، حنابلہ، احناف، اور مالکیہ سے اتفاق کرتے ہیں[2]۔

باب اول

رشوت کی حقیقت

اس باب میں تین فصلیں ہیں۔

پہلی فصل — رشوت کی تعریف، اور اس کی بنیادوں کا بیان،

دوسری فصل — رشوت کی قسمیں۔ اس فصل میں چار مطالب درج ہیں۔

پہلا مطلب — حق کو باطل کرنے، یا باطل کو حق ثابت کرنے کے لئے رشوت کا لین دین،

دوسرا مطلب — کسی حق کو ثابت کرنے کے لئے رشوت دینا۔

تیسرا مطلب — ظلم وضرر کو دفع کرنے کے لئے رشوت دینا۔

چوتھا مطلب — کسی منصب یا ملازمت حاصل کرنے کے لئے رشوت دینا۔

تیسری فصل — جرم رشوت سے متعلقہ امور، اس فصل میں تین مطالب درج ہیں۔

---

[1] مطالب اولی النہی فی شرح غایۃ المنتہیٰ ج ۶ ص ۲۲۲، فتح القدیر ج ۴ ص ۲۱۲، التبصرہ لابن فرحون ج ۲ ص ۲۱۷،

[2] نہایۃ المحتاج شرح المنہاج ج ۷ ص ۱۷۵،

پہلا مطلب ہدیہ کا بیان، اس کی تعریف، ہدیہ کب رشوت میں شمار ہوتا ہے۔
دوسرا مطلب رشوت لینے والے کا کام یا اس کی خدمت کر دینا، یا اس کو نفع پہونچا دینا۔
تیسرا مطلب رسوخ کی وجہ سے ثالث بننا، اور دخل اندازی کرنا۔

فصل اول

رشوت کی تعریف، اور اس کے بنیادی ارکان کا بیان

لغوی تعریف:-

" رِشَا " یعنی ڈول کی رسی۔ بقول بعض " رِشَا " رسی کو بھی کہتے ہیں، چنانچہ کہتے ہیں، اَرْشَیتَ الدَّلْوَ: ڈول میں رسی لگایا —— اصمعی کہتے ہیں:۔ جب حنظل کی بیلیں پھیل جاتی ہیں، تو کہتے ہیں:" اَرْشَتْ "۔ یعنی بیلیں پھیل کر لمبی لمبی ٹہنیوں والی ہو گئیں۔ جیسے رسی ہو جاتی ہے۔ یوں ہی کہا جاتا ہے۔ " اِسْتَرْشَی مَا فِی الضَّرْعِ یعنی تھن سے سارا دودھ نکالا، اور اس میں جو کچھ تھا، اس کو حاصل کر لیا۔

" ابن الاعرابی" نے کہا: اَرْشَی الرَّجُلُ "۔ یعنی اونٹنی کے بچے کی سرین کو کھجلایا تاکہ وہ تیز دوڑے، اونٹنی کے بچہ کو " رِشِیٌّ "۔ بھی کہا جاتا ہے۔

" لیث " نے کہا: رَشْوٌ یعنی رشوت کا فعل، اور مُرَاشَاۃ یعنی ایک دوسرے کی مدد کرنا۔ اور فیصلہ میں انصاف سے ہٹ کر مائل ہونا۔

منذری نے ابوالعباس سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ رِشْوَۃٌ کا لفظ رَشْءٌ

اَلْفَرْخُ سے ماخوذ ہے۔ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب چوزہ گردن بڑھا کر اپنا سر ماں کی طرف لے جاتا ہے تاکہ وہ اس کو چوگا دے۔

رشوۃ راء کے ضمہ اور کسرے کے ساتھ بھی بولا جاتا ہے، جیسے رَشَاہُ رِشْوَۃً، اس کو رشوت دی۔ اِرْتَشٰی مِنْہُ رِشْوَۃً، جب کوئی شخص رشوت لے، اس کی جمع رُشًا[1] آتی ہے۔

رِشْوَۃ کا ہم معنی لفظ بِرطِیْل[2] ہے۔ (بمعنی رشوت اور) ایک سخت گول لمبا پتھر جو بولنے والے کے منہ میں اس لئے ڈال دیا جاتا ہے۔ تاکہ بات کرنے اور بولنے سے اس کو روک رکھے،[3]

اور ضرب المثل کے طور پر بولا جاتا ہے۔ اَلْبَرَاطِیْلُ تَنْصُرُ الْاَبَاطِیْلَ[4] یعنی رشوت باطل کاموں کیلئے ممد ومعاون ہوا کرتی ہے۔

اصطلاحی تعریف:

۱۔ بقول بعض:۔ رشوت (ہر وہ مال ہے جو بشرط اعانت خرچ کیا جائے[5]) یعنی ہر وہ مال جو کسی کام میں کسی شخص کی مدد حاصل کرنے کی غرض سے خرچ کیا جائے۔۔۔ اس تعریف سے "ہدیہ" آپ سے آپ نکل جاتا ہے، کیونکہ یہ اعانت کی شرط کے ساتھ

---

[1] تہذیب اللغۃ ج ۱۱ ص ۴۰۶ [2] حاشیہ ابن عابدین ج ۵ ص ۳۶۲، تعریب السیاسۃ الشرعیۃ فی حقوق الراعی وسعادۃ الرعیۃ ص ۵۰

[3] تعریب السیاسۃ الشرعیۃ فی حقوق الراعی وسعادۃ الرعیۃ ص ۵۰

[4] المسئولیۃ الجنائیۃ فی الفقہ الاسلامی ص ۷ [5] الاصول القضائیۃ فی المرافعات الشرعیۃ ص ۳۳، المسئولیۃ الجنائیۃ فی الفقہ الاسلامی ص ۷

نہیں دیا جاتا۔ لیکن یہ تعریف غیر رشوت کو رشوت میں داخل ہونے سے مانع نہیں، جیسے مزدور، انجینئر، یا وکیل کو اجرت یا فیس دیکر اس سے کام کرانا، ظاہر ہے، ان کا تعلق رشوت سے نہیں ہے۔ (لیکن اس تعریف سے ان کا شمار بھی رشوت میں ہوتا ہے)[1]

۲۔ بعض کہتے ہیں کہ "رشوت وہ ہے جس کو لینے والے کی طلب پر اس کے حوالہ کیا جائے" یعنی رشوت لینے والے کی طلب پر جو مال بطور رشوت اسے دیا جائے، وہ رشوت کہلاتا ہے لیکن یہ تعریف جامع نہیں اس لئے کہ اس میں وہ رشوت نہیں آتی، جو بغیر طلب کئے دی جاتی ہے۔ اسی طرح یہ تعریف مانع بھی نہیں، اس لئے کہ غیر رشوت اس تعریف سے رشوت میں شمار ہو جاتی ہے۔ جیسے وہ صدقہ اور خیرات جو طلب کرنے پر دی جائے یا وہ حق جو حق دار کے طلب کرنے پر اس کو دیدیا جائے، دونوں ہی چیزیں اس تعریف کی رو سے رشوت میں شمار ہونگی، اس لحاظ سے یہ تعریف نہ جامع ہے، نہ مانع ہے۔

۳۔ بعض کہتے ہیں کہ "رشوت ہر وہ اجرت اور مزدوری ہے جس کا حرام ہونا تینوں شرعی اصولوں سے ثابت ہو"[2]۔ یعنی ہر ایسا مال رشوت ہے۔ جو کسی مصلحت یا مفاد کی تکمیل کے عوض دیا جائے، اور اس کا اس طرح دینا کتاب[1] و سنت[2]، اور اجماع امت[3] جیسی قطعی دلیلوں سے ثابت ہو۔

لیکن یہ تعریف مانع نہیں، کیونکہ یہ رشوت اور غیر رشوت دونوں کو اپنے اندر شامل کر لیتی ہے۔ جیسے حرام اجرت، مثلاً کسی نے ایک معصوم مومن کا خون بہانے کے لئے ایک شخص کو اجرت پر ٹھہرایا۔ (یہ اجرت حرام ہے، لیکن اس تعریف سے یہ بھی داخل رشوت

---

[1] کشاف القناع عن متن الاقناع ج ۶ ص ۳۱۶ [2] تعریب السیاسۃ الشرعیۃ فی حقوق الراعی وسعادۃ الرعیۃ ص ۵۰ [3] عون المعبود شرح سنن ابو داؤد ج ۹ ص ۴۹۶

ہوتی ہے) لہٰذا تعریف مانع نہیں۔

۴۔ بعض کہتے ہیں کہ: "رشوت حاجت برآری کا ایک ذریعہ ہے۔ جو مصانعت (یعنی رشوت) کے لین دین سے عمل میں آتا ہے"۔ یعنی کوئی آدمی اپنی حاجت نکالنے کے لئے فیصلہ میں انصاف سے ہٹانے کے لئے مال کا لالچ دے کر، خاطر مدارات کرکے، یا چاپلوسی کے ذریعہ جو رشوت دیتا ہے۔ اس کو رشوت کہا جاتا ہے، لیکن یہ تعریف رشوت کی تعریف کہلانے کے لائق بھی نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس تعریف میں مصانعت کا جو لفظ آیا ہے، اگر اس کے معنیٰ خود رشوت کے ہیں، جیسا کہ بعض اہل لغت[1] نے اس کی وضاحت اسی سے کی ہے، تو یہ لفظ کی تعریف خود اسی لفظ سے ہوگی، اور یہ معیوب ہے۔ اور اگر مصانعت سے مراد خاطر مدارات، اور مداہنت[2] ہو تو تعریف مانع نہیں ہوگی، اس لئے کہ اس طرح غیر رشوت رشوت بن جائے گی، جیسے چاپلوسی، خاطر تواضع، منافقت، یا خوشامد سے کوئی کام کرانا بھی رشوت ہے۔

۵۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ: "رشوت وہ ہے جو حق کو باطل، اور باطل کو حق ثابت کرنے کے لئے دیا جائے"[3] یعنی ثابت شدہ شرعی حق کو باطل ثابت کرنے، یا شرعاً جو چیز باطل ہو اس کو حق ثابت کرنے کے لئے جو کچھ خرچ کیا جائے، اس کو رشوت کہتے ہیں، یہ تعریف بھی اس لئے جامع نہیں ہے۔ کہ رشوت کی جملہ اقسام کو یہ اپنے اندر سمیٹ نہیں سکتی، جیسے وہ رشوت جو ایسا کام کرانے کے لئے دی جائے۔ جس میں کوئی باطل نہ ہو،

۶۔ بعض کہتے ہیں کہ: "رشوت وہ چیز ہے، جیسے کوئی آدمی محض اس لئے دیتا

---

[1] تہذیب اللغۃ ج ۲ ص ۳۸ مادہ صنع ، [2] ایضاً

[3] عون المعبود شرح سنن ابوداؤد ج ۹ ص ۲۹۶

ہے۔ تاکہ اس کے حق میں کوئی باطل فیصلہ صادر کر دیا جائے، یا کسی منصب پر فائز کر دیا جائے، یا اس کی خاطر کسی انسان کی حق تلفی کی جائے، اس پر ظلم و زیادتی کی جائے[1]، یعنی وہ مال جو رشوت دینے والا، رشوت لینے والے کے لئے اس بنا پر خرچ کرے، تاکہ اس کے حق میں سچائی کے خلاف فیصلہ کر دیا جائے، یا اسے کوئی ولایت یا منصب حاصل ہو جائے، خواہ وہ اس کا اہل کیوں نہ ہو۔ یا انتقامی جذبہ سے مغلوب ہو کر کسی کو ظلم و زیادتی کا نشانہ بنائے۔ یہ تعریف بھی جامع نہیں ہے۔ کیونکہ رشوت کی جملہ اقسام اس میں شامل نہیں ہیں۔

۷۔ ابن عابدینؒ نے کہا ہے۔ رشوت وہ چیز ہے۔ جو آدمی کسی حاکم یا غیر حاکم کو اس مقصد کے تحت دیتا ہے کہ فیصلہ اس کے حق میں ہو۔ یا اس کے من پسند منصب پر اسے فائز کرے[2] اس تعریف سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رشوت حاکم یا غیر حاکم کو کسی کی طرف سے پیش کی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو رشوت عام ہو گی، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ مال ہو یا اس شخص سے حاصل ہونے والی کوئی منفعت ہو، یا اس کی خاطر کسی قسم کے کام کی ادائیگی ہو، حاکم سے یہاں مراد قاضی ہے۔
غیر حاکم سے مراد ہر وہ شخص ہے جس سے رشوت دینے والے کی غرض اور مفاد پورے ہونے کی توقع ہو، خواہ وہ حکومت کا والی ہو، یا کسی محکمہ کا ملازم ہو۔ یا کوئی مخصوص کام اس کے سپرد ہو، جیسے تاجروں یا کمپنیوں کا ایجنٹ ہو، یا زمینداروں کا گماشتہ ہو وغیرہ۔
اور رشوت دینے والے کے حق میں فیصلہ کرنے۔ یا رشوت دینے والے کی مرضی

---

[1] المحلی لابن حزم ص ۱۵۷ ج ۹ [2] حاشیہ ابن عابدین ص ۳۶۲ ج ۵

کے مطابق رشوت لینے والے کو برانگیختہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ رشوت دینے والے کی مرضی اور اس کے مقصد کو رشوت لینے والا پورا کرے اور اس سے کوئی بحث نہ کرے کہ وہ مرضی یا مقصد حق ہے یا باطل ہے!

لیکن سابقہ تنقید و تبصرے کے پیش نظر میں یہ سمجھتا ہوں کہ سب سے محفوظ تعریف ابن عابدین کی بیان کی ہوئی تعریف ہے، کیونکہ یہ تعریف جامع اور ٹھوس ہے، دوسرے اس کے علاوہ تعریفوں پر جس قدر نقد و نظر اور اعتراض وارد ہوا، یہ تعریف اس سے خالی ہے۔

لغوی اور اصطلاحی مفہوم کے درمیان ربط

گذشتہ سطروں میں جو لغوی معنی مذکور ہے، اس کا اصطلاحی تعریف سے ربط صاف نظر آتا ہے۔ کیونکہ رشوت اسی لئے دی جاتی ہے تاکہ مفاد اور مصلحتوں کی بابت فیصلے میں حق اور انصاف سے گریز کیا جائے، اور رشوت ڈول اور رسی کی طرح ہوتی ہے، اسی طرح رشوت دینے والا اس چوزے کی طرح ہوتا ہے۔ جو اپنا سر اس لئے اوپر اٹھاتا ہے تاکہ اس کی ماں اسے چوگا دے، رشوت، راشی، اور مرتشی (لینے اور دینے والے) کے درمیان ایک جوڑ کا کام دیتی ہے۔ جیسے رسی اور ڈول جوڑ کا کام دیتی ہیں، اور جس طرح تیز دوڑانے کے لئے اونٹ کے بچہ کے سرین کو سہلایا جاتا ہے۔ اسی طرح رشوت لینے والے کو اس لئے رشوت دی جاتی ہے تاکہ وہ مطلوبہ کام پوری طرح انجام دے سکے۔

جرم رشوت کے اہم اجزاء

فقہ اسلامی کی روشنی میں رشوت کے اہم اجزاء کی بابت کافی غور و خوض اور جستجو اور تلاش کے باوجود کہیں ان کے بارے میں کچھ نہیں مل سکا، اس لئے توفیق خداوندی

میں نے فقہاء کی گذشتہ تحریروں پر ازسرنو غور کیا ، اور خاص طور پر آخری تعریف کی مدد سے ایک چارٹ تیار کیا ، جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے ۔

۱ ۔ مرتشی :۔ وہ شخص جو کسی دوسرے سے مال کا تقاضا کرتا ہے ، یا اس سے کسی نفع کا حصول چاہتا ہے ۔ تاکہ اس کے عوض اس کی کوئی غرض پوری کر دے ، جس کی ادائیگی اس کے لئے ضروری ہو ، یا اس کا کوئی غیر شرعی کام انجام دیدے ۔ کام انجام دینے کا مطلب دونوں سے ہے ۔ یعنی کام کر دینا ہو ، یا کام کرنے سے رک جانا ہو ۔

۲ ۔ راشی :۔ وہی شخص ہے جو یہ سارا مال خرچ کرتا ہے ۔ یا مفاد بہم پہونچاتا ہے تاکہ اس کی غرض پوری ہو سکے ،

۳ ۔ رشوت :۔ وہ مال یا منفعت ہے ۔ جو رشوت دینے والا خرچ کرتا ہے ۔ تاکہ رشوت لینے والا مذکورہ غرض یا مفاد کو پورا کر سکے ۔

فصل دوم

رشوت کی قسمیں

یہ فصل چار مطالب پر مشتمل ہے ۔

پہلا مطلب : حق کو باطل کرنے ، یا باطل کو حق ثابت کرنے کیلئے رشوت کا لین دین

حلال واضح ہے ، حرام بھی واضح ہے ۔ حق باقی رہنے والا ہے ۔ باطل مٹ جانے والا ہے ، اور اللہ کی شریعت وہ روشنی ہے ۔ جو ہر ایسی ظلمت کو کافور کرتی ہے ، جس سے بندہ کوئی فریب کھا سکتا ہے ۔ جس کی آڑ میں مجرم چھپ کر وار کر سکتا ہے اس لئے ہر ایسا وسیلہ در اصل

بھی حرام ہے۔ جس کے ذریعہ حق کے خلاف باطل کو غلبہ مل رہا ہو، اور چونکہ رشوت ان وسائل میں سے ایک ہے۔ جس کے سہارے حق کو باطل، اور باطل کو حق ٹھہرایا جاتا ہے اس لئے اسلام نے اس کو حرام قرار دیا ہے، اور حرام اور خبیث و قبیح میں اس کو شمار کیا، اور اس سے پیدا گناہ جس طرح رشوت لینے والے کو ہوگا۔ رشوت دینے والا اور بیچ کا ایجنٹ بھی اس جرم کا گنہگار ہوگا۔

اس میں ذرہ برابر شک نہیں کہ کسی بھی خلاف شرع چیز کے حصول کیلئے روپیہ خرچ کرنا بدترین اور بیحد شرمناک فعل ہے۔ کیونکہ یہ روپیہ ممنوع اور حرام کام کے مقابلہ میں خرچ کیا جارہا ہے۔ اور جو مال خدا کی سرکشی یا نافرمانی کے لئے خرچ کیا جائے۔ کبھی اس کی حرمت اتنی شدید ہوتی ہے کہ اس کی خرابی زناکاری سے بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ رشوت کے ذریعہ آدمی غیر کا مال ہڑپ کر لینے کا راستہ پاتا ہے۔ جبکہ اس سے اس بیچارے کا دل تنگ ہوتا ہے۔ اور اسے بیحد تکلیف لاحق ہوتی ہے۔ رہی زناکاری میں خرچ کی گئی رقم تو وہ محض ایک حرام فعل کا ذریعہ اور وسیلہ بنتی ہے۔ اور زناکار مرد و عورت[1] کو اس فعل سے لطف اور لذت ملتی ہے۔ لیکن یہ بھی ضرور کہا جاسکتا ہے کہ زناکاری وہ گناہ نہیں۔ جس سے ایک دو متاثر ہوں، بلکہ یہ وہ لعنت ہے۔ جس سے پورا سماج شدید طریقہ سے متاثر ہوسکتا ہے۔ مثلاً یہی کہ اس سے حسب نسب میں فرق پڑتا ہے اور خاندان مخلوط ہو جاتا ہے۔ ان خرابیوں کی وجہ سے یہ کہنا بجا ہے کہ زناکاری، رشوت سے کہیں زیادہ شدید لعنت اور بدترین گناہ ہے۔

ممکن ہے مذکورہ دعوے اور اس کی دلیل کے جواب میں یہ کہا جائے کہ پھر بھی

---

[1] نیل الاوطار ج ۸ ص ۲۷۵

زنا کاری ایک ایسا گناہ ہے، جس کا تعلق بندہ اور اس کے رب سے ہے۔ اور اللہ رب العزت کی ذات وہ ہے۔ جو اپنا حق وصول کرنے والوں میں سب سے زیادہ چشم پوشی اور فراخدلی کرتی ہے۔ اور جب بندہ کوئی معصیت کرتا ہے۔ تو آپ اکیلا اگر اپنے پروردگار کے سامنے توبہ کرلے تو یہی اس کی مغفرت کے لئے کافی ہوتا ہے (جبکہ رشوت ستانی میں ایسا نہیں) اس لحاظ سے زناکاری اور رشوت ستانی میں نمایاں[1] فرق ہوجاتا ہے۔ (اور رشوت ستانی کی خرابی زنا کاری سے بڑھ جاتی ہے)

اور جو مال حاکم کو اس غرض کیلئے دیا جائے کہ وہ باطل کو حق ثابت کردے، یا کسی غیر کے حق کو باطل قرار دے یا حاکم کے علاوہ کسی اور کو اپنی نفسیاتی اغراض کے لئے روپیہ بطور رشوت دیا جائے، تو یہ حرام رشوت کی بدترین مثال ہوگی، کیونکہ رشوت اسی غرض کے تحت دی جاتی ہے۔ تاکہ اس کے ذریعہ باطل کو حق اور حق کو باطل ثابت کیا جائے، یا اس کے حق کو غصب کرلیا جائے، جس نے اس کی طرح رشوت نہیں ادا کی ہے۔!

اور جو حاکم حق کو باطل ثابت کرنے کے لئے رشوت لیتا ہے، اس کی حرکت سے اس کا فسق دو طرح سے ثابت ہوتا ہے:

۱۔ ایک اس طرح سے کہ اس نے رشوت لینے کا ارتکاب کیا، جو سراسر باطل کی اعانت کے لئے صرف ہورہی ہے۔ اور یہ حرام ہے، لہٰذا اس کے عوض جو چیز لی جائے گی۔ وہ بھی حرام ہوگی۔ اور اس کا کرنے والا فاسق ہوگا۔

۲۔ دوسرے رشوت لے کر وہ ناحق فیصلہ کرے گا۔[2] یہ قطعی حرام ہے، جس کا ارتکاب کرنے والا فاسق ہے، یا تو اسے معزول کردیا جائے گا۔ یا معزول کئے جانے کے لائق ہوگا۔

---

[1] ایضاً۔ [2] احکام القرآن للجصاص ج ۲ ص ۸۶۔

جیسا کہ آئندہ تفصیل آئے گی۔ (انشاء اللہ!)

رہا رشوت دینے والا تو وہ دو وجہ سے فاسق کہے جانے کا مستحق ہوگا۔

۱۔ ایک اس لئے کہ اس نے رشوت کی مد میں روپیہ خرچ کیا۔

۲۔ دوسرے اس نے اپنے اور دوسرے کے حق میں ظلم کیا۔

اور یہ امر مسلم ہے کہ جو چیز فسق کا سبب ہو وہ بھی حرام ہوتی ہے، لہٰذا رشوت کی یہ قسم بالاتفاق[1] حرام ہے[2]۔ اس کا ثبوت وہ نصوص اور صراحتیں ہیں جو رشوت کی بابت وارد ہیں۔ ان کی تفصیل باب دوم کی پہلی فصل میں مذکور ہے،

دوسرا مطلب: کسی حق کو حاصل کرنے کے لئے رشوت دینا
تیسرا مطلب: ظلم وضرر کو دفع کرنے کے لئے رشوت دینا

انسان فطری طور پر شہریت پسند واقع ہوا ہے۔ اس لئے اس کے اور اس کے علاوہ دوسروں کے درمیان اجتماعی اور سماجی روابط استوار ہوتے ہیں۔ باہمی مصلحتوں اور مفاد کا تبادلہ ہوا کرتا ہے۔ اور حقوق کی فراوانی اور افزائش ہوتی ہے۔ لیکن بہتیرے ایسے ہوتے ہیں۔ جو حق کی ذمہ داری قبول کرنے کے باوجود اس کے ساتھ انصاف سے

---

[1] فتح العلام ج ۲ ص ۳۲۰، الاصول القضائیہ فی المرافعات الشرعیۃ لقراعہ ص ۳۳۱، کشاف القناع عن متن الاقناع ج ۶ ص ۳۱۶، نہایۃ المحتاج شرح المنہاج ج ۸ ص ۹۵۔ عون المعبود شرح سنن ابوداؤد ج ۹ ص ۲۹۶، الجامع لأحکام القرآن للقرطبی ج ۶ ص ۱۸۳، فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ج ۳۱ ص ۲۸۶،

[2] نہایۃ المحتاج شرح المنہاج ج ۸ ص ۹۵، الجامع لأحکام القرآن للقرطبی ج ۶ ص ۱۸۳

کام نہیں لیتے، چنانچہ حقوق ضائع ہوتے ہیں، ایک دوسرے پر مظالم میں اضافہ ہوتا ہے اور ایذا رسانی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ انجام کار بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اس کشمکش میں اپنا حق وصول نہیں کر سکتے یا ظلم و ضرر کا دفعیہ ان کے بس کا روگ نہیں ہوتا، ایسے حالات میں چاروناچار انہیں رشوت کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ حالانکہ ان صورتوں میں افضل ترین صورت یہ تھی کہ یہ لوگ صبر سے کام لیتے، تاآنکہ اللہ تعالیٰ غیب سے ان کے حق کے حصول کی آسان راہیں پیدا فرماتا، اور اس سے ظلم و ضرر کا دفعیہ کرتا۔

بہرکیف جب یہ شخص ان حالات میں رشوت کی راہ پر سرپٹ چل پڑتا ہے، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ گنہگار کون ہوگا، آیا رشوت لینے والا تنہا مجرم ہوگا۔؟ یا لینے اور دینے والے دونوں یکساں گنہگار ہونگے۔؟

اس سلسلے میں علماء کرام کی دو رائیں ہیں۔

۱۔ مرتشی یعنی رشوت لینے والا تنہا گنہگار ہوگا۔ رشوت دینے والا، گنہگار نہیں ہوگا۔[1] جمہور علماء کا یہی مسلک ہے۔

---

[1] فتح القدیر ج۵ ص۲۵۵، الاصول القضائیۃ فی المرافعۃ الشرعیہ ص۳۳۱، کشاف القناع عن متن الاقناع ص۳۱۶، حاشیہ ابن عابدین ج۵ ص۳۶۲، احکام القرآن للجصاص ج۴ ص۸۶، عون المعبود شرح سنن ابوداؤد ج۹ ص۴۹۶، نہایۃ المحتاج شرح المنہاج ج۸ ص۹۵، تعریب السیاسۃ الشرعیۃ فی حقوق الراعی وسعادۃ الرعیہ للسید عبداللہ ص۵۳، المحلی لابن حزم ج۹ ص۱۵۷، الزوائد فی فقہ احمد بن حنبل ص۸۸۹، المقنع لابن قدامہ ج۳ ص۶۱۱، حاشیۃ الرہونی ج۷ ص۳۱۳، البنایۃ شرح الہدایہ ج۷ ص۲۶، المسئولیۃ الجنائیۃ فی الفقہ الاسلامی لبہنسی ج۲ ص۶۸۔

فقیہ ابو اللیث سمرقندی کہتے ہیں: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں، چنانچہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ آدمی رشوت کے ذریعہ اپنی جان و مال سے مضرت[1] دفع کرے۔

حاشیہ رہونی میں ہے[2]، بعض علماء کہتے ہیں: "اگر تم عاجز رہے اور اپنے حق کو ثابت کرنے کے لئے کوئی شرعی دلیل قائم نہ کر سکے، پھر تم نے کسی ایسے حاکم سے مدد چاہی جو شرعی دلیل کے بغیر فیصلہ دیدیتا ہے، تو تمہارے بجائے وہ حاکم اس صورت میں گنہگار ہوگا۔ جبکہ حق کسی باندی کی بابت ہو، اور اس کی شرمگاہ کو حلال سمجھا جا رہا ہو۔ اور اس صورت میں تمہارا اس حاکم سے مدد طلب کرنا واجب ہوگا۔ اس لئے کہ حاکم کا قصور زنا اور غصب کے قصور سے بہر حال ہلکا ہے۔ اور یہی صورت بیوی کی بابت نزاع میں بھی ہوگی، اور اسی طرح اگر تم نے فوج اور پولیس سے مدد چاہی تو وہ گنہگار ہونگے، تم گنہگار نہ ہوگے، یہی حال سواری وغیرہ کے غصب کی صورت میں ہوگا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مدد کرنے والے سے ہر چند کہ معصیت سرزد ہوتی ہے، لیکن فساد سرزد نہیں ہوتا۔ جبکہ مدعا علیہ کا جھٹلانا، یا غصب کر لینا معصیت اور فساد دونوں ہوتا ہے۔ اور شارع علیہ السلام نے کسی بڑے بگاڑ سے بچنے کے لئے اس سے چھوٹے بگاڑ کی اجازت دی ہے۔ لیکن اس حیثیت سے نہیں کہ وہ بگاڑ ہے۔ (بلکہ اس حقیقت سے کہ اس کے ذریعہ بڑے بگاڑ سے تحفظ ہوتا ہے۔) جیسے قیدی کا فدیہ دینا۔ (ایک بگاڑ ہے) اس لئے کہ کافروں کا ہمارا مال لینا حرام ہے۔ پھر اس سے مال کی خرابی اور بربادی لازم آتی ہے۔ (لیکن پھر بھی اس خرابی کو اس لئے برداشت کیا جاتا ہے، تاکہ اس سے بڑی خرابی یعنی مسلمان کی کافر کی

---

[1] الجامع لأحكام القرآن للقرطبي ج ۲ ص ۱۸۳، ۱۸۴

[2] حاشية الرهوني ج ۷ ص ۳۱۳

قید سے رہائی نصیب ہو۔ پھر یہاں کافر قیدی کا فدیہ دینا بہر صورت ایک خرابی تھا۔)
لیکن جس چیز میں کسی خرابی کا ڈر نہ ہو، وہ بدرجہ اولیٰ جائز ہوگی۔
اور اگر متنازعہ فیہ حق کوئی معمولی چیز ہو، جیسے کوئی ٹکڑا یا ایک کھجور ہو، تو اس کو شرعی دلیل کے بغیر حاصل کرنا حرام ہوگا۔ کیونکہ حکم خداوندی کے خلاف فیصلہ کرنا نہایت سنگین بات ہے۔ لہٰذا معمولی معمولی چیزوں میں اس قسم کی خلاف ورزی کرنا درست نہ ہوگا"۔۔۔۔ الخ

علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے ظلم و ضرر کو دفع کرنے یا کسی حق کو حاصل کرنے کے لئے رشوت دینے کے جواز پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"اگر یہ کہا جائے کہ ظلم دفع کرنے کے لئے مال دینے کو تم مباح کیوں سمجھتے ہو جبکہ تم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے توسط سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا، اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر کوئی شخص اگر میرا مال چھیننا چاہے (تو میں کیا کروں؟) آپ نے فرمایا: اسے اپنا مال ہرگز نہ دو! اس نے عرض کیا، اگر اس نے مجھ سے لڑائی کی تو آپ کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا، تم بھی اس سے لڑو! اس نے عرض کیا اگر اس نے مجھے مار ڈالا تو آپ کا کیا فیصلہ ہے۔ آپ نے فرمایا: تم شہید ہو گئے! اس نے کہا، اور اگر میں نے اسے مار ڈالا تو اس بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ شخص دوزخ میں ہوگا، یونہی ایک حدیث ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت فرمائی ہے"۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ رشوت دینے والا دفع ظلم کے لئے مجبوراً رشوت دے رہا ہو، تو وہ راشی نہیں ٹھہرے گا۔ اور لڑنے کی بابت حدیث سے متعلق ہم کہیں گے کہ: جو شخص ظلم کے دفعیہ کی مقدرت رکھتا ہو، اسے ایک پائی یا اس

سے زیادہ دینا بھی درست نہ ہوگا، ہاں جو مجبور ہے، تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (بقرہ: ۲۸۶) — اللہ تعالیٰ کسی انسان کو اس کی وسعت سے زیادہ کی تکلیف نہیں دیتا۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ[1] سے منقول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ:۔

اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِاَمْرٍ فَاْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ — جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں، تو حتی المقدور اس کی تعمیل کرو۔

اس (آیت اور روایت) سے لڑنے مرنے اور بیچ بچاؤ کرنے کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اب جو جواب دیا جائے گا اس کی حیثیت جبر و اکراہ اور زور زبردستی کی ہوگی —!

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ":

رُفِعَ عَنْ اُمَّتِي الْخَطَاُ وَالنِّسْيَانُ وَمَا اسْتُكْرِهُوْا عَلَيْهِ — میری امت سے خطا اور نسیان اور جو کام زبردستی سے کرایا گیا ہو۔ وہ معاف کر دیا گیا ہے"

نیز حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے منقول وہ روایت پایۂ ثبوت کو پہنچی ہے کہ آپ نے فرمایا:

اَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَفُكُّوا الْعَانِيَ۔ (بخاری، دارمی، احمد) — یعنی بھوکے کو کھانا کھلاؤ۔ اور قیدی کو رہائی دلاؤ"

یہ حکم ناحق گرفتار ہر مظلوم کی بابت وارد ہے۔ خواہ وہ کافروں کی قید میں اسیر ہو

---

[1] صحیح مسلم بشرح النووی ص ۔۔۔

یا مسلمان کے ماتحت گرفتار ہو۔[1]

اور میری نظر میں حق کو حاصل کرنے اور ظلم و ضرر کو دفع کرنے کے لئے رشوت دینا اسی وقت جائز ہوگا، جبکہ انسان اپنا حق حاصل کرنے، یا ظلم و ضرر کو دفع کرنے سے قطعی عاجز ہو، یہاں تک کہ اسے حق کو حاصل کرنے کے لئے حکومتی یا غیر حکومتی سطح پر کسی قسم کی تائید و حمایت حاصل نہ ہو، نہ ہی ایسا کوئی سہارا اسے مہیا ہو، جو اس پر ہونے والے مظالم کے خلاف اسے انصاف دلا سکے، یا اگر کوئی سہارا ابھی ہو تو اسے ڈر ہے کہ اگر اس نے اس سے تعاون چاہا تو پہلے سے زیادہ خطرہ اور مشکلات اسے لاحق ہونگی، ایسے وقت رشوت دے کر کام نکالنے کی اسے اجازت ہوگی،

اس نقطہ نظر کے دلائل

ا۔ رشوت لینے والا گنہگار ہے، اس کی دلیلیں :۔

ا۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۚ (مائدہ : ۲)

اور (دیکھو) نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔[2]

استدلال کی وجہ اور اس کا طریق کار

حق کو حقدار تک پہونچانا، اور اس سے ظلم کو دفع کرنا، تعاون کی ایک قسم ہے۔ آیت اسی کا حکم دیتی ہے۔ اس لئے کسی عوض معاوضے اور لین دین کے بغیر اس سلسلے میں کامل تعاون کرنا واجب ہو جاتا ہے، اب اگر کوئی شخص اس تعاون کے صلے میں روپیہ وصول کرتا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنا فرض ادا کرنے کے لئے اس کا عوض یعنی

---

[1] المحلی لابن حزم ج ۹ ص ۱۵۷ [2] احکام القرآن للجصاص ج ۲ ص ۸۶

رشوت لیتا ہے، لہٰذا لینے والا اس کی وجہ سے گنہگار ہوگا،

۲۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ (نساء: ۲۹)	اے ایمان والو[1] آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر نہ کھایا کرو ہاں اگر آپس کی رضامندی سے خرید و فروخت ہو تو مضائقہ نہیں)

استدلال کا طریق کار

اگر کوئی حقدار کو حق تک پہونچائے، یا مظلوم سے ظلم و ضرر کو دور کرنا چاہے، لیکن اس سے رشوت کے طور پر اس کی قیمت وصول کرے تو یہ بھی تو باطل طریقہ سے دوسرے کا مال ہڑپ کرنے کی ایک قسم ہوگی، جبکہ آیت نے اس سے منع کیا ہے۔ اور ممانعت کبھی تحریم کا فائدہ دیتی ہے، لہٰذا اس طرح مال لینا حرام ہوگا، خصوصاً قاضی، حکام، اور ملازمین کے لئے، جن کا کام ہی یہ ہے کہ وہ حق کو حقدار تک پہونچائیں، اور باطل کا دفعیہ کریں۔

۳۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَاللَّهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ[2]	اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندے کی مدد کرتا ہے، جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے۔

---

[1] المحلی لابن حزم [illegible]۔ نیل الاوطار ج ۸ ص ۲۷۷، [2] عون المعبود شرح سنن ابوداؤد ج ۱۳ ص ۲۹۰

استدلال کی وجہ اور اس کا طریق کار

حق کو حق دار تک پہونچانے یا کسی انسان سے ظلم وضرر دفع کرنے کے لئے رشوت لینا عدم تعاون کی علامت ہے ۔ اور عدم تعاون آدمی کو تائید غیبی اور امداد ربانی سے دور کرتا ہے ۔ اور جو شخص خدائی امداد اور نصرت سے محروم ہونے کے اعمال کرتا ہے ایسا شخص گنہگار رہوتا ہے ۔ لہٰذا رشوت لینے والا بھی گنہگار ہوگا ۔ اور اس کا رشوت لینا حرام ہوگا ۔

۴ ۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ

مَنْ شَفَعَ لِاَحِدٍ فَاَهْدٰى لَهُ هَدِيَّةً عَلَيْهَا فَقَبِلَهَا فَقَدْ اَتٰى بَابًا عَظِيْمًا مِنْ اَبْوَابِ الرِّبٰوا [1]

جس نے کسی کے لئے سفارش کی پھر اس کی وجہ سے اسے کوئی ہدیہ دیا گیا ، اور اس نے اس کو قبول کر لیا ، تو اس نے سود کے ایک بڑے دروازے میں گھسنے کا ارتکاب کیا ۔

استدلال کی وجہ اور اس کا طریق کار

اچھے کام کی سفارش کرنا پسندیدہ فعل ہے ۔ کبھی سفارش کرنا واجب بھی ہوجاتا ہے ۔ مذکورہ بالا روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمارہے ہیں کہ سفارش پر جس نے تحفہ لیا ۔ اس کا یہ عمل سود کا ایک بڑا دروازہ تصور کیا جائے گا ۔ اور سود حرام ہے ۔ لہٰذا اس قماشس کا تحفہ لینا بھی حرام ہوگا ۔ اور جب سفارش پر تحفہ لینا حرام ٹھہرا ، تو حقدار کو حق پہونچانے ، یا مظلوم سے ظلم ومضرت دفع کرنے کے لئے تحفہ لینا بھی بدرجۂ اولیٰ حرام ہوگا ۔

---

[1] ایضاً ج ۹ ص ۲۵۱

۵۔ امام بخاری اور امام احمد رحمہا اللہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم نحر کو خطبہ دیا، اور فرمایا:

فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ [1] — تمہارا خون اور تمہارے اموال تم پر حرام ہیں"

استدلال کا طریق کار

حدیث بتاتی ہے کہ بلاوجہ ناحق مال لینا حرام ہے۔ اور حق کو حقدار تک پہونچانے یا کسی مظلوم آدمی سے ظلم ومضرت دفع کرنے کے لئے اس سے روپیہ بطور رشوت لینا، ناحق مال لینے کے مترادف ہے۔ لہٰذا وہ بھی حرام ہوگا۔

۶۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ، آپ نے فرمایا:

لَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ مِنْ مَالِ أَخِيهِ إِلَّا مَا طَابَتْ بِهِ نَفْسُهُ [2] — اپنے بھائی کا مال اس کی رضامندی کے بغیر لینا کسی شخص کے لئے حلال نہیں ہے۔

استدلال کی صورت اور اس کا طریق کار

جو شخص اپنا حق حاصل کرنے، یا اپنے اوپر سے ظلم وضرر دفع کرنے کے لئے مال خرچ کرتا ہے۔ وہ دل سے اس کے لئے راضی نہیں ہوتا، بلکہ زور زبردستی اور جبر واکراہ سے ایسا کرتا ہے، اور مجبور سے مال لینا حلال نہیں، لہٰذا اس کا لینا حرام ہوگا۔

۷۔ مسروق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ

---

[1] نیل الاوطار ص ۵۶ ج ۵   [2] مسند الامام احمد بن حنبل ص ۱۱۳ ج ۵۔ نیل الاوطار ص ۲۷۷ ج ۵

وہ کہتے ہیں کہ میں نے انہیں یہ کہتے ہوئے سنا ،

مَنْ رَدَّ عَنْ مُسْلِمٍ مُظْلَمَةً فَاَعْطَاهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَلِيْلًا اَوْكَثِيْرًا فَهُوَ سُحْتٌ فَقَالَ رَجُلٌ يَا اَبَا عَبْدَ اللّٰهِ مَا كُنَّا نَظُنُّ اَنَّ السُّحْتَ اِلَّا الرِّشْوَةَ فِى الْحُكْمِ فَقَالَ ذٰلِكَ كُفْرٌ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ

جس شخص نے ایک مسلمان سے ظلم کو دور کیا اور اس نے کم یا زیادہ اسے کچھ دیا تو وہ حرام ہے ۔ ایک شخص نے کہا ! ابوعبداللہ ! ہم تو صرف فیصلہ دینے کی بابت رشوت دینے کو سحت (حرام) سمجھتے تھے ، آپ نے فرمایا یہ تو کفر ہوگا[1] ۔ اس سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں)

استدلال کی وجہ اور اس کا طریق کار

دفع ظلم کے لئے مال لینا سحت ہے ۔ اور سحت حرام ہے ، اس لئے ظلم دفع کرنے کے لئے مال لینا بھی حرام ہوگا ۔

۸ ۔ نیز اس لئے کہ مسلمان سے ظلم کا دفع کرنا واجب ہے ۔ اور واجبات پر مال لینا جائز نہیں ہے[2] ۔

حق کے حصول اور ظلم وضرر کو دفع کرنے کے لئے رشوت دینے کے جواز کی دلیلیں

۱ ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ۔

اِجْعَلْ مَالَكَ دُوْنَ نَفْسِكَ وَنَفْسَكَ اپنے مال کو اپنی جان سے کم مرتبہ سمجھو ، اور اپنی

---

[1] حاشیہ الرہونی ج ۷ ص ۳۱۳ [2] فتح القدیر ج ۵ ص ۴۵۶ ، الاصول القضائیہ فی المرافعات الشرعیہ ص ۱۳۱ ، حاشیہ ابن عابدین ج ۵ ص ۳۶۲

دُوْنَ دِیْنِکَ [1] (جان کو اپنے دین سے کم مرتبہ خیال کرو۔)

استدلال کی وجہ اور اس کا طریق کار

جب انسان کو اپنی جان کا خطرہ لاحق ہو تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظلم وضرر کے دفعیہ کے لئے مال کو ڈھال اور بچاؤ کا سامان بنانے کی اجازت دی ہے۔ اور اس قسم کے معاملہ میں رشوت دینا ایک قسم کی حفاظتی تدبیر ہے۔ لہٰذا دینا درست ہے۔

۲۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جس وقت آپ حبشہ میں تھے آپ نے گلو خلاصی کے لئے بطور رشوت دو دینار دیئے۔ تب کہیں آپ کو رہائی ملی، اس وقت آپ نے فرمایا تھا،

اِنَّ الْاِثْمَ عَلَى الْقَابِضِ دُوْنَ الدَّافِعِ [2] (لینے والا گنہگار ہے، دینے والا نہیں)

استدلال کی وجہ اور طریق کار

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ظلم دفع کرنے کے لئے رشوت دی، اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ ایسا کرنے میں گناہ ان پر نہ ہوگا۔ اور صحابی کا فعل لائق سماعت ہے۔ بشرطیکہ کسی صحیح حدیث سے اس کا ٹکراؤ نہ ہو۔ اور یہ واقعہ ہے کہ ان کا یہ فعل کسی حدیث کے معارض نہیں ہے۔

۳۔ عبدالرزاق نے حضرت جابر بن زید اور شعبی سے نقل کیا ہے، وہ دونوں

---

[1] تغریب لسیاسۃ الشرعیۃ فی حقوق الراعی وسعادۃ الرعیۃ للسید عبداللہ جلال الدین ص ۵۳۔

[2] الجامع لاحکام القرآن للقرطبی، ج ۶ ص ۱۸۴، عون المعبود شرح سنن ابو داؤد ج ۹ ص ۴۹۶، المسؤولیۃ الجنائیۃ فی الفقہ الاسلامی ص ۴۷،

کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی جان یا مال پر ظلم و زیادتی کے دفعیہ کے لئے رشوت دے۔ تو اس کے اندر کوئی مضائقہ نہیں ہے، حضرت عطاء اور ابراہیم نخعی رحمہا اللہ سے بھی یہی منقول ہے۔[۱]

حضرت ہشام نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا، "اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت لینے اور رشوت دینے والے پر لعنت کی ہے۔ حضرت حسن رضی کہتے ہیں" لعنت اسی وقت ہوگی، جبکہ حق کو باطل اور باطل کو حق ثابت کرنے کے لئے رشوت دے، لیکن اگر مال کے تحفظ کے لئے رشوت دے، تو مضائقہ نہیں ہے"۔

یونس نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، کہ اپنی عزت کو بچانے کیلئے اپنا کچھ مال رشوت کے طور پر دینے میں مضائقہ نہیں ہے۔

سفیان رح نے عمرو رض سے اور انہوں نے ابو شعثا رح سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: زیاد کے زمانے میں رشوت سے زیادہ کوئی نفع بخش چیز ہمارے لئے نہیں تھی"۔ اس طرح دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ سلف صالحین نے رشوت کی اسی صورت میں اجازت دی ہے جبکہ آدمی اپنے اوپر سے ظلم کو دفع کرنے کے لئے ظالم کو یا اس کی عزت کو خاک میں ملانے والے کو کچھ دے کر چھٹکارا حاصل کرے۔[۲]

یہ جمہور تابعین سے منقول آثار اور روایتیں ہیں جن سے اس حال میں رشوت دینے کی اجازت نکلتی ہے، پھر کسی سے ان کے خلاف منقول نہیں، لہذا اس سے جواز ثابت

---

[۱] احکام القرآن للجصاص ص ۸۶ ج ۴، کشاف القناع ص ۳۱۶ ج ۶، عون المعبود شرح سنن ابو داؤد ص ۴۹۶ ج ۹، المقنع ص ۶۱۱ ج ۳، المحلی ص ۱۵۷ ج ۹، المسئولیۃ الجنائیۃ ص ۷۵،

[۲] احکام القرآن للجصاص ص ۸۶ ج ۴،

ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا، کیا ہر حال میں رشوت دینا حرام ہے؟ انہوں نے کہا نہیں، بلکہ رشوت حرام اسی وقت ہے۔ جب تم روپیہ اس لئے دو تاکہ جو تمہارا نہیں وہ تمہارا ہو جائے۔ یا جو حق تم پر لازم ہے۔ تم اس سے پہلو تہی کرو۔ اور اگر تم نے اس لئے رشوت دی۔ تاکہ اپنے دین اور اپنے جان مال کی حفاظت کرو تو یہ حرام نہیں۔[1]

۳ ۔ پورا پورا حق وصول کرنے کے لئے رشوت دینا راستی اور سچائی کے ساتھ اپنا حق وصول کرنے کے مترادف ہے۔ لہٰذا جس طرح بھاگے ہوئے غلام اور خصومت کے لئے وکیل مقرر کرنے کی اجرت دی جاتی ہے۔ ان پر قیاس کر کے صورت مذکورہ میں بھی رشوت کی اجازت ہے۔[2]

۲ ۔ رشوت کا لینا دینا یکساں حرام ہے۔[3] اس نقطۂ نظر کے دلائل :۔

(الف) ۔ اس نظریہ کے حاملین نے رشوت لینے کی حرمت پر سابقہ نظریہ کے دلائل سے استدلال کیا ہے۔

(ب) صورت مذکورہ میں رشوت دینے کی حرمت کے دلائل ان کی نظر میں حسب ذیل ہیں :

---

[1] الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ج ۶ ص ۱۸۳

[2] سبل السلام ج ۴ ص ۱۶۷ ،

[3] سبل السلام ج ۴ ص ۱۶۷ ، حاشیہ رہونی ج ۷ ص ۳۱۳ ، المسئولیۃ الجنائیۃ فی الفقہ الاسلامی ص ۸۶ ، نیل الاوطار ج ۸ ص ۲۷ ۔

۱ ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا عموم ہی اس کی دلیل ہے، کہ آپ نے فرمایا: "رشوت لینے اور دینے والے پر خدا کی لعنت ہو" یہ عموم ہر رشوت لینے والے کو شامل کرتا ہے۔ خواہ وہ اپنا حق حاصل کرنے کے لئے رشوت دے، یا ظلم دفع کرنے کے لئے رشوت دے، یا حق کو باطل اور باطل کو حق ثابت کرنے کے لئے رشوت دے،

۲ ۔ مسلمان کے مال کی بابت اصل یہی ہے کہ (غیر شرعی طور پر) اس کا کھانا حرام ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (نساء: ۲۹) یعنی آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر نہ کھایا کرو۔

استدلال کی وجہ اور اس کا طریق کار

صورت مذکورہ میں رشوت لینے والے کو مال دینا ناجائز طور پر مال کھانے میں اس کی مدد کرنے کے مترادف ہے۔ اور ناجائز اور غیر شرعی طریقہ پر اس کا مال کھانا اس کی بربادی کا پیش خیمہ ہے۔ اور یہ امر مسلم ہے کہ غیر شرعی طریقہ پر مال کو برباد کرنا بذات خود حرام ہے۔ لہٰذا اس صورت میں رشوت دینے والے کا دینا بھی فعل حرام ہوگا۔

۳ ۔ حرمت کے اس ضابطہ میں دینے والا بھی شریک کار ہوگا۔ اگر اس نے اس لئے رشوت دی ہے۔ کہ اگر وہ حق پر ہے تو حکم خداوندی کو پالے تب بھی اس کا یہ دینا حلال نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ یہ دیا گیا مال ایک ایسے واجب فعل کے عوض میں دیا گیا۔ جس کو برملا انجام دینا خود اللہ نے اس حاکم پر فرض کر رکھا ہے۔ اگر اس نے اپنی اس ذمہ داری کو کھلم کھلا انجام نہیں دیا، اور اس کے عوض کچھ مال لے لیا تو اس کی وجہ سے وہ ضرور گنہگار رہے گا۔[1]

---

[1] نیل الاوطار ج ۸ ص ۲۷۷ (قدرے تصرف کے ساتھ)

لہٰذا اس کا دینا حرام ہوگا، کیونکہ دینے والے کی یہ حرکت حاکم کو گناہ کے گڑھے میں گرا دیتی ہے۔[1]

علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نہیں جانتا کہ حق کے طلبگار کا حاکم کو رشوت دینا کسی خصوصی دلیل کی وجہ سے جائز کیا گیا ہے، جبکہ حق تو یہ ہے کہ رشوت دینا مطلقاً حرام ہے۔ اب جس کسی کے پاس کسی صورت میں جواز کی کوئی دلیل ہو، اور وہ لائق قبول ہو۔ تو ٹھیک ورنہ وہ دلیل اسی کو رد کردی جائے گی۔[2]

راقم السطور عرض پرداز ہے، کہ حرمت کو خاص کرنے کی دلیلیں تو وہی ہیں، جنہیں ہم نے پیشتر ذکر کیا۔ لیکن مجبوری وہاں آتی ہے، جہاں صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ حق کے ضیاع کا ڈر لاحق ہوتا ہے۔ اور اسے خود اپنے خلاف ظلم وضرر کا اندیشہ ہوتا ہے، پھر رشوت کے علاوہ اس کے گرد اس کا کوئی ہمدرد اور غمگسار نہیں ہوتا۔ اب اگر وہ رشوت دیتا ہے تو اس کا حق اس کو دستیاب ہوتا ہے۔ ورنہ نہیں۔

اور اوپر مذکور دلیلیں اس حدیث کی مخصص بنتی ہیں کہ: "رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے پر خدا کی لعنت ہو" اور اگر غیر شرعی طریقہ پر مال کی بربادی سے اس کی حرمت لازم آتی ہے۔ تو جو مال قیدیوں کی رہائی کے لئے خرچ کیا جائے گا۔ وہ بھی باطل طریقہ سے برباد کئے جانے کی تعریف میں آئے گا، لیکن اس کے باوجود اس کا خرچ کرنا جائز ہے۔ تاکہ قیدی چھوٹ جائے، لہٰذا حق کو چھڑانے اور باطل کی قید سے رہا کرنے کے لئے بھی اگر کچھ خرچ کیا جائے، یا ظلم وضرر کو دفع کرنے کے لئے خرچ کیا جائے تو اس کی اجازت ہونی چاہیے۔

---

[1] سبل السلام ج ۴ ص ۱۲۷

[2] نیل الاوطار ج ۸ ص ۲۷۲، المسئولیۃ الجنائیۃ فی الفقہ الاسلامی لبہنسی ص ۲۲

اور رہی یہ بات کہ مذکورہ طریقہ سے حاکم یا رشوت لینے والے کو گنہگار کرنا لازم آتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس نے خود اپنے لئے رشوت لینا اختیار کیا اس کا قصد وارادہ خود اس کے اندر شامل ہے، پھر ایک آدمی جس نے اپنے لئے گناہ کو پسند کیا اس کے مقابلہ میں حق کی وصولیابی اور ظلم کا دفعیہ کہیں زیادہ بہتر، اور بدرجہا اولیٰ ہے۔

اس بنیاد پر راقم السطور کے نزدیک پہلی رائے ترجیح کے لائق ہے۔ یعنی یہ کہ رشوت کی اس قسم پر حرمت کا وہ حکم عائد نہیں ہوگا۔ جو رشوت کی دوسری صورتوں کے لئے شرعی طور پر نافذ ہے۔

مسئلہ :-

جو شخص منصب قضا کے لئے نامزد ہوا، کیا وہ اس منصب پر فائز ہونے کے لئے رشوت دے سکتا ہے۔

علامہ ابن عابدین نے "صاحب البحر" کے اس قول کو نقل کیا ہے کہ "جس شخص کا منصب قضاء کے لئے نام آیا، لیکن اس منصب پر فائز ہونے کے لئے اسے رشوت دینا ہوگا۔ تو آیا اس غرض کے لئے وہ روپیہ خرچ کرے یا نہیں؟ اس بارے میں کوئی صریح حکم میری نظر سے نہیں گذرا، لیکن ہونا تو یہی چاہئے کہ مال خرچ کرنا اس کے لئے حلال ہو، جیسا کہ منصب قضاء طلب کرنا حلال ہے۔

صاحب البحر کی اس رائے پر تنقید کرتے ہوئے، صاحب نہر نے لکھا ہے، ــ لیکن صاحب البحر نے جو یہ لکھا ہے کہ رشوت دے کر منصب قضاء پر فائز ہونے والا قاضی نہیں کہلایا جا سکتا، ان کے اس قول سے اوپر کے قول (قضاء کے لئے مال خرچ کرنا حلال ہے۔) کی آپ سے آپ تردید ہو جاتی ہے، اس لئے کہ سچ تو یہ ہے کہ جب اس نے قضا کا منصب طلب کیا (اور نہ ملا) تو سوال کرنے کی ضروری اور بھاری ذمہ داری سے وہ سبکدوش

ہوگیا، اور جب بادشاہ نے اسے ذمہ داری نہیں سونپی تو وہ آپ گنہگار ہوگا۔ اس لئے کہ جب سلطان لائق ترین کو اس منصب پر فائز نہ کرے، اور کسی نالائق کو اس گدی پر بٹھا دے۔ تو سلطان، اللہ اس کے رسول اور جماعت مسلین کے سامنے خیانت کا مرتکب ہوگا۔ اور جب یہی سلطان نامزد قاضی کو منصب قضاء پر فائز نہ ہونے دے، اور اسے روک کر کسی اور کو نامزد کرے، تو نامزد کے لئے ہرگز یہ ضروری نہیں ہوگا کہ وہ رشوت دیکر اس منصب پر فائز ہو، لہٰذا اس صورت میں رشوت دینا اس کے لئے کیسے حلال ہو سکتا ہے؟ [1]

چوتھا مطلب کسی منصب یا ملازمت کے حصول کے لئے رشوت دینا

سچے، امانت دار، ثابت قدم، مقتدر اور بے نیاز افراد کو سرکاری کاموں کی ذمہ داری سونپنا اہم دینی فریضہ ہے، جس کو ہماری عالی مرتبت پاکیزہ شریعت اپنی بلند تر تعلیمات کے ذریعہ ہم پر واجب کرتی ہے، اور اس بات کا مطالبہ کرتی ہے کہ ان تمام غلط راستوں کا فوری سدباب کیا جائے۔ جن کی وجہ سے اللہ رب العزت کی حسب منشاء اس کے تشریعی آئین اور ضابطوں میں رکاوٹ اور بے قاعدگی آتی ہے۔ اور چونکہ رشوت اسی قماش کا انتہائی گھٹیا اور گرا ہوا طریقہ ہے۔ جس کے ذریعہ پچھلے دروازے سے اعلیٰ عہدوں اور بلند مرتبوں پر نا اہل فائز ہوتے ہیں۔ اس لئے اسلام نے رشوت لینے والوں، رشوت دینے والوں اور رشوت کے لئے درمیانی ایجنٹ کا پارٹ انجام دینے والوں کے لئے اس کو حرام ٹھہرایا ہے، اور اس کی ذرہ برابر پرواہ نہ کرنے کے لئے کہا ہے۔ کہ یہ منصب خواہ کوئی ہو، اور

---

[1] ردالمحتار علی الدر المختار ص ۳۰۶ ج ۴

اس میں شک نہیں کہ منصب جتنا اہم اور بڑا ہوتا ہے، اسی کے لحاظ سے گناہ بڑھتا جاتا ہے[1]

اس قسم کی رشوت بھی حرام ہے، اس کی تائید وحمایت میں متعدد دلائل موجود ہیں :

۱۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ[2] (نساء : ۵۸)	بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں (جب وہ مانگیں تو) ان کے حوالہ کردیا کرو۔ اور (جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔

---

[1] البنایہ شرح الہدایہ ج۳ ص۲۶۹، شرح الکنز لمحمود العینی ج۲ ص۸۳، الفتاوی الہندیہ ج۳ ص۲۱۴ ردالمحتار علی الدر المختار ج۴ ص۳۰۴، حاشیۂ الرہونی ج۷ ص۲۸۶، الاحکام السلطانیہ لابی یعلی ص۵۶ الاصول القضائیہ فی المرافعات الشرعیہ ص۲۳، معین الحکام ص۹، المسئولیۃ الجنائیہ فی الفقہ الاسلامی ص۳۰ بتصرف۔

[2] اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ یہ عثمان بن طلحہ (رضی اللہ عنہ) کی بابت نازل ہوئی۔ اسلام لانے سے پیشتر سے یہ خانہ کعبہ کے کلید بردار تھے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ فتح مکہ کے موقعہ پر جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مکہ تشریف لائے، تو آپ نے عثمان سے کعبہ کی کلید طلب فرمائی، عثمان نے دروازہ بند کرلیا۔ چھت پر چڑھ گئے، چابی دینے سے صاف انکار کیا۔ اور کہنے لگے کہ اگر مجھے یقین ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو میں چابی آپ کے حوالہ کردیتا یوں گریز نہ کرتا، اتنے میں حضرت علی ان کے پاس پہونچ گئے۔ انہوں نے عثمان کا ہاتھ مروڑ کر کلید ان کے ہاتھ سے لے لی۔ اور دروازہ کھول دیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اندر داخل

کسی منصب یا ملازمت کے حصول کے لئے رشوت دینا درحقیقت امانت کو نا اہلوں کے سپرد کرنے کے مترادف ہے۔ اس سے حکم خداوندی کی مخالفت لازم آتی ہے۔ اس لئے کسی بھی منصب یا ملازمت کو حاصل کرنے کے لئے رشوت دینا حرام ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:[۱]

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (انفال، ۲۷)	اے ایمان والو! نہ تو اللہ و رسول کی امانت میں خیانت کرو۔ اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو۔ اور تم (خیانت کے وبال سے) واقف ہو۔

" گزشتہ سے پیوستہ " ہوئے۔ اور دو رکعت نماز پڑھی، جب آپ باہر تشریف لائے، تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ کلید انہیں دیدی جائے۔ تاکہ سقایہ (زمزم پلانے) اور کلید برداری کا منصب دونوں ان کے پاس رہے۔ اس پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ کلید عثمان کے حوالہ کردیں اور ان سے معذرت چاہیں، عثمان نے کہا: تم نے پہلے جبر کیا مجھے ستایا، اور اب نرمی کرنے آئے ہو؟ حضرت علی نے ان کو بتایا کہ اللہ نے تمہاری شان میں وحی نازل فرمائی ہے، پھر یہی آیت پڑھ کر سنائی، عثمان نے یہ سنا تو اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں پیشین گوئی کی کہ کلید برداری تمہارے خاندان میں ہمیشہ باقی رہے گی ــ!

[۱] السیاسۃ الشرعیہ لابن تیمیہ ص۱۲ ،

استدلال کی وجہ:-

کسی منصب یا ملازمت کے حصول کے لئے رشوت دینا اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت کرنا ہے، کیونکہ رشوت لے کر وہ شخص اس منصب پر کسی نا اہل کو فائز کرے گا۔ اس طرح اس حالت میں روپیہ خرچ کرنا عین رشوت ہے جو حرام ہے۔

۳۔ ابن عدی، عقیلی[1]، اور حاکم نے نقل کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

مَنْ قَلَّدَ اِنْسَانًا عَمَلاً وَفِیْ رَعِیَّتِہٖ مَنْ ھُوَ اَوْلٰی مِنْہُ فَقَدْ خَانَ اللہَ تَعَالٰی وَرَسُوْلَہٗ وَ جَمَاعَۃَ الْمُسْلِمِیْنَ

جس نے کسی شخص کو کوئی کام سونپا، اور اس کے ماتحتوں میں کوئی ایسا ہے۔ جو اس سے زیادہ لائق ترین اور اہل ہے۔ تو اس شخص نے اللہ رب العزت اس کے رسول، اور عام مسلمانوں سے خیانت کی،

ان کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ

وَمَنِ اسْتَعْمَلَ رَجُلاً عَلٰی عِصَابَۃٍ وَفِیْ تِلْکَ الْعِصَابَۃِ مَنْ ھُوَ اَرْضٰی لِلّٰہِ فَقَدْ خَانَ اللہَ تَعَالٰی وَرَسُوْلَہٗ

جس نے کسی شخص کو کسی جماعت پر کارگذار بنایا، اور اس جماعت میں ایسا کوئی شخص موجود ہے۔ جو خدا کی خوشنودی کو زیادہ چاہتا

---

[1] عقیلی نے کہا: اس کے حدیث ہونے کا علم حضرت عمر کے قول سے ہوتا ہے۔۔۔ الخ اس کی سند میں حسین بن قیس رجبی، ضعیف راوی ہے۔ اس کی شہادت ایک اور روایت سے ہوتی ہے۔ جو ابراہیم بن زیاد کی سند سے منقول ہے۔ لیکن یہ خود مجہول ہے۔ اس نے خصف سے، اس نے عکرمہ سے، اور انہوں نے ابن عباس سے اس کو نقل کیا ہے۔ تاریخ خطیب میں ابراہیم کے تذکرہ کے اندر یہ درج ہے۔ نیز طبرانی نے "حمزہ تمیمی عن عمرو بن دینار، عن ابن عباس" اس روایت

وَجَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ ـ ؎۱ | ہے ، تو وہ اللہ کے ساتھ اس کے رسول کے ساتھ اور جماعت مسلمین کے ساتھ خیانت کا مرتکب ہوگا۔

۴۔ ابویعلیٰ نے حضرت حذیفہ سے مرفوع سند کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ :

اَيُّمَا رَجُلٍ اِسْتَعْمَلَ رَجُلًا عَلٰى عَشْرَةِ اَنْفُسٍ وَعَلِمَ اَنَّ فِي الْعَشَرَةِ مَنْ هُوَ اَفْضَلُ مِنْهُ فَقَدْ غَشَّ اللّٰهَ تَعَالٰى وَرَسُوْلَهٗ وَجَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ ؎۲

جس شخص نے دس آدمیوں پر کسی شخص کو کارگذار بنایا ، اور اسے معلوم ہے کہ اس گروہ میں اس سے بہتر بھی کوئی شخص ہے ۔ تو وہ اللہ تعالیٰ ، اس کے رسول ، اور جماعت مسلمین کے ساتھ خیانت کا مرتکب ہوگا ۔

استدلال کی وجہ

منصب یا کسی کام کو حاصل کرنے کے لئے رشوت دینا اس منصب یا اس کام کو نااہلوں کے حوالہ کرنا ہے ۔ اور کسی کام کو نااہل کے حوالہ کرنا خدا اور اس کے رسول کے ساتھ دھوکہ دہی اور فریب کے مصداق ہے ، اور یہ حرام ہے ۔ اس لئے منصب یا کام کے حصول کے لئے مال خرچ کرنا حرام رشوت میں داخل ہے ۔

گذشتہ سے پیوستہ ، کو بیان کیا ہے ۔ لیکن حمزہ خود بھی ضعیف ہے ۔

؎۱ الدرایۃ تخریج احادیث الہدایہ ص ۱۶۵ ج ۲ ، السیاسۃ الشرعیۃ لابن تیمیہ ص ۱ ، تعریب السیاسۃ الشرعیۃ فی حقوق الراعی وسعادۃ الرعیۃ ص ۱۵ ردالمحتار علی الدرالمختار ص ۳۰۴ ج ۴

؎۲ الدرایۃ تخریج احادیث الہدایہ ص ۱۶۵ ج ۲

۵ ۔ امام بخاری[1] رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے انہوں نے کہا : میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے ۔

مَامِنْ وَّالٍ يَّلِي رَعِيَّةً مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَيَمُوْتُ وَهُوَ غَاشٌّ لَّهُمْ اِلَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ[2]	(ہر وہ والی جو مسلمانوں کی جماعت کی نگہداشت کرتا ہے ، اگر وہ اس حال میں مرے کہ اس نے لوگوں کے ساتھ فریب کیا ہو ، تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کردیتا ہے ۔)

استدلال کی وجہ

امت مسلمہ کو دھوکہ دینا حرام ہے ۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت کو دھوکہ دینے والوں کو جنت سے محرومی کی وعید سنائی ہے ۔ اور نا اہل کو کسی منصب پر فائز کرنا امت کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے ۔ کیونکہ ایسا کرنے والا امت کی مصلحت اور اس کے مفاد کو نظر انداز کرنے والا ہے ، اس لئے یہ فعل حرام ہوگا ۔ اور جو اس قسم کے فعل کا باعث ہوگا ، وہ بھی حرام ہوگا ۔

۶ ۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے ، فرماتے ہیں کہ

مَنْ وَّلِيَ مِنْ اَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ شَيْئًا فَوَلّٰى رَجُلًا لِّمَوَدَّةٍ اَوْ قَرَابَةٍ بَيْنَهُمَا فَقَدْ خَانَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالْمُسْلِمِيْنَ[3]	جو شخص مسلمانوں کے کسی کام کا والی ہوا ، پھر اس نے کسی شخص کو باہم دوستی یا رشتہ داری کی بنیاد پر کسی منصب پر فائز کیا تو اس نے اللہ اس کے رسول اور عام مسلمانوں کے ساتھ خیانت کی

---

[1] مسلم نے بھی اس کے مطابق روایت کی ہے ۔ [2] فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۱۶ صفحہ ۲۲۶ ، السیاسۃ الشرعیہ لابن تیمیہ صفحہ ۱۲ [3] السیاسۃ الشرعیہ لابن تیمیہ صفحہ ۱۰ ، تعریب السیاسۃ الشرعیہ فی حقوق الراعی وسعادۃ الرعیہ صفحہ ۱۵

استدلال کی وجہ

باہم دوستی یا قرابت داری کی بنیاد پر کسی کو کوئی منصب دینا ایسی خیانت ہے۔ جس کی حرمت ثابت ہے۔ اور اگر رشوت دے کر یہ منصب دیا گیا۔ تو بدرجہ اولیٰ یہ فعل حرام ہوگا۔ اور جس طرح رشوت لینے والا حرام کا مرتکب ہوگا۔ رشوت دینے والا بھی فعل حرام کا مرتکب ہوگا۔ کیونکہ اسی رشوت دینے سے اس کو منصب ملا ہے۔ جبکہ وہ اس کا اہل بھی نہیں تھا۔

۷۔ صحیح بخاری اور مسلم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ "کچھ لوگ آپ کے پاس آئے، اور کوئی منصب چاہا، آپ نے ان کے جواب میں فرمایا "ہم اپنے ان امور کی ذمہ داری کسی ایسے شخص کے سپرد نہیں کرتے، جو اس ذمہ داری کو طلب کرتا ہو"[1]

استدلال کی وجہ

یہ حدیث صاف بتاتی ہے کہ منصب اور مقام کسی ایسے کے حوالہ نہ کیا جائے، جو اس کا طلبگار ہو، اور جب یہ امر مسلم ہے تو رشوت لے کر مقام یا منصب کو کسی کے حوالہ کرنا بدرجہ اولی ناجائز اور حد درجہ برا ہوگا۔

۸۔ امام مسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،[2]

---

[1] السیاسۃ الشرعیۃ لابن تیمیہ صـ۱۱، تعریب السیاسۃ الشرعیہ فی حقوق الراعی وسعادۃ الرعیہ للسید عبداللہ جمال الدین صـ۱۶۔

[2] السیاسۃ الشرعیہ لابن تیمیہ صـ۱۲ تعریب السیاسۃ الشرعیہ فی حقوق الراعی وسعادۃ الرعیۃ للسید عبداللہ جمال الدین صـ۱۰۔

اِنَّھَا اَمَانَةٌ وَاِنَّھَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ خِزْیٌ وَنَدَامَةٌ اِلَّا مَنْ اَخَذَھَا بِحَقِّھَا وَاَدَّی الَّذِیْ عَلَیْهِ فِیْھَا

یہ (منصب) ایک امانت ہے۔ اور یہی چیز قیامت کے دن رسوائی اور ندامت کا باعث ہوگی، اور رسوائی سے محفوظ وہی رہے گا۔ جس نے اس کو سچائی کے ساتھ کیا ہوگا۔ اور اس کا پورا پورا حق ادا کیا ہوگا۔

استدلال کی وجہ

رشوت دے کروانی یا کارگذار بننا ناحق مرتبہ حاصل کرنے کے مترادف ہے، اور ناحق مرتبہ حاصل کرنا رسوائی اور ندامت کے گڑھے میں اپنے آپ کو گرا دینا ہے، اور یہ بات واضح ہے کہ ندامت اور ذلت کسی اہم اور حرام کام میں پڑ جانے کی وجہ سے ہوتی ہے لہٰذا اس صورت میں رشوت لینا بھی حرام ہوگا۔

۹۔ امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ سے نقل کیا ہے کہ، وہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا ضُیِّعَتِ الْاَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ

جب امانت ضائع کی جانے لگے، تو قیامت کا انتظار کرو۔

قِیْلَ یَا رَسُوْلَ! وَمَا اِضَاعَتُھَا؟ قَالَ: اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَھْلِهٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ۔

عرض کیا گیا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم امانت کا ضائع کرنا کیونکر ہوگا؟ آپ نے فرمایا جب کوئی کام نا اہلوں کے سپرد کیا جائے (تو یہ امانت کا ضائع کرنا ہے۔) اس وقت تم قیامت کا انتظار کرو۔

لہ السیاسۃ الشرعیہ لابن تیمیہ صہ۱۲

استدلال کی وجہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منصب اور ذمہ داری نا اہل کے حوالہ کرنے کو امانت کی بربادی سے تعبیر کیا ہے ۔ اور امانت کو برباد کرنا حرام ہے ، اور رشوت دینے والوں کو کام سونپنا نا اہلوں کو ذمہ داری دینا ہے ۔ کیونکہ اکثر یہی ہوتا ہے کہ رشوت دینے والے ہی نا اہل اور بر خود غلط ہوتے ہیں ۔ لہٰذا کام ان کے حوالہ کرنا امانت میں خیانت کے مصداق ہوگا ، اور یہ حرام ہے ۔ لہٰذا رشوت دینا بھی حرام ہوگا ۔

۱۰ ۔ اس بات پر اجماع ہے کہ حقدار اور اہلیت رکھنے والوں کو ذمہ داری سونپی جائے اور رشوت دینے والوں کو ذمہ داری دینا کام کو نا اہلوں کے حوالہ کرنا ہے ، اور یہ فعل اجماع کے خلاف ہوگا ۔ لہٰذا منصب یا کسی ذمہ داری کے حصول کے لئے رشوت دینا بھی ناجائز ہوگا ،

فصل سوم

جرم رشوت سے متعلقہ امور

اس فصل میں تین مطالب ہیں ۔

پہلا مطلب : ہدیہ کا بیان ، اس کی تعریف ، ہدیہ کب رشوت میں شمار ہوتا ہے ؟

۱ ۔ ہدیہ کی لغوی تعریف : ۔ "ھدیۃ" کا اصل مادہ " ھدی " ہے ، یہ لفظ جوڑنے اور ملانے پر بولا جاتا ہے ، چنانچہ کہا جاتا ہے : اھدی الرجل امرأتہ مرد نے

---

[1] ایضاً ۔ [2] تہذیب اللغۃ ج ۶ ص ۳۸۰ ،

اپنی دولہن کو اپنے پاس بلایا، اور اس سے ملا۔ ھدیۃ کی جمع ھَدَایَا آتی ہے، جب کہ اہل مدینہ کی لغت میں اس کی جمع ھَدَاوٰی ہے۔

اور صحاح میں ہے۔ ھَدِیۃ، ھَدَایا کا واحد ہے۔ کہتے ہیں: اُھْدِیَتُ لَہٗ اِلَیْہِ المِھْدٰی۔ میم پر زیر کے ساتھ، یعنی تھالی یا وہ طباق وغیرہ جس میں ہدیہ بھیجا جائے، ابن اعرابی نے کہا: مِھدٰی (میم پر زیر کے ساتھ) سے مراد تھالی یا طبق، اسی وقت ہوگا، جب کہ ہدیہ دی ہوئی چیز بھی اس کے اندر موجود ہو۔ اور مِھْدَآء، (مد کے ساتھ) یعنی وہ شخص جس کی عادت ہدیہ دینے کی ہو۔ اور تھادی: یعنی بعض کا بعض کو ہدیہ دینا، چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔ تھادَوْا تحابُّوا[1]: ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو اس سے محبت بڑھتی ہے)

اصطلاحی تعریف

ہدیہ کی مختلف تعریف کی گئی ہے۔ کوئی کہتا ہے:۔ "کسی شرط کے بغیر ایک آدمی دوسرے کو جو مال دیتا ہے۔ اس کو ہدیہ کہتے ہیں"

اس تعریف میں "کسی شرط کے بغیر" کے الفاظ قید احترازی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان سے رشوت خارج ہو جاتی ہے[2]۔ نیز ان الفاظ سے بدلہ کا ہدیہ بھی خارج ہو جاتا ہے۔ یہ وہ ہدیہ ہے۔ جس میں اسی جیسا یا اس سے کم یا زیادہ تحفہ لوٹانے کی پیشگی شرط ہوتی ہے۔

ایک تعریف یہ بھی کی گئی ہے کہ: ایک شخص پہل کرکے، دوسرے کو اس کی طلب کے بغیر ہدیہ دے[3]۔

---

[1] الصحاح للجوہری ج ۶ ص ۲۵۳۳ [2] فتاوی ہندیہ ج ۳ ص ۲۲۶، المسؤلیۃ الجنائیۃ فی الفقہ الاسلامی للبہنسی ص ۵ بتصرف۔ [3] کشاف القناع عن متن الاقناع ج ۴ ص ۳۱۷

یہ بھی کہا گیا ہے۔ "ہدیہ ایسا مال ہے۔ جو ایک شخص دوسرے کو اعانت کی شرط لگائے بغیر اسے دیتا ہے[1]۔

کوئی کہتا ہے کہ ہدیہ وہ مال ہے۔ جو دلی محبت کے اظہار، الفت کے حصول، اور ثواب کی غرض سے عزیزوں، دوستوں، علماء، مشائخ، اور صالحین کو دیا جائے۔ جن کے بارے میں اسے حسن ظن ہو[2]۔

۲۔ ہدیہ کب رشوت میں شمار ہوتا ہے؟

مقدمہ: ہدیہ کی حقیقت یہ ہے کہ شرعاً یہ مستحب اور پسندیدہ امر ہے، اس کا ثبوت ابو یعلیٰ سے بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول وہ حدیث ہے، جس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ تَهَادُوا تَحَابُّوا "ایک دوسرے کو ہدیہ دو، اس سے محبت بڑھے گی"

نیز ابن عساکر نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

تَهَادُوا تَحَابُّوا وَ تَصَافَحُوا يُذْهِبُ الْغِلَّ عَنْكُمْ

ایک دوسرے کو ہدیہ دو، اس سے محبت بڑھے گی۔ ایک دوسرے سے مصافحہ کرو، اس سے تمہارا کینہ اور حسد جاتا رہے گا،

* * *

نیز امام احمد اور امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] الاصول القضائیہ فی المرافعات الشرعیہ لعلی قواعہ ص ۳۲۔

[2] تعریب السیاسۃ الشرعیہ فی حقوق الراعی وسعادۃ الرعیہ ص ۵۔

کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا :۔

تَهَادَوْا إِنَّ الْهَدِيَّةَ تُذْهِبُ وَحَرَ[1] الصَّدْرِ، وَلَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ بِشِقِّ فِرْسِنِ[2] شَاةٍ[3]،

ایک دوسرے کو ہدیہ دو، اس سے دل کا کینہ ختم ہو جاتا ہے، اور کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کے ہدیہ کو حقیر نہ جانے، اگرچہ وہ بکری کی ایک کھر ہدیہ میں کیوں نہ دے،

ان روایتوں میں ہدیہ دینے کا حکم وارد ہے۔ اور حکم وجوب سے استحباب کی طرف مائل ہوگا۔ کیونکہ ہدیہ دینا واجب نہ ہونے پر اجماع وارد ہے، اور ہدیہ کا قبول کرنا بھی اسی مفہوم کی وجہ سے مستحب ہے، جس کی طرف حدیث شریف میں اشارہ ہے، وہ یہ کہ لوگوں میں محبت عام ہو۔ لیکن ہدیہ کا یہ لین دین اسی شخص کے لئے ہوگا۔ جو مسلمانوں کے کسی کام کا نگراں اور ذمہ دار نہ رہا ہو، رہا وہ شخص جسے کسی قسم کی ذمہ داری سونپی گئی، جیسے اسے قاضی، والی، یا گورنر بنایا گیا، تو ایسے عہدہ داروں کو ہدیہ قبول کرنے سے گریز کرنا چاہئے۔ خصوصاً ایسے لوگوں کو تحفہ تحائف اور بھی قبول نہیں کرنا چاہئے، جنھیں منصب پر فائز ہونے سے پہلے تحفہ نہیں ملا کرتا تھا۔ کیونکہ گاہے گاہے تحفہ دینے کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا حربہ بنا لیا جاتا ہے۔ اور اس کے بعد اپنی ضرورت پوری کی جاتی ہے، اور وہ کام کرایا جاتا ہے۔ جو لازم پر ہدیہ لئے بغیر بھی فرض ہوتا ہے۔ اب اگر اسی کے فرض کو انجام دلانے کے لئے اسے تحفہ دیا گیا، تو یہ ایک قسم[4] کی رشوت ہوگی، کیونکہ ہدیہ دینے

---

[1] یعنی کینہ، کھوٹ؛ [2] بکری کی کھر، النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر ص ۴۲۹ ج ۳ [3] کنز العمال ص ۵۵، ۵۶ ج ۶

[4] مبسوط ص ۸۲ ج ۱۶،

والا جس کو ہدیہ پیش کرتا ہے۔ اس کی قربت اور نزدیکی کا خواستگار ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ خدا کی قربت اور نزدیکی مطلوب نہیں ہوتی۔ اس لئے اس کے اندر کسی خیر کے پیدا ہونے کا سوال نہیں آتا، وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ ہدیہ لینے والے کے دل میں اس کے لئے نرم گوشہ پیدا ہو سکے، اس طرح اس کا دینا دلانا ایک دلی مقصد کے تحت ہوتا ہے۔ جس کے خارج میں پائے جانے کو وہ دل سے چاہتا ہے، کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ ہدیہ لینے والا صاحب اقتدار، ذی جاہ، اور بارسوخ ہے۔ اگر ان کی خوشنودی حاصل رہی تو اسے کامیابی ہوگی، ان کی توجہ اس کی طرف منعطف رہی تو اس کا کام ہو جائے گا۔ دوسروں کے خلاف انہیں مدد ملا کرے گی۔ یا کوئی منصب یا ملازمت حاصل ہوگی، یا ایسی ہی کوئی صورت میسر آئے گی۔ جس سے شخصی اور ذاتی مفاد کا حصول ممکن ہوتا ہے[1]۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ امور سلطنت سے متعلق کسی کام کا جو شخص ذمہ دار ہوگا اس کے لئے کسی قسم کا تحفہ قبول کرنے کی میں ہرگز اجازت نہیں دونگا، کیونکہ بیان کیا جاتا ہے کہ عمال اور گورنروں کا تحفہ خیانت اور کھوٹ ہے۔ اور کسی حاکم کو خاص طور پر ہرگز اس کی اجازت نہیں ہوگی، ہاں اس منصب پر فائز ہونے سے پہلے جس کسی سے اس کا یارانہ اور میل ملاپ ہوگا۔ اس سے تحفہ قبول کرنا مستثنیٰ ہوگا،[2]

ابن تین کہتے ہیں:۔ گورنروں کو تحفہ دینا رشوت ہے۔ اس کو تحفہ اور ہدیہ کہا بھی نہیں جا سکتا، اس لئے کہ اگر وہ شخص گورنر نہ ہوتا تو کون اسے تحفہ دیتا؟ یونہی قاضی کو ہدیہ دینا سخت قبیح اور حرام ہے، وہ اس کا مالک بھی نہ ہوگا۔[3]

---

[1] تعریب السیاسۃ الشرعیہ فی حقوق الراعی وسعادۃ الرعیۃ ص۵۰   [2] المقنع ج۳ ص۶۱۲ الانصاف ج۱۱ ص۲۱۳   [3] عمدہ القاری شرح صحیح البخاری ج۱۱ ص۱۰۴۔

ربیعہ کہتے ہیں : ہدیہ سے بچو، اس لئے کہ ہدیہ رشوت کا زینہ ہے [۱] بعض کہتے ہیں کہ ہدیہ حکمت کے نور کو بجھا دیتا ہے [۲] اور یہ رشوت کی شباہت اپنے اندر رکھتا ہے [۳] ان وجوہات کے تحت مذکورہ بالا صورتوں میں ہدیہ دینا رشوت کی طرح حرام ہوگا، پھر افراد اور ان کے سپرد ذمہ داریوں میں فرق ہونے کی وجہ سے ان کے رشوت لینے میں بھی نمایاں تفاوت ہوتا ہے، اس لئے ذیل میں ہم بعض اہم منصب اور ذمہ داریوں کو مفصل بیان کرتے ہیں، ساتھ ہی اس کی وضاحت بھی کرتے چلیں گے کہ کونسا ہدیہ کس وقت رشوت کے حکم میں ہوگا ؟ اس اجمال کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ امام :

امام سے ہماری مراد مسلمانوں کا حاکم اور ان کا والی ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں حاکم کو ہدیہ کی اجازت درج ہے [۴] لیکن ابن عابدین نے اپنے حاشیہ میں حاکم کے لئے ہدیہ کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔ اور کہا ہے کہ امام کو ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ امام سے مراد اگر وہ جمعہ کا امام ہو تو وہ مستثنیٰ ہے۔ اور اگر امام سے مراد والی ہو تو اس کو ہدیہ لینا حلال نہیں ہوگا، ابن عابدین نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا ہے کہ دلائل کے لحاظ سے یہی مناسب ہے، اس لئے کہ والی، دیگر حکام کا سربراہ اور مملکت کا صدر نشیں ہوتا ہے، اس کو پیشوا ہونے کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کو تحفہ تحائف لینا حرام ہوگا۔ [۵]

۱۔ معین الحکام ص۱۰، حاشیہ الرہونی ج۷ ص۳۱۲ ۲۔ معین الحکام ص۱۰
حاشیہ الرہونی ج۷ ص۳۱۰، ۳۔ حاشیہ الرہونی ج۷ ص۳۱۰
۴۔ فتاویٰ ہندیہ ج۳ ص۲۲۶ ۵۔ حاشیہ ابن عابدین ج۵ ص۳۷۲،

امام طبرانی نے کبیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امام کو تحفہ دینا خیانت ہے۔[1]

ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن سعد سے نقل کیا ہے۔ اور انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا: سلطان کو ہدیہ دینا انتہائی قبیح حرام اور خیانت ہے۔[2]

ابن جریر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، اور انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا، امراء کو ہدیہ دینا خیانت ہے[3]

سابقہ احادیث سے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ ہدیہ لینا، مال غنیمت سے خفیہ طور پر کچھ لینے کے مترادف ہے۔ اور مال غنیمت سے خفیہ اور غیر شرعی طور پر کچھ لینا باتفاق حرام ہے[4] لہٰذا والی کا ہدیہ لینا بھی حرام ہوگا۔

لیکن اس سبب کے باوجود میری اپنی رائے یہ ہے کہ امام کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے، لیکن شرط یہی ہے کہ اس کو جو ہدیہ مل رہا ہے، منصب یا ولایت کے تحت ہرگز ہرگز نہ مل رہا ہو، نہ ہی مقام یا منصب پر فائز ہونے کے نتیجہ میں کسی حاجت یا ضرورت پوری کرنے کی لالچ سے دیا جا رہا ہو۔ یہ اسی لئے کہ سابقہ نصوص اور صراحتوں کی وجہ سے تحفہ کا لین دین اس لئے حرام ہے کہ اس منصب یا مقام پر فائز ہونے کی وجہ سے انہیں تحفہ تحائف نصیب

---

[1] کنز العمال ص ۵۶ ج ۶، فیض القدیر ص ۳۵۷ ج ۶،

[2] کنز العمال ص ۵۶ ج ۶ [3] کنز العمال ص ۵۸ ج ۶، تلخیص الجبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر ص ۱۸۹ ج ۴، نیل الاوطار ص ۲۷۸ ج ۸،

[4] تفسیر القرطبی ص ۲۶۰ ج ۴، حاشیہ الرہونی ص ۳۱۱ ج ۷،

ہوتا ہے، چنانچہ ابن تین کی پیش کردہ سابقہ عبارت سے یہی ظاہر ہوتا ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز کا جو ارشاد آگے آرہا ہے۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، رہے وہ تحفے جن کے اندر یہ علت نہ ہو، وہ اباحت کی اصل پر باقی رہیں گے۔ اور ان کا لینا اور ان کے بدلہ بہتر تحفہ دینا مباح اور جائز ہوگا، یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تحفہ تحائف صرف ان لوگوں سے قبول فرماتے تھے، جن کی بابت خوش دلی سے دینے کا آپ کو کامل یقین ہوتا تھا، اور آپ اچھی طرح یہ جانتے تھے کہ اس تحفہ کے پیچھے کوئی دنیاوی غرض مضمر نہیں ہے، پھر اس سبب کے بعد آپ کی عادت شریفہ تھی کہ آپ جواب میں اس سے کئی گنا زیادہ تحفے عنایت فرمایا کرتے تھے۔[۱]

لیکن اگر کسی منصب کے حصول، یا موجودہ یا آئندہ کی ضرورت کے تحت ہدیہ دیا جائے تو یہ جائز نہیں ہوگا، نہ ہی کسی حال میں اس کا قبول کرنا درست ہوگا، اس کی دلیل سابقہ احادیث ہیں، جن سے صراحت کے ساتھ حرمت ثابت ہوتی ہے، کیونکہ ان صورتوں میں خاص ولایت اور اس کے متعلقات پر فائز ہونے کی وجہ سے ہی تحفہ تحائف کا لین دین ہوا کرتا ہے۔

اور جن صورتوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحفہ لیا، ان سے کوئی شخص حجت نہیں پکڑ سکتا، اس کی وجہ بھی ہم نے پہلے ذکر کی۔ کہ آپ کی ذات سے کسی قسم کی کجی یا زیادتی کی طرف میلان کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا، جبکہ دوسرے ہدیہ قبول کرنے والوں سے اس کا قوی اندیشہ ہے۔[۲]

---

[۱] الروض النضیر ص۱۱۹ ج۴ [۲] الروض النضیر، ص۱۱۹ ج۴، معین الحکام ص۱۵، نہایۃ المحتاج شرح المنہاج ص۹۵ ج۸۔

یہی وہ خوف تھا، جس نے حضرت عمر بن عبدالعزیز جیسے بیدار مغز خلیفہ کو تحفہ تحائف واپس کرنے پر مجبور کیا تھا، جب آپ سے کہا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تحفہ قبول فرماتے تھے! تو اس کے جواب میں آپ نے فرمایا تھا، وہ آپ کے لئے تحفہ ہوتا تھا، لیکن ہمارے لئے رشوت ہے۔ اس لئے بھی کہ یہ تحفہ مقام نبوت پر فائز ہونے کی وجہ سے آپ کو ملتا تھا، والی ہونے کی وجہ سے نہیں، اور ہمیں محض والی ہونے کی بنا پر تحفہ ملتا ہے[1]۔ اس کو امام بخاری نے نقل کیا ہے۔

بادشاہوں کے تحفہ تحائف کی بابت حضرت طاوس سے پوچھا گیا، تو آپ نے کہا "حرام ہے" حضرت جابر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بادشاہوں کے تحفے خیانت ہوتے ہیں[2]۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ گورنروں کے تحفے اول تو قبول نہیں کرتے تھے، اور اگر قبول بھی فرماتے تو اسے بیت المال میں داخل فرما دیتے تھے، کوئی کہتا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تحفہ قبول کرتے تھے، تو آپ جواب دیتے کہ آپ کے وقت میں وہ ہدیہ ہوتا تھا، لیکن آج رشوت ہے[3]۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:-

تَزَوَّدْ حِكْمَةً مِنِّيْ　　　وَخَلِّ الْقِيْلَ وَالْقَالَا

مجھ سے حکمت کی ایک بات سنو! اور اس کو اپنے لئے زاد راہ بنالو، اور چون چرا نہ کرو۔

---

[1] معین الحکام ص۱۰، حاشیۃ الرہونی ج۷ ص۳۱۲، الحلال والحرام فی الاسلام ص۳۲۲

[2] حاشیۃ الرہونی ج۷ ص۳۱۲

[3] حاشیۃ الرہونی ج۷ ص۳۱۲

فَسَادُ الدِّيْنِ وَالدُّنيا قُبُولُ الْحَاكِمِ الْمَالا
حاکم کا مال قبول کرنا دین دنیا کی خرابی کا باعث ہے۔

ایک اور شاعر کہتا ہے ؎

إِذَا اَتَتِ الْهَدِيَّةُ دَارَ قَوْمٍ تَطَايَرَتِ الْاَمَانَةُ مِنْ كُوَاهَا [1]
جب ہدیہ کسی قوم کے گھر آتا ہے، تو امانت اس کے روشن دان سے نکل کر اڑ جاتی ہے۔

۲۔ قاضی

قاضی اس شخص سے ہدیہ قبول کر سکتا ہے۔ جس کا کوئی تنازعہ اس کی عدالت میں دائر نہ ہو۔ اور منصب قضاء پر فائز ہونے سے پہلے بھی قرابت داری کی وجہ سے ان کے درمیان تحفہ تحائف کا تبادلہ ہوا کرتا تھا، جیسے ذی رحم محرم نے تحفہ دیا ہو۔ اس سے تحفہ لینا اس کے لئے درست ہے۔ کہ اس قرابتِ داری کے ہوتے ہوئے قاضی اس کے حق میں فیصلہ نہیں کر سکتا، اسی طرح دوستانہ تحفہ بھی درست ہے، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ منصب قضاء پر فائز ہونے سے پہلے اس کو جتنا ہدیہ دیتا تھا اس سے زائد نہ دینے لگا ہو۔ [2]

---

[1] حاشیۃ الرہونی ص ۳۱۲ ج ۷ ، [2] الفتاوی الہندیہ ص ۲۲۶ ج ۳، فتح العلام ص ۳۲۰، کشاف القناع عن متن الاقناع ص ۳۱۷ ج ۶، رد المحتار علی الدر المختار ص ۳۱۱ ج ۴، حاشیۃ الدسوقی علی شرح الدردیر ص ۱۶۵ ج ۴، حاشیۃ الرہونی ص ۳۱۱ ج ۷، شرح الجوہرۃ ص ۲۴۲ ج ۲، جواہر العقود ص ۳۵۷ ج ۲، الاصول القضائیۃ فی المرافعات الشرعیہ ص ۳۲۹، نہایۃ المحتاج شرح المنہاج ص ۹۵ ج ۸، مبسوط ص ۸۲ ج ۱۶، سبل السلام ص ۱۶۷ ج ۴ الزوائد فی فقہ الامام احمد بن حنبل ص ۸۸۹، انصاف ص ۲۱۰، ۲۱۱ ج ۱۱، المغنی والشرح الکبیر ص ۴۴۴ ج ۱۱، الفواکہ العدیۃ فی المسائل المفیدۃ ص ۹۸ ج ۲، المسؤولیۃ الجنائیۃ فی الفقہ الاسلامی ص ۴۳، المہذب ص ۲۹۲ ج ۲،

اسی طرح قاضی، والی سلطنت سے تحفہ لے سکتا ہے، جس نے اس کو والی بنایا اور خود اس کا کوئی مقدمہ اس کی عدالت میں دائر نہیں ہے۔ یا مقدمہ دائر تھا، لیکن پیشتر ہی اس نے اس کا فیصلہ سنا دیا تھا۔[1]

ان صورتوں میں تحفہ تحائف کا لین دین اس لئے درست ہے کہ ہدیہ دینے میں سردست کسی تہمت کا ڈر نہیں ہے۔ کیونکہ ڈر اس کے میلان طبع، یا دائر تنازعہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں اس وقت مفقود ہیں[2]، نیز اس لئے کہ پیشتر بھی ان میں ہدیہ کا لین دین جاری تھا،[3]

یہ ایک رہی، لیکن اس سب کے باوجود علاء الدین طرابلسی کی رائے یہ ہے کہ قاضی کو مطلق تحفہ تحائف لینے سے گریز کرنا چاہیئے، کیونکہ تحفہ قبول کرنے پر لینے والا دینے والے سے لازماً نرم روی اور سیر چشمی کا برتاؤ کرتا ہے۔ جس کا خمیازہ قاضی کو بھگتنا پڑتا ہے اور بگاڑ سے بچنا اس کے لئے مشکل ہوتا ہے۔[4]

کیونکہ مذکورہ بالا افراد کے علاوہ دیگر افراد سے قاضی کو تحفہ قبول کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ وہاں تہمت کا اندیشہ ہے۔

اور وہ فقرہ بھی صحیح ثابت ہوگا، جس میں کہا گیا ہے کہ: جب تحفہ تحائف دروازے سے آتے ہیں، تو امانت روشن دان سے نکل کر اڑ جاتی ہے۔[5]

---

[1] الفتاوی الہندیہ ص ۲۲۶ ج ۳، ردالمختار علی الدرالمختار ص ۳۱۱ ج ۴، الاصول القضائیۃ فی المرافعات الشرعیہ ص ۳۲۹ [2] کشاف القناع عن متن الاقناع ص ۳۱۷ ج ۶۔

[3] المغنی والشرح الکبیر ص ۴۳۷ ج ۱۱ [4] معین الحکام ص ۱۷

[5] مبسوط ص ۸۲ ج ۱۶، تعریب السیاسۃ الشرعیۃ فی حقوق الراعی وسعادۃ الرعیہ ص ۵۳،

اور ہدیہ دینے والا جب پہلے سے تحفہ تحائف نہیں دیتا تھا ، بلکہ ابھی ابھی دینا شروع کیا ہے ۔ تو لا محالہ اس کی کوئی غرض ضرور ہوگی ، اور غرض اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے ۔ کہ وہ کسی باطل مقاصد کے لیئے اس کی آڑ لینا چاہتا ہے ۔ یا اس لین دین کے ذریعہ وہ کسی چیز پر اپنا حق جتلانا چاہتا ہے ۔ اور یہ تمام چیزیں کھلم کھلا حرام ہیں ۔[1]

اور ادنیٰ ترین مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شخص مذکور قاضی کی مصاحبت سے لوگوں میں شہرت اور نام آوری چاہتا ہے ۔ تاکہ لوگ اس کی تعظیم کریں ۔ اس کی باتوں کو خاطر لائیں ۔ اور اس مقصد کے حاصل ہونے کے بعد وہ یہ ضرور چاہے گا کہ اپنے مقابل پر غلبہ پائے ، یا ان مطالبات سے محفوظ رہے ۔ جن کا تقاضا لوگ اس سے کر سکتے ہیں ۔ کیونکہ اس طرح لوگ اس سے خوف کھائیں گے ۔ حقدار کو جھجک ہوگی ، اور جنہیں اس شخص سے کوئی اندیشہ نہیں ہوتا تھا ۔ اب انہیں زبردست خطرات لاحق ہوں گے ، جو حشر ان چیزوں کا ہوتا ہے ۔ بعینہ یہی انجام رشوت کا ہوتا ہے ۔ اس لئے اپنے دین کی حفاظت کے خواہاں حاکم کو اس سے بچنا چاہیے ۔ خصوصاً جسے اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے کا ڈر ہو اس شخص کو منصب قضا پر فائز ہونے کے بعد تحفہ تحائف قبول کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے کیونکہ اس کا یہ احسان جب تک پیش نظر ہوگا ، طبیعت میں اس کا اثر موجزن ہوگا ۔ اور احسان کرنے والے کی طرف سے دل میں الفت اور محبت بڑھے گی ، اور جب قاضی کے سامنے اس پر یہ احسان دھرنے والے اور اس کا فریق دونوں آئیں گے ۔ تو فطری طور پر قاضی کا دل اس کے احسان کی طرف متوجہ ہوگا ، اور اس کے نتیجہ میں حق اور صداقت سے اس کا دل ہٹ کر اسی کی طرف مائل ہوگا ۔ اور لطف یہ کہ یہ انقلاب اس طرح آپ سے آپ رونما

---

[1] عون المعبود شرح سنن ابوداؤد ج ۹ ص ۴۹۶ ،

ہوگا، کہ بیچارے قاضی کو اس کا احساس تک نہ ہوگا۔ بلکہ وہ یہی خیال کرے گا کہ احسان کرنے والے کے احسان نے اس کے دل میں کوئی اثر نہیں کیا، اس لئے اس سے کوئی قصور سرزد نہیں ہوا۔ اور یہ واقعہ ہے کہ اس صورت میں ہدیہ نے جو گل کھلائے، رشوت بھی اس سے زیادہ اثر نہیں دکھاتی۔[1]

ذیل میں ہم بعض ایسی صورتیں پیش کرتے ہیں۔ جن میں تحفہ تحائف رشوت کے ہمرنگ اثرات چھوڑ جاتے ہیں۔

(الف) ایسے شخص کا تحفہ جس کا کوئی مقدمہ اس قاضی کی عدالت میں دائر ہو، خواہ یہ شخص منصب قضاء پر فائز ہونے سے پیشتر قاضی کو تحفہ دیا کرتا تھا۔ یا نہیں دیتا تھا، خواہ دونوں میں کوئی رشتہ داری ہو، یا نہ ہو۔[2]

(ب) ایسے شخص کا تحفہ جس کا کوئی مقدمہ عدالت میں دائر تو نہیں، لیکن قضاء سے پیشتر باہم تحفہ کا لین دین بھی نہیں تھا۔[3]

---

[1] عون المعبود شرح سنن ابو داؤد ص۲۹۸ ج۹۔

[2] الفتاوی الہندیہ، ص۲۲۶ ج۳ کذا معین الحکام ص۱۷ کذا فتح العلام ص۳۲۰ ج۲، وکذا فی حاشیۃ الرہونی ص۳۱۱ ج۷، وکذا فی شرح الجوہرہ ص۲۴۲ ج۲ وکذا فی الاصول القضائیہ فی المرافعات الشرعیہ ص۳۲۹، نہایۃ المحتاج شرح المنہاج ص۹۲ ج۸ کذا فی الانصاف ص۲۱۰ ج۱۱، کذا فی المغنی والشرح الکبیر ص۴۳۷ ج۱۱، کذا الفوائد العدیدۃ فی المسائل المفیدہ ص۹۸ ج۲ المسؤولیۃ الجنائیۃ فی الفقہ الاسلامی للبہنسی ص۴۳۔ [3] الفتاوی الہندیہ ص۲۲۶ ج۳، معین الحکام ص۱۷ کذا فی جواہر العقود ص۳۵۷ ج۲ کذا فی نہایۃ المحتاج شرح المنہاج ص۹۵ ج۸، کذا فی المغنی والشرح الکبیر ص۴۳۶ ج۱۱، المہذب ص۲۹۲ ج۲

(ج) اس شخص کا تحفہ جس کا کوئی مقدمہ زیرِ سماعت نہیں، البتہ ان کے درمیان باہم ہدیہ کا لین دین تھا، لیکن منصبِ قضاء کے بعد اس کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور قضا پر فائز ہونے سے اس کو جتنا دیتا تھا، اب اس میں اضافہ کیا گیا۔ لہٰذا جتنا اضافہ کیا گیا۔ وہ جائز نہیں ہوگا۔[1]

البتہ بزدوی نے اس قدر زائد تحفہ کی اجازت دی ہے۔ جتنا کہ اس شخص کی دولت میں پہلے سے اب اضافہ ہوا ہو، لیکن اگر دینے والا اپنی مالی حیثیت سے بڑھ کر تحفہ دینے لگے تو اس کا قبول کرنا جائز نہیں ہوگا۔[2]

مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ زائد ہی نہیں، بلکہ جملہ تحائف حرام ہونگے۔ انہوں نے اس صورت کو ایسے سودے پر قیاس کیا ہے، جس میں حرام و حلال یکجا ہو جائے۔[3] شافعیہ کے نزدیک اگر یہ نہ معلوم ہو سکے، کہ پہلے کتنا دیا کرتا تھا، اور بعد میں کس قدر مقدار کا اضافہ کیا تو سارا کا سارا تحفہ حرام ہوگا۔[4]

(د) والی کا تحفہ۔ جس نے خود قاضی مذکور کو منصبِ قضاء پر فائز کیا، اور اس کا کوئی مقدمہ زیرِ سماعت ہے، جس کا اب تک فیصلہ نہیں سنایا گیا،[5]

(ھ) ایسے شخص کا تحفہ جو اسے اس لئے تحفہ دیتا ہے کہ وہ منصبِ قضاء پر فائز ہے، اگر وہ قاضی نہ ہوتا، تو اسے ہرگز تحفہ نہ دیتا۔[6]

---

[1] الفتاوی الہندیہ ص۲۲۶ ج۳، کذا فی معین الحکام ص۱۰۱، کذا فی رد المحتار علی الدر المختار ص۳۱۱ ج۴، کذا فی جواہر العقود ص۳۵۷ ج۲، کذا فی الاصول القضائیہ فی المرافعات الشرعیہ ص۳۲۹، المسؤلیۃ الجنائیۃ فی الفقہ الاسلامی ص۴۳، [2] الفتاوی الہندیہ ص۲۲۶ ج۳، معین الحکام ص۱۰۱، رد المختار علی الدر المختار ص۳۱۱ ج۴، المسؤلیۃ الجنائیہ فی الفقہ الاسلامی لبنسی ص۴۳،

[3] حاشیۂ الدسوقی ص۱۶۵ ج۴ [4] نہایۃ المحتاج شرح المنہاج ص۹۵ ج۸ ۔

* حاشیہ جاری *

ان تمام صورتوں میں ہدیہ ناقابل قبول ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر قاضی نے اسے قبول کیا تو اس پر جادۂ انصاف سے[1] مڑ جانے کا الزام عائد ہوگا، نیز ان صورتوں میں اغلب یہی ہے کہ تحفہ دہندہ دل کو اپنی طرف منعطف کیا جا رہا ہے، تاکہ فیصلہ میں اس کے ساتھ جانبداری اور رعایت برتی جائے، اور یہ صورت بعینہ رشوت کے مشابہ[2] ہے۔

۳۔ مفتی کو ہدیہ

اگر کوئی شخص مفتی کو اس کے علم و معرفت اور نیکوکاری کے سبب الفت و محبت کے لئے تحفہ دیتا ہے، تو یہ جائز ہے۔ لیکن اگر کسی دنیاوی غرض کے لئے تحفہ دیتا ہے جیسے اس نے اپنے فریق مخالف کے خلاف قاضی کی عدالت میں ایک مقدمہ دائر کر رکھا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ مفتی مذکور اس سلسلے میں اس کی مدد کرے، اس غرض سے اگر تحفہ تحائف اس کے حوالہ کرے، تو مفتی کے لئے یہ ہرگز جائز نہیں ہوگا، اسی طرح فتویٰ میں کسی قسم کی رعایت کرنے کے لئے بھی تحفہ لینا جائز نہیں ہوگا۔[3]

۴۔ واعظ اور مدرس کو تحفہ

واعظ اور مدرس تحفہ تحائف قبول کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ انہیں یہ تحفہ علم و دوستی اور نیکوکاری پر دیا جائے اور وہ اپنی ذمہ داریوں کو بخوبی انجام دیتے ہوں، اس قسم کا تحفہ

پیوستہ از گزشتہ:
۵ الفتاوی الہندیہ ج ۳ ص ۲۲۶، معین الحکام ص ۱۷۔
۶ حاشیہ ابن عابدین ج ۵ ص ۳۷۳،

۱ الروض النضیر ج ۴ ص ۱۱۹ ۲ المغنی والشرح الکبیر ج ۱۱ ص ۴۳۶،

۳ ملاحظہ کیجئے حاشیہ ابن عابدین ج ۸ ص ۳۷۳۔ کشاف القناع عن متن الاقناع ج ۶ ص ۳۱۶، نہایۃ المحتاج شرح المنہاج ج ۸ ص ۹۶، الانصاف ج ۱۱ ص ۲۱۱ اور مقنع ج ۳ ص ۶۱۱،

درحقیقت ان کے اکرام واعزاز کا باعث ہوا کرتا ہے[1]۔ اور اگر وہ اپنے فرائض میں پہلے سے کوتاہ ہیں، اور انہیں تحفہ اس لئے دیا جاتا ہے، تاکہ وہ چاق وچوبند ہو کر اپنا فرض انجام دیں، یا انہیں اس لئے تحفہ دیا جاتا ہے تاکہ وہ انہیں کامیاب کرنے میں ان کی مدد کریں، یا انہیں امتیازی نمبرات دیں۔ یا مدرس خصوصی اسباق (ٹیوشن) لیتا ہے، جس میں شرکت کامیابی یا درجے میں ترقی کا سبب بنتی ہے، اس سلسلے کے تحائف جائز نہیں ہیں۔

اور بعض طلباء جو اپنے اساتذہ کو ان کے خصوصی درس (ٹیوشن) پر تحفہ دیا کرتے ہیں، میری نگاہ میں یہ تحفے بھی درپردہ رشوت ہیں۔ اس لئے کہ بعض اساتذہ بچوں کو کامیابی یا امتیازی نمبرات اسی وقت دیتے ہیں۔ جبکہ یہ بچے ان کے خصوصی درس (ٹیوشن) میں حاضر رہے ہوں۔ بعض طلباء یہ سب ہتھکنڈے جانتے ہیں۔ اس لئے وہ اپنے اساتذہ کی حسب خواہش اس سلسلے میں پیش قدمی کرتے ہیں، اور بعضے تو اساتذہ کو ان کے حق سے زائد دے دیا کرتے ہیں۔ یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ تحفے تحائف بھی درپردہ رشوت ہیں۔

۵۔ ملازمت کے تحت کام کرانا

کسی شخص کو کوئی کام دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو ایک ذمہ داری سونپی گئی، اور ذمہ داری یا فرض منصبی کی انجام دہی پر ہدیہ یا تحفہ تحائف وصول کرنا جائز نہیں ہے، خواہ وہ کوئی عامل اور گورنر ہو، جو مسلمانوں کے صیغوں اور معاملات کا ذمہ دار ہوتا ہے[2] یا اس کے علاوہ ذمہ داری اس کے سپرد ہو۔ نیز اس کی ذمہ داری اس قسم کی ہو کہ اس کا وقار

---

[1] حاشیہ ابن عابدین ج ۵ صـ ۳۶۲، نہایۃ المحتاج ج ۸ صـ ۹۶۔

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری لعینی ج ۱۱ صـ ۱۶۲ تھوڑے سے تصرف کے ساتھ

اسی ذمہ داری کا مرہون منت ہو، اور اگر وہ ذمہ داری ملے سے حاصل نہ ہو تو اسے کوئی پوچھنے کے لئے تیار نہ ہو۔ اس صورت میں اس کا تحفہ لینا رشوت ہوگا۔ جو ہدیہ[1] کا روپ لئے ہوگی،

لہٰذا اس سے اور ہر عیب اور داغدار کرنے والی چیزوں سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ تاکہ ہم مسلمانوں کی کارگذاری بے داغ اور نمایاں ہو، امانت داری، پرہیزگاری تقویٰ اور طہارت ہمارا شعار اور طرۂ امتیاز ہو اور اس طرح حقداروں کے حقوق میں موزونیت اور یکسانیت اجاگر ہو۔ اور اگر اس کے برخلاف کامگاروں اور کارگذاروں نے تحفہ تحائف کی لت ڈال لی، تو یہ دراصل حرام رشوت لینے کا ایک ذریعہ ہوگا۔ اس لئے کہ اگر ہم ان تحائف کے اسباب اور وجوہ کی تلاش کریں تو ہمیں معلوم ہوگا۔ کہ ہدیہ دینے والا صرف اپنا مطلب نکالنا چاہتا ہے۔ اور اپنے مفاد اور مصلحت کے لئے ہی کوشاں ہے۔ اس تحفہ کے رشوت ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ کامگار رشوت لے کر بھی اس کے بدلہ میں اتنا ہی کرتا ہے جتنا اس کی ڈیوٹی اور فرض منصبی کے لحاظ سے اس کے ذمہ عائد ہوتا ہے۔ جس شخص نے اس کو اس کام پر مامور کیا وہ صرف انھیں فرض کی انجام دہی کو اس سے چاہتا ہے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ جو چیز اس پر پہلے سے فرض ہو، خاص اس کی ادائیگی کے لئے تحفہ یا ہدیہ وصول کرنا کسی طرح درست نہیں ہے۔

اور چونکہ ہدیہ لینے سے مسلسل ممانعت اس لئے ہے کہ تحفہ لے کر والی انصاف سے ہٹ جائے گا، تو اگر اس سے بڑا والی تحفہ وصول کرے، تو اس کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہئے۔ اس لئے کہ اس کے لینے میں کسی قسم کا شک[2] رونما نہ ہوگا، اسی طرح

---

[1] حاشیہ رہونی ج ۷ ص ۳۱۳۔ [2] حاشیہ ابن عابدین ج ۵ ص ۳۷۲ قدرے تصرف کے ساتھ۔

اس پر کوئی تہمت بھی عائد نہیں ہوگی، اس لئے کہ حکام آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کسی رعایت یا تحفہ کے بغیر بھی ہمدردی کرتے ہیں اور مرکزی اثر ورسوخ[1] اور بالائی دباؤ سے ان کے کام انجام دیتے ہیں۔

کسی ملازم کو تحفہ لینا اسی وقت جائز ہوگا۔ جن حالات میں قاضی کو تحفہ لینے کی اجازت حاصل ہے۔ اس لئے کہ جب قضاء جیسے اہم منصب پر فائز ہونے والے کے لئے تحفہ تحائف کی اجازت ہے تو عام ملازم کو تحفہ کی وصولیابی بدرجہ اولیٰ جائز ہوگی۔

تحصیلداروں والیوں اور ملازموں کو تحفہ وصول کرنے کی حرمت کے دلائل

۱:- امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ہم سے علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا، ہم سے سفیان نے اور ان سے امام زہری نے نقل کیا، اور انہوں نے عروہ سے سنا کہ ابوحمید ساعدی نے ان سے بیان کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنو اسد کے ایک شخص کو صدقہ وصول کرنے کے لئے مقرر فرمایا: اس شخص کو ابن لُتبیہ[2] کہتے تھے، جب وہ صدقات وصول کرکے واپس آیا، تو کہنے لگا۔ یہ آپ لوگوں کے لئے ہے۔ اور یہ مجھے بطور ہدیہ دیا گیا ہے۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لائے، سفیان بھی کہتے ہیں کہ آپ منبر پر چڑھے۔ اور اللہ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا: ان تحصیلداروں کو کیا ہوگیا ہے؟ جنھیں ہم وصولیابی کے لئے بھیجتے ہیں، جب وہ آتے

---

[1] الاصول القضائیہ فی المرافعات الشرعیہ لعلی قراعہ ص۳۲۹

[2] ایک قبیلہ بنو لُتَب کی طرف منسوب اس کا نام عبداللہ تھا۔

ہیں. تو کہتے ہیں ، یہ آپ کا ہے ! اور یہ ہمارا ہے . بھلا یہ اپنے ماں باپ کے گھروں میں بیٹھ رہیں ، پھر دیکھیں کہ کیا انہیں تحفے تحائف کوئی لا کر دیتا ہے ؟ یا نہیں ۔؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے ۔ یہ جو چیز لے کر قیامت کے دن آئیں گے، اسے اپنی گردنوں پر اٹھائے ہوں گے ، اگر وہ اونٹ ہوگا تو بلبلاتا ہوگا . گائے ہوگی تو چلاتی ہوگی اور بکری ہوگی تو میں میں کرتی ہوگی " پھر آپ نے دونوں ہاتھ بلند فرمائے ، یہاں تک کہ آپ کی بغل کی سفیدی میں نے دیکھ لی ، پھر فرمایا : سنو ! کیا میں نے پہونچا نہیں دیا ؟ یہ آپ نے تین بار فرمایا : سفیان کہتے ہیں : زہری نے یہ واقعہ ہم سے بیان کیا ، اور ہشام نے اپنے والد سے اور انہوں نے ابو حمید ساعدی سے اس قدر مزید نقل کیا ہے کہ " میرے دونوں کانوں نے یہ سنا ، اور میری آنکھوں نے اس کو دیکھا ، اور تم زید بن ثابت سے پوچھ لو وہ بھی میرے ساتھ سننے میں شریک تھے . [۱]

استدلال کی وجہ

تحصیلداروں کا ہدیہ قبول کرنا حرام ہے ، اس کی وجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے عیاں ہوتی ہے کہ " بھلا وہ اپنے ماں باپ کے گھر میں بیٹھ رہیں " یہ فقرہ بتاتا ہے کہ تحفہ حرام ہونے کی علت ، ملازمت پر تقرری ہے . اس حدیث سے ملازمین ، تحصیلداروں ، اور قاضیوں وغیرہ کے لئے تحفہ تحائف کی وصولیابی حرام ہو جاتی ہے ۔ [۲]

---

[۱] امام بخاری ؒ نے اپنی صحیح میں اس کی تخریج کی ، فتح الباری شرح صحیح البخاری صفحہ ۲۸۸ ج ۱۶ ، امام مسلم نے بھی اس کی تخریج کی ، شرح صحیح مسلم للنووی صفحہ ۲۱۸ ، ۲۱۲ ج ۱۲ دلیل الفالحین ج ۲ صفحہ ۲۲۵ ،

[۲] دلیل الفالحین ج ۲ صفحہ ۲۲۶ بتصرف ،

کیونکہ ہدیہ دینے والا تحفہ کے وسیلہ سے تحفہ لینے والے کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتا ہے، اس لئے رشوت[1] کی طرح اس سے تحفہ کی وصولیابی بھی جائز نہیں ہوگی۔

ب :۔ امام احمد اور بیہقی نے حضرت ابو حمید ساعدی سے اور انہوں نے عرباض سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: هَدَايَا الْعُمَّالِ غُلُوْلٌ: تحصیلداروں کے تحائف خیانت ہیں۔[2]

استدلال کی وجہ

ہدیہ لینا مال غنیمت سے کچھ نکال لینے کے مترادف ہے۔ اور مال غنیمت سے کچھ نکالنا بالاتفاق حرام[3] ہے اس لئے تحصیلداروں کے تحائف بھی حرام ہوں گے۔ ان کا لینا جائز نہ ہوگا۔

ج :۔ ابویعلیٰ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: تحصیلداروں کے کل تحفے حرام ہیں[4]

اس حدیث سے تحصیلداروں کے تحفوں کی حرمت ثابت ہوتی ہے، اور جو چیز حرام ہو اس کا لینا جائز نہیں ہے۔

د :۔ طبرانی نے کبیر میں حضرت عصمہ بن مالک سے اور انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

اَلْهَدِيَّةُ تُذْهِبُ بِالسَّمْعِ وَالْقَلْبِ وَالْبَصَرِ — ہدیہ کان، دل، اور آنکھوں کو چھین لیتا ہے۔[5]

---

[1] المغنی والشرح الکبیر ج ۱۱ ص ۴۳۷ المقنع ج ۳ ص ۶۱۱ حاشیۃ الرہونی ج ۷ ص ۳۱۲
[2] کنز العمال ج ۶ ص ۵۶ حاشیۃ الرہونی ج ۷ ص ۳۱۲
[3] حاشیۃ الرہونی ج ۷ ص ۳۱۱
[4] کنز العمال ج ۶ ص ۵۶
[5] کنز العمال ج ۶ ص ۵۶

استدلال کی وجہ

تحفہ اور ہدیہ، لینے والے کے احساسات اور جذبات کو مسخر کر دیتا ہے، اور اسے تمام تر دینے والے کا تابع فرمان بنا دیتا ہے۔ خواہ وہ باطل پر کیوں نہ ہو، اور جو تحفے تحصیلداروں کو اس طرح اندھا اور بہرا بنا دیں، ان کی حیثیت حرام ہوگی۔

ھ:۔ دیلمی نے مسند فردوس میں حضرت ابن عباس سے اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے۔ کہ آپ نے فرمایا:۔

اَلْھَدِیَّۃُ تَعْوُرُ عَیْنَ الْحَکِیْمِ — تحفے تحائف حکمت والے آدمی کو بھی اندھا بنا دیتے ہیں'

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ نے اپنے نبیوں پر جو وحی نازل فرمائی اس میں میں نے یہ پڑھا ہے کہ "ہدیہ حکمت والوں کی آنکھیں پھوڑ دیتا ہے[1]"۔

استدلال کی وجہ

ہدیہ کی وجہ سے ہدیہ لینے والا دینے والے کو صرف پسندیدگی کی نظروں سے دیکھتا ہے۔ اس کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھ بھی نہیں سکتا۔ اور یہ آنکھیں تحفے تحائف کی وجہ سے سیر اور آسودہ ہوتی ہیں۔ یہی اس بات کا اشارہ ہے کہ لینے والا اپنی بداخلاقی کے سبب اس برائی کا خوگر ہوتا ہے، اور جو چیز اخلاق میں بگاڑ لانے کا سبب بنتی ہے وہ بھی حرام ہے۔ بنا بریں تحصیلداروں اور ملازمین کا ہدیہ لینا حرام ہے[2]۔

و:۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اَخْذُ الْاَمِیْرِ الْھَدِیَّۃَ سُحْتٌ — امیر کا ہدیہ لینا حرام ہے۔ اور قاضی کا رشوت

---

[1] کشاف القناع عن متن الاقناع ج ۶ ص ۳۱۶۔

[2] فیض القدیر ج ۶ ص ۳۵۶ بتصرف۔

وَقُبُولُ الْقَاضِي الرِّشْوَةَ كُفْرٌ لینا کفر ہے ،

اس روایت کو امام احمدؒ نے نقل کیا ہے۔ [1]

خطیبؒ نے تلخیص میں حضرت انسؓ سے منقول روایت کے ملتی جلتی ایک حدیث نقل کی ہے، کہ تحصیلداروں کا تحفہ لینا سحت (حرام [2]) ہے ،

استدلال کی وجہ

سحت رشوت ہے اور رشوت کا لینا حرام ہے، اسی طرح ہدیہ کا لینا بھی حرام ہوگا۔ اور سحت کا لینا بھی یکساں طور پر حرام ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَكَّالُوْنَ لِلسُّحْتِ (مائدہ :) (رشوت کا) حرام مال کھانے والے ہیں ،

اسی طرح امیر کا ہدیہ لینا بھی حرام ہوگا۔

ز :۔ حضرت بریدہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا :۔

مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ عَلٰى عَمَلٍ	جس شخص کو ہم نے کسی کام کے لئے مقرر کیا
فَرَزَقْنَاهُ رِزْقًا — مَنَحْنَاهُ	اس کے لئے کچھ — روزینہ — مقرر کردیا،
مُرَتَّبًا — فَمَا اَخَذَهُ بَعْدَ	پھر اس کے علاوہ وہ جو کچھ لے گا ، خیانت
ذٰلِكَ فَهُوَ غُلُوْلٌ	ہوگی ،

اس روایت کو ابوداؤد نے نقل کیا ہے۔ [3]

---

[1] کنز العمال ج ۶ ص ۵۶ ، حاشیہ الرہونی ج ۷ ص ۳۱۲ ، تعریب السیاسۃ الشرعیۃ ص ۵۱

[2] نیل الاوطار ج ۸ ص ۲۷۸ [3] نیل الاوطار ج ۸ ص ۲۷۸

الحلال والحرام فی الاسلام للقرضاوی ص ۳۲۲

استدلال کی وجہ

ملازم کا تنخواہ پانے کے باوجود ہدیہ لینا خیانت متصور ہوگا۔ اور خیانت کرنا حرام ہے اس لئے ہدیہ لینا بھی حرام ہوگا۔

ح ۔ حضرت عدی بن عمیرہ کندی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ
لَنَا عَلَى عَمَلٍ فَكَتَمَنَا مِنْهُ
مِخْيَطًا فَمَا فَوْقَهُ فَهُوَ غُلٌّ
يَأْتِي بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَقَامَ
رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ أَسْوَدُ كَأَنِّي
أَنْظُرُ إِلَيْهِ: فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْبَلْ عَنِّي
عَمَلَكَ، قَالَ وَمَا ذَاكَ، قَالَ
سَمِعْتُكَ تَقُولُ كَذَا وَكَذَا وَكَذَا
قَالَ وَأَنَا أَقُولُهُ ذٰلِكَ مَنِ
اسْتَعْمَلْنَاهُ عَلَى عَمَلٍ فَلْيَأْتِ
بِقَلِيلِهِ وَكَثِيرِهِ فَمَا أُوتِيَ مِنْهُ
أَخَذَهُ (أَخَذَ) وَمَا نُهِيَ عَنْهُ
انْتَهَى

لوگو! تم میں سے جو کوئی ہمارے کسی کام پر
مامور ہو، اور ایک دھاگا یا اس سے بڑی
کوئی چیز چھپالے، تو یہ فعل خیانت ہوگا۔ اور
اسے قیامت کے دن اس کو حاضر کرنا ہوگا۔ ایک
انصاری کھڑے ہوئے، ان کا رنگ سیاہ تھا
گویا اب بھی وہ میری نظروں میں گھوم رہے ہیں،
انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم
آپ مجھ سے اپنے فلاں کام کی ذمہ داری واپس لے لیجئے،
آپ نے فرمایا وہ کس لئے۔؟ انہوں نے
کہا: کیونکہ میں نے سنا ہے کہ آپ نے ایسا
ایسا فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا: اب بھی میں
وہی کہتا ہوں کہ ہم نے جس کسی کو کسی کام پر
مامور کیا اسے چاہئے کہ اس کے پاس کم یا زیادہ
جو کچھ ہے واپس کردے پھر اس میں سے اس کو جو
دیا جائے اسے لے لے، اور جس سے روکا جائے،
اس سے باز آجائے، اس حدیث کو ابوداؤد نے

(رواہ ابوداؤد)[1] نقل کیا ہے۔

استدلال کی وجہ

تحصیلدار اور کارگذاروں کو ان کی کارگذاری کے سبب تحفہ تحائف ملا کرتے ہیں، لہٰذا کارگذاری کے سبب جو کچھ ملے اس کو امام اور والی کے حوالہ کرنا واجب ہے، خواہ وہ کم ہو یا زیادہ ہو، اب اگر اس نے امام سے چھپایا، یا اس کے حوالہ نہ کیا تو ظاہر ہے یہ خیانت ہوگی، اور قیامت کے دن اس سے لازمی طور پر باز پرس ہوگی، اور جس چیز پر باز پرس اور عتاب ہو اس کا لینا جائز نہیں ہے۔ خاص طور پر اس لئے بھی کہ امیر نے لوگوں سے تحفہ وصول کرنے سے اسے منع کر رکھا ہے۔

ط :۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے تحصیلداروں کے پاس یہ فرمان لکھ کر بھیجا تھا

إِيَاكُمْ وَالْهَدَايَا فَإِنَّهَا فِي الرِّشَا — ہدیہ اور تحفہ سے بچو، کیونکہ یہ بھی رشوت ہے[2]،

استدلال کی وجہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے تحصیلداروں سے صاف فرما دیا کہ ہدیہ رشوت کی ایک قسم ہے، اس لئے ملازمین کو اس کا لینا حلال نہیں ہے۔

ی :۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا :۔

يَاتِ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَسْتَحِلُّ فِيهِ السُّحْتُ بِالْهَدِيَةِ[3] — ایک زمانہ آئے گا جب لوگ سحت کو ہدیہ کہکر اپنے لئے حلال کریں گے"

---

[1] عون المعبود شرح سنن ابوداؤد ج ۳ ص ۹۶ ۔

[2] المسئولیۃ الجنائیۃ فی الفقہ الاسلامی ص ۶۰

[3] معین الحکام ص ۱۰ حاشیۃ الرہونی ص ۳۱۷ ج ۷ ،

استدلال کی وجہ

عہدہ داروں کو جو تحفے دیئے جاتے ہیں، وہ بھی در پردہ رشوت ہیں۔ انہیں محض آڑ اور حیلہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، اور جس حرام چیز کو حرام کام کے لئے حیلہ اور آڑ کے طور پر استعمال کیا جائے، وہ بھی حرام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن عہدیداروں کو اس لئے تحفہ دیا جاتا ہے۔ کہ اس سے کسی حرام کام کو مباح کر لیا جائے تو اس کا لینا بھی حرام ہوگا۔

ک حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو تحصیلدار بنایا، آپ لوٹے تو آپ کے پاس کچھ مال تھا، حضرت عمرؓ نے پوچھا تمہیں یہ کہاں سے مل گیا، ؟ انہوں نے کہا: مجھے تحفہ کے طور پر ملا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا! دشمن خدا! گھر میں بیٹھ رہتے، پھر دیکھتے کہ کوئی تحفہ دیتا ہے۔ یا نہیں دیتا؟ اس کے بعد آپ نے وہ مال لے لیا، اور اسے بیت المال میں داخل فرما دیا[1]،

استدلال کی وجہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے تحفہ وصول کرنے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انہیں ڈانٹنا پھر اسے لے کر بیت المال میں جمع کرا دینا اس کی دلیل ہے کہ ملازمین کا تحفہ لینا حرام اور رشوت کی قبیل سے ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے واپس نہیں لیتے۔

ل:۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اَلسُّحْتُ اَنْ تَطْلُبَ لِاَخِيْكَ　　سحت یہ ہے کہ تمہارے بھائی کو کوئی حاجت

---

[1] عون المعبود شرح سنن ابو داؤد ص ۴۹ ج ۹،

حَاجَةٌ فَتَقْضِیْ فَیُھْدِیْ اِلَیْكَ هَدِیَّةً فَتَقْبَلُهَا مِنْهُ [1] درپیش ہو، اور تم اسے پورا کردو، پھر وہ تمہیں کوئی ہدیہ دے، اور تم اسے قبول کرلو۔

استدلال کی وجہ

ضرورت پوری کئے جانے پر جو تحفہ دیا جاتا ہے۔ وہ رشوت ہوتی ہے، اور اگر ضرورت کی تکمیل سے پیشتر لیکن اسی ضرورت کی انجام دہی کے لئے جو تحفہ دیا جائے گا۔ وہ بھی بدرجہ اولیٰ سحت میں شمار ہوگا۔ اور سحت حرام ہے۔ اس لئے عہدہ داروں کو کاموں کے انجام دینے کے لئے جو کچھ دیا جاتا ہے وہ بھی حرام ہے۔

۴۔ کسی تحصیلدار یا عامل کو تحفہ یا تو اس سے ڈر کر دیا جاتا ہے۔ تاکہ وہ نرم پڑ جائے، اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کرے یا جو اختیارات اسے حاصل ہوں، ان کی لالچ میں اسے تحفہ دیا جاتا ہے۔ تاکہ اس کو فائدہ پہونچے، اس لئے یہ بھی رشوت ہے، جس کا قبول کرنا جائز نہیں ہے۔

سابقہ دلائل سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ ملازمین عام طور پر جس قسم کا ہدیہ وصول کرتے ہیں۔ اس کا لینا حرام ہے۔ البتہ کچھ صورتیں ضرور مستثنیٰ ہیں۔ اسی طرح حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے تحفے لینے سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت پر تحفہ لیتے تھے۔ بغیر اجازت انہوں نے بھی تحفہ نہیں لیا ہے۔ چنانچہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے قیس بن حازم سے، اور انہوں نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یمن بھیجا، اور فرمایا "میری اجازت کے بغیر کوئی چیز قبول نہ کرنا۔ وہ خیانت ہوگی [1]

---

[1] حاشیۂ الرہونی ج ۷ ص ۳۱۲ تعریب السیاسۃ الشرعیہ فی حقوق الراعی وسعادۃ الرعیۃ ص ۵۲

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت فرمانبردار صحابی تھے، آپ کی تعلیمات کے پیروکار تھے، انہوں نے تحفہ صرف اسی صورت میں قبول کیا، جبکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خود آپ کو ان کی ایک خصوصیت کے تحت اجازت مرحمت فرمائی، حضرت معاذ کی خصوصیت یہ تھی کہ آپ نہایت دریادل اور فیاض تھے۔ اسی فیاضی کی وجہ سے آپ کے ذمہ کافی قرض واجب الادا تھا، چنانچہ حضرت عبید بن صخر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا کہ آپ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا، مجھے معلوم ہوا کہ تم قرض میں مبتلا ہو۔ اس لئے تمہاری خاطر تحفہ لینا پاکیزہ ہوگا۔ اب اگر تمہارے پاس کوئی تحفہ لے کر آئے تو اسے قبول کرلو۔ اس کو طبرانی نے کبیر میں نقل کیا ہے[۲]۔

حلال وحرام اور جائز ناجائز تحفوں اور ہدایا کی تفصیل سامنے آجانے کے بعد ہمارا فرض ہے کہ اس کا موازنہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تشریحی عبارت سے کریں، جس کو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے اخذ کرتے ہوئے قلمبند کیا ہے۔ آپ کی عبارت کا متن حسب ذیل ہے۔

"اس قدر سخت احکام کے ثابت ہوجانے کے بعد قاضی، والی اور ان کے قائم مقام لوگوں کو چاہئے کہ وہ یہ دیکھیں کہ اگر وہ معزول ہوکر اپنے گھر میں اپنے ماں باپ کے یہاں بیٹھ رہیں۔ تو انھیں کیا کیا اور کتنا تحفہ ملے گا، جتنا اس وقت مل سکتا ہے، اتنا ہی آج برسرکار ہوتے ہوئے انہیں لینے کی اجازت ہے۔ اور جس تحفے اور ہدیے کی بابت

گذشتہ سے پیوستہ، [۲] فتح الباری شرح صحیح البخاری ص ۲۹۰ ج ۱۶

[۱] الروض النضیر ص ۱۱۹ ج ۴ نہایۃ المحتاج شرح المنہاج ص ۵۸ ج ۶،

[۲] کنز العمال ص ۵۸ ج ۹، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ص ۴۰۴ ج ۱۱،

انہیں یقین ہے کہ وہ ان کی کارگزاری اور حاکمیت کی وجہ سے مل رہا ہے۔ اس کا لینا انہیں حرام سمجھنا چاہئے۔ اور دوستوں کے جو تحفے ان کی نظر میں مشکوک ہوں، کہ معزولیت کے بعد بھی وہ دیں گے یا نہیں، ان کی حیثیت مشتبہ کی سی ہے، انہیں اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔[1]

یہ تو ہوا! لیکن اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ مطلقاً تحفہ تحائف نہ لینا ہی بہتر ہے، چنانچہ علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے حاشیہ میں لکھا ہے۔ "اس میں شک نہیں کہ ہدیہ قبول نہ کرنا ہی مقبول اور پسندیدہ ہے۔[2]

"صاحب کشاف القناع" کہتے ہیں، "تحفہ قبول کرنے سے اس کا نہ قبول کرنا زیادہ بہتر ہے، اس لئے کہ وہ اس سے کیونکر بچ سکتا ہے کہ یہ آئندہ کسی فیصلہ کے تحت دیا جا رہا ہے"[3]،

"نہایۃ المحتاج" میں ہے۔ تحفہ تحائف پر مکمل پابندی عائد کرنے کے لئے مطلق تحفہ لینے پر پابندی عائد کرنا بدرجہا بہتر ہے۔[4]

یہی وجہ تھی کہ جب روم کی شاہزادی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کلثوم بنت علی بن ابوطالب کو تحفہ بھیجا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس تحفہ کو رد کر دیا، اور اہلیہ کو اس کے قبول کرنے سے منع فرما دیا۔[5]

---

[1] الحلال والحرام فی الاسلام ص ۳۲۲، حاشیۃ الرہونی ج ۷ ص ۳۱۲۔

[2] حاشیہ ابن عابدین ج ۵ ص ۳۷۳ [3] کشاف القناع عن متن الاقناع ج ۶ ص ۳۱۶، الانصاف ج ۱۱ ص ۲۱۱ [4] نہایۃ المحتاج شرح المنہاج ج ۸ ص ۹۶۔

[5] احکام القرآن للجصاص ج ۴ ص ۸۶، المسئولیۃ الجنائیۃ فی الفقہ الاسلامی لبہنسی ص ۷۹

سفارش کے لئے ہدیہ

اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی آدمی والی مملکت کے پاس کسی کی سفارش لے کر جائے تاکہ والی اس پر توڑے جانے والے مظالم کا سدباب کرے، یا اس کا حق اس تک پہونچا دے، یا اسے کسی ذمہ داری یا عہدہ پر فائز کرے، یا مسلح افواج میں اس کی بھرتی کرادے اور وہ شخص اس سبب کی اہلیت رکھتا ہے۔ یا اس شخص کی غریبوں پر وقف مال یا دوسری کسی مدد سے امداد کردے اور وہ شخص اس کا مستحق ہے۔ یا اسی قسم کی کوئی اور ایسی سفارش کا خواہاں ہے جس میں کسی واجب فعل کی اعانت، یا حرام کام سے پرہیز لازم آتا ہے، تو ان سفارشات میں ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں ہوگا۔ اگرچہ ہدیہ دینے والا اپنے حق کو حاصل کرنے، یا ظلم کو دفع کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ خرچ کرے[1] لینے والے کے لئے لینا حرام ہے، اس کا ثبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے۔ جس کو حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے کہ

مَنْ شَفَعَ لِأَخِيْهِ شَفَاعَةً فَأَهْدَى لَهُ هَدِيَّةً فَقَبِلَهَا مِنْهُ فَقَدْ أَتَى بَابًا عَظِيْمًا مِنْ أَبْوَابِ الرِّبَا۔

جس نے اپنے بھائی کے لئے کوئی سفارش کی، اور اس نے اسے کوئی ہدیہ دیا، اور لینے والے نے اس کو قبول کرلیا، تو اس نے سود کے ایک بڑے دروازے میں گھسنے کا ارتکاب کیا،

اس روایت کو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے[2]

---

[1] مجموعہ فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ ص ۲۸۶ ج ۳۱، الانصاف ص ۲۱۴ ج ۱۱،

[2] کنز العمال ص ۵۶ ج ۴، مجموعہ فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ص ۲۸۶ ج ۳۱، حاشیۃ الرہونی ص ۲۱۳ ج ۷، تعریب السیاسۃ الشرعیہ فی حقوق الراعی وسعادۃ الرعیہ ص ۵۱،

استدلال کی وجہ

سفارشات پر ہدیہ قبول کرنا سود کی قبیل سے ہے ، اور سود حرام ہے ، اس لئے اس کا قبول کرنا بھی حرام ہے ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سحت کی بابت پوچھا گیا ، آپ نے فرمایا ، سحت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کے لئے کسی قسم کی سفارش کرو ۔ اور اس پر وہ کوئی ہدیہ دے ، اور تم اس کو قبول کرلو ، کسی نے عرض کیا ، اگر یہ ہدیہ کسی باطل غرض کے تحت ہو تو آپ کی کیا رائے ہے ؟ آپ نے فرمایا وہ تو کفر ہے[1] اس لئے کہ

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ (مائدہ : ۴۴) جو لوگ اللہ کے نازل کئے گئے احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں ایسے ہی لوگ کافر ہیں ۔

آپ کے اس ارشاد میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ سفارش پر تحفہ لینا سحت ہے ، اور سحت کا لینا حرام ہے ، اس لئے سفارش پر ہدیہ لینا بھی حرام ہوگا ۔

بعض متاخرین فقہاء جیسے علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے البتہ سفارش پر ہدیہ قبول کرنے کی رخصت دی ہے[2] چنانچہ علامہ موصوف فرماتے ہیں : " جس نے کسی دوسرے شخص کی کسی حق کے سلسلے میں مدد کی ، یا ظلم کا اس سے دفاع کیا ، اور کسی قسم کے تحفہ کی قید نہیں لگائی ، پھر اس شخص نے اس حسن سلوک پر اسے کوئی ہدیہ دیا ، تو وہ مستحسن ہوگا ۔ ہماری نظر میں مکروہ شمار نہیں ہوگا ، اس لئے کہ اس کی حیثیت اس تمکرانے کی ہے جو محسن کو پیش کیا جاتا ہے ، اور خوش دلی سے دیا جاتا ہے اس کی ممانعت کے سلسلے میں قرآن و حدیث سے ہمارے علم میں کوئی چیز وارد نہیں ہے ۔ البتہ ہم نے حضرت علی اور ابن مسعود

---

[1] مجموعہ فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ ص ۲۸۶ ج ۳۱ ،

[2] مجموعہ فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ ص ۲۲ ج ۵

رضی اللہ عنہا سے اس کی ممانعت کی روایت ضرور نقل کی ہے، لیکن یہ کوئی ایسی دلیل نہیں، جس سے ممانعت ثابت ہوتی ہو[1]۔

لیکن دیکھا جائے تو علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کی یہ رائے سنت نبوی اقوال صحابہ اور ائمہ کے اقوال سے یکسر جداگانہ اور مختلف ہے، اس لئے کہ گذشتہ صفحات پر ایسی روایتیں ذکر کی جا چکی ہیں، جن سے ہدیہ قبول کرنے کی ممانعت واضح ہوتی ہے۔ نیز ان کی روشنی میں علامہ موصوف کا یہ قول رد ہو جاتا ہے کہ "حدیث سے اس کی ممانعت وارد نہیں"۔ اور انہوں نے جو یہ کہا ہے کہ "یہ محسن کے شکرانے کے طور پر ہے" یہ بھی درست نہیں، اس لئے کہ کسی محسن کا اس طرح شکریہ ادا نہیں کیا جا سکتا، جو سنت کے خلاف ہو، اور از روئے سنت حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ثابت ہے کہ من شفع لاخیہ ...... الخ یہ حدیث پہلے گذر چکی ہے، (یعنی جس نے اپنے بھائی کے لئے سفارش کی)

مسئلہ:-

فریقین کا مقدمہ جب تک زیر سماعت ہو، گواہوں کے جانبین سے کسی قسم کا تحفہ یا ہدیہ لینا حرام ہے[2]۔ اسی طرح ظلم کے دفعیہ پر مظلوم کا ہدیہ دینا، اور دفع کرنے والے کا ہدیہ لینا ہر دو فعل حرام ہوگا[3]۔

اور جو صاحب اقتدار مظلوم سے ظلم کے دفعیہ یا ضرورت مندوں سے ان کی حاجت روائی کے صلہ میں تحفہ تحائف وصول کرتے ہیں، وہ بھی رشوت کی قبیل سے ہے، اس

---

[1] المحلی لابن حزم ص ۱۵۸ ج ۹ [2] حاشیۃ الدسوقی علی شرح الدردیر ص ۱۶۵ ج ۴

[3] حاشیہ ابن عابدین ص ۳۶۲ ج ۵۔

لئے کہ مسلمان بھائی کی ضرورت یا اس سے مظالم کو دفع کرنا اس کی مقدرت رکھنے والے ہر مسلمان پر فرض ہے[1]

دوسرا مطلب: رشوت لینے والے آدمی کا کوئی کام یا اس کی خدمت کر دینا، یا اس کو نفع پہنچانا،

میری نظر میں یہ عنوان دو بحثوں پر منقسم ہے۔

پہلی بحث:۔ رشوت لینے والے کا کوئی کام یا اسکی کوئی خدمت انجام دینا

اس بحث کی دو قسمیں ہیں۔

پہلی قسم:۔ ملازم اپنے ذمہ دار کا کام انجام دے، اس کے لئے پہلے سے اس کے کوئی کام کرنے یا اس کی خدمت انجام دینے کا وعدہ نہیں کیا گیا، نہ اس کے لئے کوئی شرط لگائی گئی، میری نظر میں یہ صورت رشوت میں شمار نہ ہوگی۔ بالخصوص ملازم نے اپنے فرض منصبی کو پورا کر دیا۔ تب اس کا کوئی کام کرنے میں مضائقہ نہیں ہے، کیونکہ کام انجام پانے، یا خدمت کئے جانے کے بعد اس کا بھی کوئی کام کر دینا احسان اور نکوکاری کا بہتر بدلہ دینے کی ایک صورت ہے۔ اگر کوئی آدمی تمہارا کوئی کام کر دے، یا تمہاری کوئی خدمت انجام دیدے تو تمہیں بھی چاہئے کہ جیسا اس نے کیا اپنی طاقت اور مقدرت کے لحاظ سے تم اس سے بہتر بدلہ اسے دو۔ پھر یہ ہدیہ اور جوابی ہدیہ کی طرح ہوا۔ نیز اس قسم کی خدمت انجام دینا، یا اس کا کام کر دینا غیر محسوس اور معنوی چیز ہے۔ اس کی حیثیت

---

[1] جریمۃ الرشوۃ صفحہ ۵۹ ملاحظہ ہو۔

مال کی نہیں ، نہ کسی مال سے ملتی ہے، جس کا مالیت سے اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔ اس لئے یہ اس سحت میں شمار نہ ہوگا ۔ جس کی طرف حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے سابقہ قول سے اشارہ ملتا ہے[۱] اس لئے یہ ایسا ہے جیسے ایک دوسرے کی خدمت کرتے ہیں ، ایک دوسرے کے مفاد کا تحفظ کرتے ہیں ، اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے ۔

دوسری قسم : شرط کے ساتھ کسی کا کام کرنا یا اس کو فائدہ پہونچانا :

اگر کوئی ملازم ایسا ہو جو کسی کا کوئی کام اس وقت تک پورا نہیں کرتا ، جب تک کہ اس کی کوئی خدمت نہ کر دی جائے یا اس کے مفاد کے سلسلے میں کوئی کام انجام نہ دیا جائے ، تو از روئے حکم اس کا شمار بھی حرام رشوت میں ہوگا ۔ اس لئے کہ ہر آدمی کو اپنی ذمہ داری اور فرض منصبی کے لحاظ سے اپنی ڈیوٹی انجام دینی چاہئے ، اس کے عوض کسی خدمت ، یا مفاد کو شی کا دل میں خیال نہیں لانا چاہئے ، اور اگر کسی نے دل میں اس قسم کا داعیہ رکھ کر کام کیا تو گویا اس نے خدمت یا اس کا کام انجام دینے کے لئے در پردہ شرط لگائی ، لہٰذا معنوی طور پر یہ چیز بھی رشوت میں شامل ہوگی ۔

دوسری بحث : روپیہ دینے کے بجائے رشوت لینے والے کو کوئی مالی فائدہ پہونچانا ،

بعض لوگ کھل کر رشوت لینے سے بچتے ہیں ، اس کے بجائے وہ چاہتے ہیں کہ انہیں ، کوئی اور فائدہ پہونچایا جائے ، اس میں شک نہیں کہ یہ بھی رشوت ہے ۔ اور یہ اسی قسم کا حیلہ ہے ، جیسے یہودیوں نے خدا کی طرف سے حرام کی گئی چربی کو اپنی دانست میں حلال کرنے کے

---

[۱] اس کتاب کے صفحہ ۱۴۸ پر ابن مسعود کی روایت ملاحظہ کیجئے ،

لئے اسے پگھلا لیا تھا اس قماش کے مالی مفاد کی نوعیت حسب ذیل ہے :۔

قرض دینا :۔

بعض لوگ سرکاری ملازمین اور مخصوص لوگوں سے فائدہ حاصل کرنے اور من مانی خواہشات کی تکمیل کے لئے انہیں قرض دیتے ہیں اس غرض کے ساتھ بالخصوص کسی قسم کا فائدہ اٹھانے کے لئے قرض دینا حرام ہے[1]۔ اس کا ثبوت فضالہ بن عبید سے موقوف سند کے ساتھ منقول روایت ہے، جس کو امام بیہقی نے درج کیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ وَجْهٌ مِنْ وُجُوْهِ الرِّبٰوا ۔	ہر وہ قرض جو کسی منفعت کا باعث ہو، وہ بھی سود کی ایک شکل ہے ۔

اس روایت کو سنن کبریٰ میں حضرت ابن مسعود، ابی بن کعب، عبداللہ بن سلام اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بطریق موقوف نقل کیا گیا ہے۔ حضرت حرث بن ابو اسامہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے کہ "

اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً ۔	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایسے قرض سے منع فرمایا جو نفع کو کھینچ کر لاتا ہو ۔

ایک اور روایت میں ہے۔

كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ رِبًا ،	ہر وہ قرض جو نفع کھینچ کر لاتا ہو وہ ربا ہے ۔

ان آثار وروایات سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسا قرض حلال نہیں ہے، جو منفعت بخش[2]

---

[1] حاشیہ ابن عابدین ج ۵ ص ۳۷۲، جواہر العقود ج ۲ ص ۳۵، الاصول القضائیہ فی المرافعات الشرعیہ ص ۳۲۳، حاشیہ الدسوقی ج ۳ ص ۱۶۴، حاشیہ الرہونی ج ۷ ص ۳۰۹ ج ۵ ص ۲۶۲ [2] نیل الاوطار للشوکانی ج ۵ ص ۲۲۶،

ہو۔ یہی نہیں بلکہ اس قسم کا لین دین حرام رشوت کے لئے حیلہ سازی کے مترادف ہے۔
علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "الزواجر من الکبائر" میں لکھا ہے۔ قرض دینے والے کو جس قرض سے نفع ہو وہ حرام ہے، کیونکہ حقیقت میں وہ سود ہے، اس لئے سود لینے والے کے لئے جس قدر وعیدیں وارد ہیں، سب اس شخص کے لئے بھی وارد ہوں گی۔[1]
یہ حکم تو قرض دینے والے کا ہے۔ رہا قرض لینے والا جس نے کسی مصلحت یا مفاد کی ادائیگی کیلئے قرض لینے کی شرط لگا رکھی ہے۔ اس کی حیثیت رشوت لینے والے کی ہوگی، اور اسے قرض حاصل کرنا حلال نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اپنے فرض منصبی کے تحت اپنی ڈیوٹی انجام دینا اس پر پہلے سے فرض ہے۔ اور ڈیوٹی پوری کرنے کے لئے زائد معاوضہ لینا حلال نہیں ہے۔

۲۔ کوئی چیز عاریۃً لینا

جس شخص سے ہدیہ قبول کرنا حرام ہے۔ اس شخص سے کوئی چیز عاریۃً طلب کرنا قاضی اور ملازم کے لئے بھی حرام ہوگا[2]، کیونکہ عاریۃً لینا بھی پرہیز[3] کے لائق چیز ہے، پھر یہی عاریۃً لینا رشوت[4] کا ذریعہ بنتا ہے۔ کیونکہ رشوت وہ چیز ہے۔ جس کو آدمی کسی حاکم یا غیر حاکم کو اس لئے دیتا ہے تاکہ وہ اس کے حق میں فیصلہ کرے۔ یا اس کے حسب منشا اس کا کوئی کام انجام دے[5]۔ اور رشوت کی یہی تعریف عاریۃً لینے پر بھی صادق آتی ہے۔ کیونکہ رشوت صرف

---

[1] حاشیۃ الرہونی ص۲۶۲ ج۵۔

[2] حاشیہ ابن عابدین ص۳۷۲ ج۵، جواہر العقود للمنہاجی ص۳۵۷ ج۲، الاصول القضائیہ فی المرافعات الشرعیہ ص۳۳، کشاف القناع عن متن الاقناع ص۳۱۶ ج۶۔

[3] حاشیۃ الرہونی ص۳۱ ج۸ [4] کشاف القناع عن متن الاقناع ص۳۱۶ ج۶

[5] الاحکام السلطانیہ لابی یعلی ص۵۶۔

اسی کا نام نہیں کہ رشوت طلب کرنے والے کے ہاتھ پر کچھ روپیہ رکھ دیا جائے، بلکہ روپیہ کے بجائے کسی قسم کا نفع پہونچانا بھی رشوت میں شمار ہوتا ہے۔[1]

۲۔ کسی قسم کی رعایت دینا

مثلاً رہائشی مکانات یا اراضی وغیرہ کو شخص مذکور کے ہاتھوں موجودہ قیمت سے ارزاں قیمت پر فروخت کرنا۔ یا موجودہ قیمت سے زیادہ قیمت دے اس کے ہاتھوں سے خریدنا، یا کسی جائداد وغیرہ کے کچھ حصص (شیئر) بلاعوض اس کے حوالہ کر دینا، جن سے آگے چل کر نفع پہونچنے کی امید ہو۔!

اس قسم کے منافع کا موقعہ فراہم کرنا بھی درحقیقت رشوت میں داخل ہے۔ کیونکہ جو تعریف رشوت کی کی گئی ان منافع اور مفادات کا شمار بھی اس میں ہوتا ہے۔ پھر رشوت تنہا اسی کا نام نہیں کہ رائج الوقت سکے لینے والے کے ہاتھ پر رکھ دیئے جائیں۔ بلکہ متفرق اشیاء و اسباب، اور درپردہ لین دین کے تحت محسوب جائدادوں کا دینا لینا بھی اسی رشوت میں شامل مانا جاتا ہے۔ جن کا ہیر پھیر خرید و فروخت کی مقررہ شکلوں کے ساتھ عام طور پر نہیں ہوا کرتا یہی وجہ ہے کہ موجودہ ترقی یافتہ زمانہ میں رشوت کی ان مخفی شکلوں کو درپردہ رشوت کے نام سے سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ جب بھی رشوت لینے والے کو بجائے کچھ روپیہ دینے کے بازاری قیمت سے کم دام کی کوئی چیز دے دی گئی۔ تو اسے بطور رشوت کیا اور کتنا ملا؟ یہ جاننے کی آسان ترکیب یہ ہے کہ اس چیز کی موجودہ بازار کے لحاظ سے قیمت نکلوالی جائے، اب بازار کے دام سے جس قدر کم دام میں اس شخص کو وہ چیز دی گئی، وہی رشوت کی مقدار ہوگی، اس قسم کی ترکیب خرید و فروخت کے اندر اختیار کی جاتی ہے، چنانچہ رشوت دینے

---

[1] کشاف القناع عن متن الاقناع ص ۳۱۶ ج ۶، قدرے تصرف کے ساتھ۔

کے بجائے اس شخص سے کوئی ہلکی پھلکی چیز بازار کے دام سے کہیں زائد دام میں خرید لی جاتی ہے۔ آخر اس قدر زائد دام دینے کی وجہ کیا ہوتی ہے۔؟ جواب یہ کہ یہ زائد داد و دہش کسی محبت کا نتیجہ تو نہیں ہے۔ پھر اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ اس سے کوئی کام لینا چاہتا ہے ---!

علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول " ہدیہ کا ذکر محض احتیاط کے لئے نہیں کیا گیا، بلکہ جس شخص سے ہدیہ قبول کرنا حرام ہے اس سے قرض لینا اور عاریۃ لینا بھی حرام ہے" پر رائے زنی کرتے ہوئے کہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کے عطیہ اور بخشش بھی حرام ہیں، اور اس طرح وہ تحفے جن کے ذریعہ حق اور انصاف سے انحراف لازم آئے وہ بھی حرام ہوں گے، اسی لئے ماہرین کہتے ہیں کہ چیک جتنا کا ہو اتنے کا ہی لے، اس سے زیادہ کا نہ لے، کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا انحراف ہے۔ اسی طرح جو لوگ تحفہ تحائف کو معمولی قیمت دے کر خریدنے کا عمل کرتے ہیں۔ یا چیک کو زائد قیمت پر فروخت کرتے ہیں۔ ان کا یہ عمل حلال نہیں ہے اسی طرح لگان یا پیداوار کی ادائیگی کے وقت اس کے عوض دینے والا کوئی دوات، چھری، یا اسی قسم کی کوئی معمولی چیز بھی دیتا ہے۔ یہ حلال نہیں ہے۔ کیونکہ جب قرض لینا اور عاریت پر کوئی چیز لینا حرام ہے، تو اس کا لینا بھی بدرجہ اولیٰ حرام ہے۔[1]

اسی طرح جن حصص کی قیمت چکائی نہیں گئی، ان کا منافع دینا بھی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ صرف اس لئے دیا جا رہا ہے تاکہ اس کے عوض کوئی مصلحت یا غرض پوری کی جاسکے اور یہ چیز درپردہ رشوت ہے۔ جو رشوت لینے کے لئے بطور حیلہ اختیار کی گئی ہے، جبکہ ایسا کرنے والے پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔ اسی لئے میری نظر

---

[1] حاشیہ ابن عابدین ج۵ ص۲۰۲۔

میں جو کوئی اس قسم کی روش اپناتا ہے ۔ وہ اس سے کہیں زیادہ عذاب کا مستحق ہو گا ، جتنا رشوت لینے والا ، رشوت دینے والا ، اور نام نہاد رشوت کا واسطہ بننے والا اس کا مستحق ہوتا ہے ۔ اس لئے بھی کہ ان کی حیثیت حیلہ گر اور چارہ ساز یہودیوں کی سی ہے جنہوں نے شریعت الہیہ کے خلاف تدبیریں کیں ، اور اس سے کون انکار کر سکتا ہے ۔ کہ جو کوئی کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے ۔ اس کا شمار انہیں لوگوں میں ہوتا ہے ۔

تیسرا مطلب: واسطہ بننا اور وجاہت کی وجہ سے دخل اندازی کرنا ،

واسطہ بننے کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ با اختیار اور صاحب اقتدار ہوں ان کے اور ضرورت مندوں کے درمیان ، سفارش کے لئے دوڑ دھوپ کرنا ، اور ان کی ضرورتوں کی تکمیل یا حاجت روائی کے لئے سفارشی بن کر آنا جانا ، ـــــ !

واسطہ یا سفارشی بننے کی دو قسم ہے ۔ ایک وہ جو لائق تعریف اور بہتر ہے ، اس قسم کی سفارش مستحب اور پسندیدہ ہے ۔ یہ وہ سفارش ہے ۔ جو عوام کی خدمت انجام دینے اور خدا کو خوش رکھنے کے لئے کی جاتی ہے ۔ یا ایسے کسی کام کی سفارش کے طور پر انجام پاتی ہے جس میں اللہ کی کوئی نافرمانی نہ کی گئی ہو ۔ نہ اس کی کسی حد کو پامال کیا گیا ہو اور نہ کسی حقدار کے حق کو مجروح کیا گیا ہو ۔

نیک سفارشات کی مثال وہ بھی ہے ۔ جس میں غریبوں کو صدقہ اور خیرات دینے کے لئے مالداروں کو ترغیب دی جائے مصیبت زدہ لوگوں کی امداد و اعانت کی جائے حاجتمندوں کی حاجت روائی کی جائے ، بالخصوص جن لوگوں کا حق ان تک نہ پہونچ سکے ، ان کی مدد کی جائے ، نیک سفارشات کی ایک بہتر صورت یہ بھی ہے کہ قرض داروں کے

قرضجات میں تخفیف کے لئے کوشش کی جائے، قرض سے اس کو بری الذمہ قرار دیا جائے یا اس کے قرض کو ادا کر دیا جائے،

بہرکیف: مباح اور جائز ضرورتمندوں کے لئے سفارش کرنا مستحب ہے، خواہ یہ سفارش کسی سلطان، والی مملکت، منصب دار، یا عام ملازمین کے پاس کی جائے اسی طرح ان سفارشات کی نوعیت خواہ دفع ظلم کے لئے ہو۔ کسی تعزیر کے ازالے کے لئے ہو۔ یا کسی محتاج کے لئے مخصوص داد و دہش ہو، یا ایسا کوئی کام ہو۔ جس کو والی اور ملازمین انجام دینے کا خصوصی اختیار رکھتے ہوں، یا اس قسم کی ثالثی عام افراد کے سامنے کی جائے، اور مقصد قرض میں تخفیف یا اس سے سبکدوشی ہو، یا کسی کام میں سہولت پیش نظر ہو۔ یا کسی خاص کام کی انجام دہی مقصود ہو[1]۔

اس سفارش کے مستحب ہونے کی دلیل حسب ذیل ہے۔

۱: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا (نساء ۵۸) — جو کوئی کسی بات کی سفارش کرے گا، اس کو اس کے ثواب میں سے ایک حصہ ملیگا۔

استدلال کی وجہ

دین کے اندر حسن سفارشات کی اجازت ہے۔ ان کے انجام دینے پر اس شخص کو اجر اور ثواب ملے گا۔ جس سفارش کے اندر ثواب ہوتا ہے۔ اس کا انجام دینا بھی مستحب ہے۔ لہٰذا یہ سفارش بھی مستحب ہوگی، حضرت مجاہد، حسن، اور ابن زید رحمہم اللہ کا قول ہے، یہ سفارشات لوگوں کے باہمی امور سے متعلق ہے۔ جو وہ اپنی ضروریات کی بابت ایک

---

[1] صحیح مسلم بشرح نووی ص ۱۷۷ ج ۱۶،

دوسرے کے ساتھ کرتے ہیں[1]

آیت کا سیاق وسباق اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ چنانچہ پس منظر میں عام مومنین کو جنگ کے لئے ترغیب دی گئی، اور سستی اور کاہلی کرنے والوں کو نصیحت کی گئی، پھر اللہ تعالیٰ نے سفارش کا عام ضابطہ پیش فرمایا۔ اس کے علاوہ یہ آیتیں، ہدایت، پند و موعظت اور تعاون پر مبنی ہیں۔ بنا بریں جو شخص دلیر ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنے مرنے کے لئے دوسروں کو آمادہ کرتا ہے، اس دعوت میں اس کا بھی حصہ ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں عمومی حیثیت اور بنیادی بات ہر نیک سفارش کے اندر ہوتی ہے۔ اور قرآن پاک کا مخصوص اسلوب یہی ہے کہ مخصوص حالات سے عام ضابطے پیدا کرتا ہے، جزوی واقعات سے قاعدہ کلیہ وضع کرتا ہے۔ اور انفرادی احوال کا سرا اسی عام ضابطہ سے جوڑ دیتا ہے۔[2]

۲:۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے شیخین (بخاری ومسلم) نے یہ روایت کی ہے۔ الفاظ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں کہ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی ضرورت مند آتا، تو آپ حاضرین صحابہ کی طرف متوجہ ہوتے۔ اور فرماتے۔

اِشْفَعُوا فَلْتُؤجَرُوا وَلْيَقْضِ اللّٰهُ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّهٖ مَا اَحَبَّ : سفارش کیا کرو، تمہیں اس کا اجر ملے گا، اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان سے وہی کچھ نکلواتا

---

[1] الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ج ۵ ص ۲۹۵، تفسیر الطبری ج ۸ ص ۵۸۱، احکام القرآن لابن عربی ج ۱ ص ۴۶۳، [2] فی ظلال القرآن ج ۵ ص ۱۴۴ صحیح مسلم بشرح النووی ج ۱۶ ص ۱۷۷، فتح الباری ج ۱۲ ص ۵۹۔

ہے۔ جو وہ پسند فرماتا ہے[1]

؎ ؎ ؎

استدلال کی وجہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سفارش کا حکم فرمایا، اس کے لئے ترغیب دلائی، اور یہ بتایا کہ سفارش کرنے پر اجر ملا کرتا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سفارش کرنا مستحب ہے، لیکن اس حدیث سے عام سفارش کی اجازت نہیں ملتی بلکہ خاص خاص سفارشات کی اجازت ہی دستیاب ہوتی ہے۔ چنانچہ سب سے پہلی بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ نیک سفارشات کرنا جائز ہے، جس کی شریعت اجازت دیتی ہے۔ اور جن سفارشات کی اجازت نہیں، ان کا کرنا بھی جائز نہیں، قرآن پاک سے یہی معلوم ہوتا ہے[2]۔

۳۔ حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے کہا تھا؛ لَا تَشْفَعْ فِي حَدٍّ "یعنی کسی حد کے سلسلے میں سفارش مت کرو" اور اسامہ جب کسی کی سفارش کرتے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو قبول فرماتے تھے، اس روایت کو ابن سعد نے ذکر کیا۔

استدلال کی وجہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ کو حدود کے سلسلے میں سفارش کرنے سے منع فرما دیا، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ غیر حدود میں سفارش کی جا سکتی ہے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سفارشات کو سماعت فرمانا، ان کے جائز ہونے کی دلیل ہے۔

۴۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں فرماتے ہیں: (میرے والد) عبداللہ

---

[1] فتح الباری شرح صحیح البخاری ص ۵۹ ج ۱۳،

[2] فتح الباری شرح صحیح البخاری ص ۱۰۰ ج ۱۵۔

(احد میں) شہید ہو گئے، انہوں نے کچھ اولاد چھوڑی اور کچھ قرض ادا کرنے کے لئے چھوڑا میں نے قرض خواہوں سے کچھ قرض معاف کرنے کی درخواست کی، انہوں نے قبول نہیں کیا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، میں نے ان کی بابت آپ سے سفارش کرائی، مگر انہوں نے نہیں مانا، تب آپ نے فرمایا: کہ تم اپنے چھوہاروں کی ہر ہر قسم کو الگ الگ رکھنا عذق ابن زید الگ، لین الگ، اور عجوہ الگ رکھنا، پھر ان لوگوں کو حاضر کرنا یہاں تک کہ میں تمہارے پاس آجاؤں، میں نے ایسا ہی کیا پھر آپ تشریف لائے، اور وہاں بیٹھ گئے اور ہر شخص کو آپ نے ناپ کر دینا شروع کیا، یہاں تک کہ آپ نے پورا پورا قرض ادا کر دیا، اور کھجور اتنی ہی رہی، جیسے ان کو چھوا بھی نہیں گیا، اس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے[1]

استدلال کی وجہ

حضرت جابر کا سفارش کے لئے آپ کے پاس آنا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ کی سفارش قبول کرنا سفارش کے جائز ہونے کی علامت ہے۔

۵ - دارقطنی نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً یہ روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اِشْفَعُوْا مَا لَمْ يَصِلْ اِلَى الْوَالِي — معاملہ جب تک حاکم تک نہ پہونچے تم سفارش کردو۔[2]

استدلال کی وجہ

حد کے سلسلے میں مقدمہ جب تک حاکم کی عدالت میں نہ پہونچے اس کی سفارش کا حکم دینا اس کی دلیل ہے کہ اس قسم کی سفارش کی اجازت ہے، بشرطیکہ اس کے اندر

---

[1] فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۴۴

[2] نیل الاوطار ج ۷ ص ۱۱۴

معصیت نہ ہو،

۶:۔ ترمذی کے علاوہ محدثین کی ایک جماعت نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے مسجد میں حضرت کعب بن حدرد رضی اللہ عنہ سے اپنے قرض کا مطالبہ کیا، یہ قرض پہلے سے ان کے ذمہ باقی تھا، دونوں کی آوازیں بلند ہونے لگیں، یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں رہتے ہوئے ان کی آوازیں سن لیں، آپ حجرہ کا پردہ اٹھا کر باہر تشریف لائے۔ آپ نے پکارا کعب! (بن مالک)! انہوں نے جواب دیا، اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں حاضر ہوں. آپ نے فرمایا: تم اپنا کچھ قرض کم کر دو، آپ نے آدھے کا اشارہ کیا۔ انہوں نے جواب دیا، اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے کم کر دیا، پھر آپ نے ان (ابن حدرد) کو اشارہ کیا کہ اٹھو اور جا کر اس کا قرض ادا کر دو [1]

استدلال کی وجہ

آپ نے دونوں فریق کے درمیان ثالثی اختیار فرمائی، پھر قرض خواہ سے یہ چاہا کہ وہ قرض میں کچھ کر دے، اسی طرح قرض دار کو جلد ادائیگی کے لئے کہا، اس سے بھی سفارش کے جواز کا پتہ چلتا ہے۔

پھر اس روایت سے اس قسم کی سفارش کا جواز ہی نہیں بلکہ اس کے مستحب ہونے کا بھی علم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم فرمایا، اور اس سفارش کو کو مکرر قبول فرمایا، نیز اس لئے بھی کہ سفارش کرنے والے کو اس کی سفارشات پر اجر [2] ملتا ہے،

---

[1] نیل الاوطار ج ۸ ص ۲۸۷، [2] الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۲۹۵،
فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۱۲ ص ۵۹،

اور اس کا یہ ثواب اس وقت تک جاری ہوتا ہے، جب تک اس سفارش کا فائدہ شخص مذکور ہی کو حاصل ہوتا ہے[1]، آیت شریفہ، اور حضرت موسیٰ رضی کی روایت سے یہی ثابت ہوتا ہے، علاوہ ازیں اگر سفارش کرنے والے کی سفارش قبول نہ بھی کی جائے تب بھی وا اجر و ثواب سے محروم نہیں ہوتا، اس لئے کہ قرآن پاک میں یہ ارشاد ہے کہ "مَنْ يَّشْفَعْ" جس نے سفارش کی، یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ "مَنْ يُّشَفَّعْ" جس کی سفارش قبول کی جائے[2]

ثالث بننے کی دوسری قسم

ثالث بننے کی دوسری قسم ناپسندیدہ اور حرام ہے۔ جیسے رشوت ستانی کے لئے، کسی دنیاوی غرض کے لئے یا گناہ کے کسی کام کے لئے[3] ثالث بننا حد واجب ہونے کے بعد اس کے دفعیہ کے لئے ثالث بننا[4] کسی باطل کام کی تکمیل یا دوسرے حقدار کو اس کے حق سے محروم کر دینے کے لئے ثالث بنا جو شخص آگے کئے جانے کے لائق نہیں اس کو مقدم کرنے کے لئے ثالث بننا جو موخر کئے جانے کے لائق نہیں، اس کے حق کو پیچھے ڈالنے کے لئے ثالث بننا، یا اس کو سرے سے محروم کر دینے کے لئے ثالث بننا وغیرہ[5] یہ ثالثی اس لئے حرام ہے کہ اس سے امت اور جملہ افراد کا مفاد مجروح ہوتا ہے، اور نافرمانی عام ہوتی ہے، جبکہ شریعت نے ہرگز اس کی اجازت نہیں دی ہے۔

اس نوعیت کی ثالثی حرام ہونے کی دلیلیں حسب ذیل ہیں۔

۱:۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

---

[1] تفسیر الطبری ج ۸ ص ۵۸۱ [2] الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ج ۵ ص ۲۹۵

[3] مجلۃ الوعی الاسلامی شمارہ ۱۲۳ ص ۸۳ [4] احکام القرآن لابن العربی ج ۱ ص ۶۲

[5] صحیح مسلم بشرح النووی ج ۱۶ ص ۱۷۷،

وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا (نساء : ۸۵)

اور جو شخص بری بات کی سفارش کرے، تو اس (کے عذاب) میں اس کا حصہ ہوگا۔ اور اللہ ہر چیز پر قدرت والا ہے۔

استدلال کی وجہ

اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس نوعیت کی ثالثی کرنے والا جھوٹا ہوتا ہے۔ اور گناہ ایسے ہی کاموں پر ہوتا ہے، جو حرام ہوں، اس لئے بری سفارش حرام ہوگی۔

۲:۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے، فرماتی ہیں کہ: قریش کو اس مخزومی عورت کے معاملہ نے سخت اضطراب میں مبتلا کر رکھا تھا، جس نے چوری کرلی تھی، انہوں نے آپس میں طے کیا کہ اس معاملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی نہیں جو حضور سے کچھ کہنے کی جسارت کر سکتا ہے، بالآخر حضرت اسامہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لب کشائی کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَتَشْفَعُ فِیْ حَدٍّ مِّنْ حُدُوْدِ اللّٰہِ وَاَیْمُ اللّٰہِ لَوْ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ یَدَھَا"

کیا تم اللہ کی ایک حد میں سفارش کر رہے ہو، خدا کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بھی چوری کی ہوتی، تو میں اس کا بھی ہاتھ کٹوا دیتا۔

÷ ÷ ÷

استدلال کی وجہ

حدود کے سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت اسامہ کی سفارش سے انکار کرنا اس کے ناجائز ہونے کی دلیل ہے۔ اس لئے کہ شریعت نے ان امور کی سفارش کی کسی صورت

له تلخیص از فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۱۵ ص ۹۴

نہیں دی ہے ۔

۳ :۔ حضرت ابن سعد نے حضرت علی بن ابو طالب کرم اللہ وجہہ سے نقل کیا ہے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے کہا تھا ،

لَا تَشْفَعْ فِی حَدٍّ[1] " - کسی حد کے بارے میں سفارش مت کرو ۔

استدلال کی وجہ

حد کے سلسلے میں حضور کا سفارش سے منع کرنا ، اس معاملے میں سفارش کے حرام ہونے کی دلیل ہے ۔ لیکن یہ حکم اسی میں ہے ۔ جب کہ مقدمہ والی کے سامنے پیش ہو جائے ، اس لئے کہ دار قطنی نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ

اِشْفَعُوْا مَا لَمْ یَصِلْ اِلَی الْوَالِی — جب تک معاملہ والی کے سامنے پیش نہ ہو ۔

فَاِذَا وَصَلَ اِلَی الْوَالِی فَعَفَا — اس وقت تک سفارش کرو ، اور جب والی

فَلَا عَفَا اللّٰہُ عَنْہُ ، — تک بات پہونچ جائے ، اور وہ معاف کر دے ،

تو خدا اسے ہرگز معاف نہیں کرے گا ،

÷ ÷ ÷

طبرانی نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

اِذَا بَلَغَ الْحَدُّ الْاِمَامَ فَلَعَنَ اللّٰہُ — جب حد کا مقدمہ امام کے سامنے پیش ہو جائے

الشَّافِعَ وَالْمُشَفَّعَ .[2] — تو سفارش کرنے والے اور سفارش سننے والے

دونوں پر خدا کی لعنت ہو ۔

÷ ÷ ÷ ÷

۴ :۔ امام احمد اور ابو داؤد رحمہما اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

---

[1] ایضاً ، ج ۱۵ صـ۱۰ ، [2] نیل الاوطار جـ۷ صـ۱۱۱ ،

مَنْ حَالَتْ شَفَاعَتُهٗ دُوْنَ حَدٍّ مِّنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ فَهُوَ مُضَادٌّ لِلّٰهِ فِيْ اَمْرِهٖ [۱]

جس کی سفارش اللہ کی کسی حد کے بیچ میں ہو جائے، وہ امرِ الٰہی میں اللہ کا مدمقابل بن جارہا ہے۔!

استدلال کی وجہ

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حدود الٰہیہ میں سفارش کرنے والے کو حکم خدا میں مدمقابل بننے والا قرار دیا ہے۔ حالانکہ خدا کا مقابل بننا حرام ہے۔ اس لئے حدود میں سفارش کرنا بھی حرام ہوگا۔ اور خدا کی کسی بھی معصیت میں سفارش کرنے والے کا حکم ہوگا

گذشتہ سطروں سے پتہ چلا کہ آیت کریمہ اس سفارش کے گناہ کو واضح کرتی ہے، جس کی سفارش سے حرام کام کا راستہ کھلتا ہے، اور وہ جھوٹ فساد گناہوں سے گراں بار ہوتا ہے کیونکہ وہ دستور ساز حقیقی سے بغاوت کا مرتکب ہوتا ہے۔ اور یہ سب چیزیں ہمیں اس بات کی طرف آمادہ کرتی ہیں کہ ہم واسطہ اور ثالث بننے کو اپنے کاموں کی انجام دہی اور اس میں پیدا کرنے کا ذریعہ نہ بنائیں ہمیں اپنے خویش واقارب اور دوستوں کے اکرام کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے کے کاموں میں ہم بگاڑ پیدا کر دیں۔ بلکہ لوگوں کی بنیادی ضرورتوں کا پورا کرنا بھی وقت کی ایک ضرورت ہوتی ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی سچائی کے ساتھ کاموں اور ذمہ داریوں کی انجام دہی کی توفیق بخشے، تو ہم اور بہتیرے افراد اپنی ذمہ داریوں کو انجام دے لیں۔ لیکن جب ذمہ دار افراد اپنی ذمہ داریوں کو پوری کرنے میں سستی سے کام لیتے ہیں۔ تو لوگ بے چین ہو کر چلا اٹھتے ہیں۔ اور دائیں بائیں ایسے لوگوں کی جستجو کرتے ہیں، جو عہدیداروں کے پاس

---

[۱] نیل الاوطار ج ۷ ص ۱۱۳، ۱۴۳۔ [۲] نیل الاوطار ج ۷ ص ۱۱۳۔

ان کی سفارش کریں، ان کی ضرورتوں اور مشکلات کو حل کرنے کے لئے درمیانی کڑی بننے کا کام کریں۔

جس شخص کے لئے کسی کام کی سفارش کسی عہدیدار کے سامنے کی جاتی ہے، آخر اس عہدیدار کو اس کا کام کرنے کے لئے کون سی چیز اکساتی ہے۔ یہ غیروں کی سفارشات ہی تو ہوتی ہیں، انہیں چیزوں کے ذریعہ عہدیدار کے اوپر وزن پڑتا ہے، اور حاجت مند آدمی کو قوت اور طاقت آجاتی ہے۔ جس سے سفارش سے پیشتر وہ محروم تھا، عہدیدار اس دباؤ اور وزن سے اسی لئے متاثر ہوا ہے کہ پہلے سے وہ لوگوں کی حاجتوں اور باری تعالیٰ کی اس کے اوپر نگرانی سے غافل تھا، وہ بھول گیا تھا کہ ہر گھڑی ہر آن، اور ہر نشیب و فراز پر باری تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔

بہتیرے حاجتمند ایسے بھی ہیں جو درمیان کی ان کڑیوں اور بیچ کے ان سفارشیوں تک رسائی نہیں پاتے، ان کی اس کوتاہ دستی اور محرومی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے مفاد مجروح ہوتے ہیں، یا ان کے کام معطل ہو کر رہ جاتے ہیں، پھر اگر خدا کو منظور ہوتا ہے تو وہ ان کے سامنے مقصد برآری کی کوئی صورت پیدا فرماتا ہے، ہم سفارش کرنے والوں کو سر دست کچھ کہنا نہیں چاہتے۔ بلکہ اگر وہ ہمدردی اور دوسروں کی رہنمائی کے لئے کوشاں ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ انہیں ضرور اجر دے گا۔ لیکن ہم نہایت صفائی کے ساتھ ان عہدیداروں سے کہیں گے، جن کے پاس سفارشات اس لئے پہونچتی ہیں، کہ پہلے سے وہ اپنے کاموں میں غفلت اور لاپرواہی برتتے ہیں۔ اور جب وہ ڈیوٹی پر پہونچتے ہیں تو یہ بھول جاتے ہیں کہ ان کے پروردگار کی ان پر کڑی نگرانی ہے۔ اور خدا ہمہ وقت انہیں دیکھ رہا ہے،

ہم دوبارہ عرض کریں گے کہ اگر ہم نے صدق احساس، جذبہ اخلاص، اور دردمندی سے اپنی ڈیوٹی کو پورا کیا، سب سے پہلے خدا کے سامنے پھر اپنے حکام کے سامنے

جواب دہی کے دلی احساس کے ساتھ اگر ہم نے اپنے فرائض کو انجام دینا شروع کیا، تو کوئی حاجتمند درمیان کی ان چھپی ہوئی کڑیوں کو ڈھونڈنے کے لئے نہیں نکلے گا، نہ ہی کوئی سفارشی بڑھ کر کسی عہدیدار کے سامنے اس لئے سفارش کرتا پھرے گا۔ کہ اس کے پسندیدہ آدمی کا کام چل پڑے، اور پھر سفارشات اور کاناپھوسی کا وہ رواج نہ ہوگا۔ جس سے آج ہم چاروں طرف سے اس طرح بندھے ہوئے ہیں۔ جیسے ہم اور ہمارے عہدیداران سفارشات کے گروی ہیں۔ اور ان کے بغیر ایک قدم آگے بڑھانا ہمارے لئے ممکن نہیں ہے۔

مسئلہ

کسی عہدہ کے حصول کے لئے سفارش کرنا یا کسی منصب کو سفارش کے ذریعہ طلب کرنا حلال نہیں ہے[1]۔ اور جس شخص کو سفارش کے ذریعہ عہدۂ قضاء ملے اور وہ کسی اختلافی مسئلہ میں اپنا فیصلہ نافذ کرے، پھر وہ مقدمہ کسی اور قاضی کی عدالت میں پیش ہو، تو اگر اس قاضی کی رائے سے یہ مسئلہ میل کھاتا ہو۔ تو اسے چاہئے کہ اسکو نافذ کر دے، اور اگر اس کی رائے کے خلاف ہو۔ تو اسے قلمزد اور باطل قرار دے، جیسے ثالث کے فیصلہ[2] کا بھی یہی حکم ہے۔ اور اصح یہ ہے کہ جو شخص بذریعہ سفارش منصب قضاء پر فائز ہو۔ اور جو کسی سفارش کے بغیر محض اپنی صوابدید پر قاضی بنے، اجتہادی مسائل میں ہر دو کے فیصلے نافذ العمل ہوں گے[3]۔

---

[1] فتح القدیر ج ۵ ص ۴۵۵ [2] الفتاوی الہندیہ ج ۳ ص ۳۱۲، جامع الفصولین لمحمود بن اسرائیل ج ۱ ص ۱۳، معین الحکام فیما تردد بین الخصمین من الاحکام لعلاء الدین الطرابلسی ص ۹

[3] ایضاً، فتح القدیر ج ۵ ص ۴۵۵۔

گزشتہ سطروں سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ثالث بننا رشوت کی طرح نہیں، کیونکہ ثالث بننے والے کے لئے یہ عمل حرام نہیں ہے، نہ ہی جس کے سامنے ثالثی پیش ہوا سکو اس کا سننا ضروری ہے، بلکہ اگر کسی مباح عمل کے لئے ثالثی کی جائے، تو ثالث اور جس کے سامنے ثالثی کی جائے، ہر دو فرد خدا کے نزدیک ماجور ہوں گے، بشرطیکہ سفارش پر بخوبی عمل کیا جائے،

رہی حرام سفارش تو وہ بھی رشوت کے حکم میں نہیں، اس لئے کہ رشوت کی تعریف اور اس کے اجزاء اس پر صادق نہیں آتے، البتہ اس کی حرمت دوسری ایسی دلیلوں سے ضرور ثابت ہے۔ جو رشوت کو حرام کرنے والی سابقہ دلیلوں کے علاوہ ہیں۔

باب دوم

رشوت کے احکام

اس باب میں تین فصلیں ہیں۔

پہلی فصل :- رشوت کی حرمت، اور کتاب وسنت اور اجماع امت سے اس کی دلیلیں،

دوسری فصل :- جرم رشوت کو ثابت کرنے کے طریقے،

تیسری فصل :- مرتشی، راشی، اور درمیانی شخص کی تعزیر، اور اس کی دلیلیں، میری نظر میں یہ تعزیر مال، قید، کوڑے، ملازمت سے برطرفی، یا ان حقوق سے محرومی کی شکل میں ہوگی، جسے حکومت نے ان افراد کو مہیا کر رکھا ہے۔ نیز ان میں سے ہر ایک کے دلائل، مختلف اقوال، اختلافات، ترجیح، اور دوبارہ رشوت لینے کے وقت ان میں سے ہر ایک کی سزائیں،

❖ ❖ ❖ ❖

باب دوم

رشوت کے احکام

اس باب میں تین فصلیں ہیں۔

پہلی فصل) رشوت کی حرمت ، اور کتاب و سنت اور اجماع امت سے اس حکم کی دلیلیں

مقدمہ

شریعت مطہرہ لوگوں کے اموال کی حفاظت کو شدت سے چاہتی ہے ۔ اور رشوت ستانی جیسے حرام اور باطل طریقے سے کسی کا مال کھانے سے سختی سے منع کرتی ہے ۔ رشوت یہ ہے کہ مال صاحب اقتدار یا سرکاری ملازم کو پیش کیا جائے ، تاکہ وہ اس کے حق میں یا اس کے حریف کے خلاف فیصلہ کرے ، یا اس کا کام کردے ، یا اس کے حریف کے کام کو ٹال دے وغیرہ ،

اسلام نے حکام اور اس کے معاونین کے لئے رشوت ستانی کو حرام ٹھہرایا ہے ، نہ رشوت دینے کی اجازت ہے ۔ نہ ہی اس کو قبول کرنے کی اجازت ہے ، اسی طرح دونوں کے درمیان واسطہ بننا بھی ممنوع ہے ۔

رشوت ستانی کی یہ حرمت اور اس گناہ میں شریک ہونے والوں کے بارے میں اسلام کے سخت احکام قابل تعجب نہیں ہیں ۔ کیونکہ کسی بھی سماج میں رشوت کا عام ہونا

ظلم وفساد کے عام ہونے کے مترادف ہے۔ رشوت دے کر خلاف حق فیصلے کئے جاتے ہیں۔ اور جس کا کام بعد میں ہونا چاہئے، اس کا پہلے، اور جس کا پہلے ہونا چاہئے اس کا کام بعد میں کیا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مسلم سماج میں فرائض کی انجام دہی کی اسپرٹ پیدا ہونے کے بجائے مفاد پرستی کی اسپرٹ پیدا ہوتی ہے۔[1]

رشوت کا حکم

رشوت حرام ہے۔ حاکم، قاضی، ملازم، یا جو عہدیدار کوئی کام کرتا ہے، اس کو کسی قسم کی مالی حرص کے بغیر اپنا فرض منصبی انجام دینا چاہئے، اور جس طرح رشوت لینے والے کا فعل حرام ہے، رشوت دینے اور واسطہ بننے کا فعل بھی سراسر حرام ہے۔

کتاب وسنت اور اجماع امت سے اس کی حرمت کی دلیلیں

(۱) کتاب اللہ کے دلائل

الف ـ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَآ إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ (بقرہ: ۱۸۸)	اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ مال کو حاکموں کے پاس (رشوت کے طور پر) پہونچاؤ کہ لوگوں کے مال میں تھوڑا بہت (جو کچھ ہاتھ لگے) اس کو جان بوجھ کر ناجائز طور پر کھا جاؤ۔

---

[1] الحلال والحرام فی الاسلام صفحہ ۳۲۰، ۳۲۱۔

استدلال کی وجہ

اس آیت شریفہ میں باطل طریقہ سے لوگوں کا مال کھانے سے ممانعت وارد ہے باطل طریقہ سے مال کھانے کی ایک صورت یہی رشوت ستانی ہے۔ جس کے ذریعہ حکام کو انصاف کے راستے سے برگشتہ کیا جاتا ہے۔ کسی چیز سے مخالفت اس کی حرمت کو چاہتی ہے، لہٰذا رشوت بھی حرام ہے۔

اس آیت کی مزید تفسیر اور وضاحت کے لئے تفسیر کی کتابوں سے چند اقتباسات اور پیش کئے جاتے ہیں۔

آیت میں درج "مال کھانے" سے مراد مال کا چھیننا اور اس پر قبضہ جمانا ہے۔ چھیننے کیلئے "کھانے" کے لفظ کا استعمال اسی لئے کیا گیا، کہ خرچ کئے جانے کی عام اور اکثریت سے استعمال کئے جانے کی یہی صورت ہے، کہ اس کو کھا لیا جائے پھر اس لئے بھی کہ کھالینا زندگی کی اہم اور بنیادی ضرورتوں میں سے ہے۔ اور باطل طریقے سے کھانے کا مفہوم یہی ہے کہ حقیقی طریقے کے بجائے غلط طریقہ سے اس کو ہڑپ کیا جائے۔ شریعت مال کھانے کے ہر ایسے طریقے کو حرام قرار دیتی ہے۔ جو غیر معتبر ہو۔ اور کسی ناقابل لحاظ[1] چیز کے عوض اس کا لین دین ہوا ہو۔ اور اگر اس طریقہ سے مال کا دینے والا رضامندی کا جھوٹا مظاہرہ بھی کرے تب بھی اس کا شمار رشوت[2] میں ہوگا، اور اگر دینے والے کی رضا شامل نہ رہی، یا غیر حقیقی اور غیر مفید[3] جگہ اس کو خرچ کیا، کہ اللہ نے اس کا کھانا[4] مباح قرار نہیں دیا۔ تب بھی اس کا شمار حرام میں ہوگا، اور اللہ نے "آپس میں ایک

---

[1] تفسیر مراغی ص ۸۰ ج ۲، تفسیر المنار ص ۱۹۵ ج ۲ [2] تفسیر القرطبی ص ۳۳۸ ج ۲،
[3] تفسیر مراغی ص ۸۰ ج ۲ تفسیر منار ص ۱۹۵ ج ۲، [4] تفسیر طبری ص ۱۰۶ ج ۲

دوسرے کا مال " اس لئے کہا تاکہ امت کی وحدت کا احساس رکھا جائے، باہمی تعاون اور مشترکہ ذمہ داری کا تصور عام ہو، اور دلوں میں یہ یقین اجاگر ہو کہ غیروں کے مال کا احترام اور ان کی حفاظت کرنا ایسا ہے، جیسے اپنے مال کا احترام کیا، اور اس کی حفاظت کی اور اگر دوسرے کے مال پر دست درازی کی، یا اس کو غصب کیا تو یہ پوری امت کے مال پر ظلم و زیادتی کے مساوی ہوگا، جس کا وہ خود ایک فرد اور شجر امت کی ایک ڈال ہے۔ اور جس سماج میں ایسا کوئی گناہ عام ہوگا، اس کے اثرات سے وہ خود بھی محفوظ نہیں رہ سکے گا، کیونکہ یہ امر مسلم ہے کہ جتنی بے باکی سے وہ دوسروں کا مال کھائے گا، دوسرے اتنا ہی بے ڈر ہو کر اور طاقت پا کر اس کا مال ہڑپ کرنے کے درپے ہونگے، اور حکام کو رشوت کی شکل میں مال دینا انہیں باطل طریقہ سے مال کھلانا ہے[1] ۔ " وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ "....الخ کی تفسیر یہی ہے کہ حکام کو راہ سے بے راہ کرنے اور انصاف سے ہٹانے کے لئے انہیں مال نہ کھلاؤ، نہ ہی اپنا کام نکالنے کے لئے انہیں رشوت دو[2]۔

آیت میں درج " با " خالص الصاق کے لئے ہے۔ ابن عطیہ کہتے ہیں کہ یہ قول ترجیح کے لائق ہے، کیونکہ بیشتر حکام پر رشوت ستانی کا شبہ ہوتا ہے۔ ہاں وہ لوگ محفوظ ہیں۔ جنھیں اللہ تعالیٰ بچا لیتا ہے۔ لیکن ان کی تعداد بہت کم ہے۔ علاوہ ازیں ہر دو لفظوں میں گہری مناسبت ہے۔ اس لئے کہ " تدلوا " ارسال دلو " سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی ڈول ڈالنے کے ہیں۔ اور " رشوۃ " رشا سے بنا ہے۔ (یعنی ڈول کی رسی) گویا اس رسی کے ذریعہ ڈول کو اس لئے ڈالا جاتا ہے۔ تاکہ اس کی حاجت[3] اور ضرورت

---

[1] تفسیر مراغی ص ۸۱ ج ۲ تفسیر منار ص ۱۹۵ ج ۲ [2] تفسیر مراغی ص ۸۱ ج ۲، تفسیر منار ص ۱۹۵ ج ۲ تفسیر قرطبی ص ۳۴۰ ج ۱۲ [3] تفسیر قرطبی ص ۳۴۰ ج ۲

پوری کی جا سکے ۔ !

(ب) ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ (مائدہ : ۴۱)

(اے پیغمبر!) یہ لوگ جھوٹی باتیں بنانے کے لئے جاسوسی کرنے والے ، (اور رشوت کا) حرام مال کھانے والے ہیں ۔

استدلال کی وجہ

اس آیت میں یہود کی مذمت کی گئی ، اس لئے کہ وہ جھوٹی باتیں سنتے ہیں ، جھوٹی گواہی دیتے ہیں ، اور حرام مال کھاتے ہیں ، ان تین چیزوں کی مذمت ان کی حرمت کو چاہتی ہے کیونکہ حرام کھانا ان کے اندر پیوست ہوتا ہے ، رشوت بھی حرام کمائی میں داخل ہے ، اس لئے رشوت کا لین دین حرام ہے ۔ یہ لعنت یہودیوں میں بڑی حد تک پھیلی ہوئی تھی ، یہی قوم یہود کا طریقہ تھا ، ان کی زندگی اسی ڈگر پر گھومتی تھی کہ وہ فیصلوں میں انصاف کے راستے سے گریز کرتے تھے ، ان کے اندر رشوت کا عام رواج پڑ چکا تھا ۔ اس کی وجہ سے ان کے معاملات بگڑ چکے تھے ، عفت اور پاکدامنی کے بجائے حرص و ہوس اور لالچ کا ہر طرف دور دورہ تھا ، اور یہود اور سرداران یہود رشوت اور حرام چیزوں کے رسیا تھے ، کمینہ پن اور بیحیائی ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی ، اور جس لعنت میں قوم یہود مبتلا تھی ، بگاڑ اور پستی کے دنوں میں کم و بیش ہر قوم کا یہی انجام ہوتا ہے ۔ آج بھی گاہے گاہے یہود کی زیر ملکیت عالمی کمپنیوں کی بابت ہم آئے دن سنا کرتے ہیں کہ ان کے اعلیٰ حکام دنیا میں پھیلے ہوئے بڑے بڑے عہدیداروں اور بیوپاریوں کو طرح طرح سے رشوت دیتے ہیں ، ان کے منہ روپیوں سے اس لئے بند

تفسیر مراغی ج ۶ ص ۱۲۰ ، تفسیر منار ج ۶ ص ۳۹۳ ،

کرتے ہیں، تاکہ عالمی ضمیر میں فساد آئے، گرے ہوئے اور نکمے طریقہ سے ان کی تیار مصنوعات کا رواج ہو، اور مارکیٹ اور عالمی منڈی ان کے ہاتھ سے نکلنے نہ پائے، اور یہودیوں کی اس اندرونی سرشت اور فطرت جان لینے کے بعد کہ وہ دیگر اقوام اور ساری دنیا کے عوام کے اخلاق اور ان کے کردار کو بگاڑ کر رکھ دینا چاہتے ہیں۔ اسی لئے وہ اس قسم کی گھناؤنی اور ناپاک سازشوں میں روزمرہ لگے رہتے ہیں، پھر ہمیں ان پر کوئی حیرت نہیں ہوتی۔

حضرت حسن سے نقل ہے کہ: بنی اسرائیل کے حکام کا یہ حال تھا کہ فریقین میں سے کوئی جب ان کے پاس آتا، تو رشوت کو اپنی آستین میں رکھ لیتا، اور حاکم کی توجہ آستین کی طرف مبذول کرتا، پھر اپنی ضرورت کا اظہار کرتا، حاکم رشوت پر فریفتہ ہو کر اس کی طرف اس طرح مائل ہوتا تھا کہ اس کی باتیں سنتا تھا، اور اس کے فریق کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تھا۔ اس طرح یہ حکام رشوت کھاتے تھے، اور جھوٹی باتیں سنتے تھے[1]،

یہ ایک رہی، پھر رشوت مال حرام کی ایک قسم ہے[2]۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے،

---

[1] تفسیر کشاف للزمخشری ج ۱ ص ۶۱۴۔

[2] سحت یعنی سحت حرام مال جس کا حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ برکت کو ختم کر دیتا ہے۔ سحت ہر وہ حرام مال ہے جس کا ذکر کرنا بھی برا معلوم ہو، یا ایسی کمائی جو حرام اور بری ہو، جس کا ذکر شرمناک ہو، اور اس کا بیان کرنا بھی ناقابل بیان ہو اسحت الشیئ یعنی اس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا، اور بگاڑ دیا، سحت بہت زیادہ کھانے پینے کو بھی کہا جاتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں۔ رجل مسحوت الجوف والمعدة شره: بہت زیادہ کھانے والا آدمی جس کی سب سے بڑی حرص والی چیز خود اس کا معدہ ہے۔ مسوت: وہ شخص جس کا معدہ انواع و اقسام کے کھانوں کا حریص ہو، جو کبھی آسودہ نہ ہوتا ہو۔ (تاج العروس)

جس کو ابن جریر نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كُلُّ لَحْمٍ اَنْبَتَہٗ السُّحْتُ فَالنَّارُ اَوْلٰى بِہٖ۔ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَمَا — جو پارہ گوشت سحت سے پروان چڑھے، دوزخ کی آگ اس کے لئے زیادہ موزوں ہے، عرض

گزشتہ سے پیوستہ ":- صہ ۵۵۱ ج ۱، تہذیب اللغۃ صہ ۲۸۶ ج ۴) سحت کی اصل کلب الجوع ہے۔ یعنی کتے کی سی شدید بھوک، کہا جاتا ہے۔ فلانٌ مسحوت المعدۃ اذا کان اکولا لا یلفی ابدا الا جائعًا۔ فلاں بھوکا پیٹ ہے، جتنا زیادہ کھاتا ہے، اس کے باوجود اس کا پیٹ نہیں بھرتا، رشوت کو سحت اس کے ساتھ تشبیہ کی غرض سے کہا جاتا ہے۔ گویا رشوت خور رشوت لے کر اتنا حریص ہوتا ہے کہ اس کی رشوت کی بھوک نہیں مٹتی، جیسے بہت زیادہ حریص اور لالچی آدمی کی بار بار کھانے کے باوجود بھوک نہیں مٹا کرتی، (جامع البیان للطبری صہ ۱۵۶ ج ۶ والجامع لاحکام القرآن للقرطبی صہ ۱۸۲ ج ۶) اس طرح غور کریں تو معلوم ہوگا کہ سحت اور رشوت میں کلی مناسبت پائی جاتی ہے۔ اور رشوت اسی کا جزء ہے کیونکہ سحت اس حرام اور گھٹیا کو کہتے ہیں، جس کے اندر برکت نہیں ہوتی۔ اس کے لینے والے کے اندر مروت اور شرافت کا دور دور تک پتہ نہیں ہوتا، اس کے حصول میں ننگ اور عار پنہاں ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے لینے والا اس کو چھپائے چھپائے پھرتا ہے۔ اور یہ سبھی جانتے ہیں کہ رشوت کا حال یہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رشوت حرام ہے"

(تفسیر القاسمی صہ ۱۹۹۲ ج ۶)

÷ ÷ ÷ ÷ ÷

السُّحتُ؟ قَالَ الرِّشْوَةُ فِي الحُكمِ ۔	کیا گیا ، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سحت کیا ہے : آپ نے فرمایا : فیصلہ دینے میں رشوت لینا ۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : رِشْوَةُ الحَاکِمِ مِنَ السُّحتِ : حاکم کا رشوت لینا سحت ہے ۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : قرض وغیرہ میں رشوت لینا سحت ہے ؟

ابن خویز منداد نے کہا ہے ، سحت یہ ہے کہ آدمی اپنے جاہ و مرتبے کی آڑ میں لوگوں کا مال کھائے ، اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص کو بادشاہ کے دربار میں رسوخ حاصل ہو ، اب اگر اس سے کوئی شخص کسی قسم کی حاجت طلب کرے تو وہ رشوت طلب کرے ، اور رشوت کے بغیر اس کا کام پورا نہ کرے ، اور اسلاف صالحین کا اس پر اتفاق ہے کہ حق کو ناحق اور جائز کو ناجائز ثابت کرنے کے لئے رشوت لینا حرام ہے ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ

اَلسُّحتُ الرِّشْوَةُ [1]	" سحت رشوت ہے "

ابن قدامہ نے مغنی میں کہا ہے کہ : حسن اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ نے باری تعالیٰ کے ارشاد " اَکّٰلُوْنَ لِلسُّحتِ " کی تعریف میں کہا ہے کہ " سحت رشوت ہے " نیز انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر قاضی رشوت قبول کرے تو وہ کفر کا مرتکب [2] ہوتا ہے ، کیونکہ اللہ نے

---

[1] الجامع لاحکام القرآن للقرطبي ص ۱۸۳ ج ۶ [2] المغنی والشرح الکبیر ص ۴۳۸ ج ۱۱ الاحکام السلطانیہ لابی یعلیٰ ص ۵۶ نیل الاوطار للشوکانی ص ۲۷۲ ج ۸ ، جامع البیان للطبری ص ۱۵۵ ج ۶ ، تفسیر القاسمی ص ۱۹۹۲ ج ۶ الزاد فی فقہ احمد ص ۸۸۹

جو حکم جس طرح اتارا ہے ۔ یہ اس کی خلاف ورزی کے درپے ہے ، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ،
وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (مائدہ ۴۴) اور (یاد رکھو) جو لوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دیں، تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔
گذشتہ روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ سحت ، رشوت سے عام ہے ۔ اور اس قول کے معارض ان لوگوں کا قول نہیں ہو سکتا ، جنہوں نے سحت کی وضاحت ، دین میں رشوت ، فیصلہ میں رشوت ، یا اس سے متعلق رشوت مراد لی ہے ۔ انہوں نے درحقیقت آیت کے شان نزول کے لحاظ سے آیت کی تفسیر کی ہے ۔ کیونکہ یہ آیت علماء یہود اور اس قوم کے رؤسا اور سرداروں کے بارے میں نازل ہوئی ، ان مفسرین نے عام لغوی معنیٰ[1] مراد نہیں لیا ہے ۔

بہرکیف رشوت لینے والا رشوت ستانی کے ساتھ ساتھ ایک اور جرم کرتا ہے ، یعنی جھوٹی باتوں کو بنفس نفیس سماعت کرتا ہے ۔ پھر اس کے بارے میں فیصلہ صادر کرتا ہے ۔ آیت کریمہ نے اسی کی وضاحت کی ہے کہ "رشوت لینے والا رشوت دینے والے کی جھوٹی باتیں سنتا اور اس طرح سنتا ہے ۔ جیسے وہ صحیح اور سچی باتیں ہیں ۔ اسی طرح رشوت دینے والے کی جھوٹی گواہیاں سنتا ہے ، جو وہ سچی گواہی کے مقابلہ میں پیش کرتا ہے ۔
ابوبکر حصاص رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں : اس آیت کی تفسیر کرنے والے جملہ مفسرین متفق ہیں کہ " رشوت ستانی حرام ہے ۔ نیز اس پر بھی ان کا اتفاق ہے کہ یہ بھی اس سحت میں شامل ہے ۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار[2] دیا ہے ۔

---

[1] تفسیر المنار ص ۳۹۳ ج ۶ قدرے تصرف کے ساتھ ۔
[2] احکام القرآن للجصاص ص ۸۵ ج ۴ ،

ج ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ	اور تم دیکھو گے کہ ان میں اکثر گناہ اور زیادتی
فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ	اور حرام مال کے کھانے کی طرف جھپٹتے ہیں ۔
السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ	بہت بُرے کام ہیں جو یہ کر رہے ہیں ، بھلا
لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ	ان کے مشائخ اور علماء انہیں گناہ کی بات
عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ	کہنے اور حرام مال کھانے سے کیوں نہیں روکتے
السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ	(یقیناً) یہ لوگ بہت ہی برا کرتے ہیں ۔ (مائدہ : ۶۲ ، ۶۳)

استدلال کی وجہ

یہود کی بدکرداری ، اور حرام کھانے پر اللہ نے ان کی شدید مذمت فرمائی ، رشوت حرام کھانے کی ایک قسم ہے نیز اللہ نے ان کی اس لئے بھی مذمت فرمائی کہ اس خرابی کو انہوں نے بدل کر اس کی جگہ خوبی کو رواج نہیں دیا ، کسی فعل پر زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ کرنا اس کے حرام قرار دیئے جانے کی دلیل ہے ۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ رشوت حرام ہے ۔

۲ ۔ سنت سے دلیلیں

۱ ۔ امام ترمذی ، احمد اور ابن حبان رحمہم اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور امام ابو داؤد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے ۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : فیصلہ کرنے کے سلسلے میں رشوت لینے اور دینے والے پر اللہ نے لعنت فرمائی ہے ۔[1]

---

[1] جامع الاصول من احادیث الرسول ص۵۴۸ ج۱۰ ، کنز العمال ص۶۰ ج۶ ، فتح العلام ص۳۲۰ ج۲

بزار اور ابو یعلیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت لینے اور رشوت دینے والے پر لعنت فرمائی ہے[۱]

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ[۲] سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت لینے رشوت دینے، اور واسطہ بننے والے پر لعنت فرمائی ہے، واسطہ یعنی جو دونوں کے درمیان لین دین کے لئے کوشاں ہوتا ہے[۳]۔

استدلال کی وجہ

لعنت، رحمت خداوندی سے دوری اور مہجوری کو کہتے ہیں، اور یہ دوری

گزشتہ سے پیوستہ ،، کشاف القناع عن متن الاقناع ص ۳۱۶ ج ۶، الاحکام السلطانیہ لابی یعلیٰ ص ۵۶، نیل الاوطار ص ۲۶۷ ج ۸، الفتح الربانی لترتیب مسند الامام احمد بن حنبل الشیبانی ص ۲۱۲ ج ۱۵، الزوائد فی فقہ احمد ص ۸۹، احکام القرآن للجصاص ص ۸۵ ج ۴،

[۱] مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ص ۱۹۹ ج ۴، کنز العمال ص ۶۰ ج ۶،

[۲] اس روایت کو احمد اور طبرانی نے کبیر میں نقل کیا، حاکم نے اس کی تخریج کی، اس کی سند میں لیث بن ابی سلیم ایک راوی ہے، بزار نے کہا کہ یہ روایت اس کے تفردات میں سے ہے۔ ملاحظہ ہو کنز العمال ص ۵۷ ج ۶، نیل الاوطار ص ۲۶۷ ج ۸، الفتح الربانی ص ۲۱۳ ج ۱۵،

[۳] مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ص ۱۹۸ ج ۴، کنز العمال ص ۵۷ ج ۶، نیل الاوطار ص ۲۶۷ ج ۸ الحلال والحرام فی الاسلام للقرضاوی ص ۳۲۱ الفتح الربانی ص ۲۱۳ ج ۱۵، احکام القرآن للجصاص ص ۸۵ ج ۴،

اور مجبوری کسی بڑی نافرمانی میں ہوا کرتی ہے ۔ اس سے ثابت ہوا کہ رشوت بھی خداوند عالم کی زبردست نافرمانی کرنا ہے ، اس لئے وہ بھی حرام ہے ۔

(ب) امام ترمذی نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے : فرماتے ہیں کہ : اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یمن روانہ فرمایا ، جب میں روانہ ہوا ، تو آپ نے ایک شخص کو مجھے واپس بلانے کے لئے بھیجا ، وہ شخص میرے پیچھے پیچھے میرے پاس آیا ، میں لوٹ کر آپ کے پاس آیا ، آپ نے دریافت فرمایا : تم جانتے ہو ، میں نے تمہیں کیوں واپس بلایا ہے ؟ (میں نے اس لئے تمہیں واپس بلایا ہے کہ) میری اجازت کے بغیر کوئی چیز ہرگز نہ لینا ، ورنہ وہ خیانت ہوگی ، (پھر آپ نے یہ آیت پڑھی) وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ[1] ، (جو شخص خیانت کرے گا ۔ قیامت کے دن اپنی خیانت سمیت حاضر ہوگا ۔ میں نے یہی کہنے کے لئے تمہیں واپس بلوایا ہے ، اچھا اب اپنے کام کے لئے روانہ ہو جاؤ — !

استدلال کی وجہ

امام کی اجازت کے بغیر کوئی چیز لینا غلول ، اور خیانت ہے ۔ چونکہ رشوت بھی امام کی مرضی کے بغیر ہی لی جاتی ہے ۔ اس لئے وہ بھی غلول اور خیانت میں شمار ہوگی ، اور یہ دونوں چیزیں حرام ہیں ، لہٰذا رشوت لینا بھی حرام ہے ۔

ج :۔ بزار نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا ، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

اَلرَّاشِيْ وَالْمُرْتَشِيْ فِي النَّارِ[2] رشوت لینے اور دینے والے دونوں جہنمی ہیں ۔

---

[1] جامع الاصول من احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ص ۵۴۹ ج ۱۰ [2] مجمع الزوائد

طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے اور انہوں[1] نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا کہ آپ نے فرمایا:

لَعَنَ اللّٰهُ[2] الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ ۔ رشوت لینے اور دینے والے پر اللہ نے لعنت فرمائی ہے۔

د۔ طبرانی نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

لَعَنَ اللّٰهُ[3] الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ فِي الْحُكْمِ ۔ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کے سلسلے میں رشوت لینے اور دینے والے پر لعنت فرمائی ہے،

استدلال کی وجہ

لعنت اور آتش دوزخ میں پڑنے کا استحقاق حرام کام میں پڑجانے کی وجہ سے ہے۔ اس لئے رشوت لامحالہ حرام ہے۔

ھ۔ طبرانی نے حضرت علیم سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم ایک چھت پر بیٹھے ہوئے

گذشتہ سے پیوستہ " ومنبع الفوائد، الھامش الاتی ص ۱۹۹ ج ۴، الاحکام السلطانیہ لابی یعلیٰ ص ۵٦ ۔

[1] ابن حبان طبرانی۔ دارقطنی، ترمذی نے کہا، دارمی نے اس کو قوی بتایا ہے ... الخ اس کی سند پر بھی طعن نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہ ابو داؤد نے کہا ہے۔ حدثنا احمد بن یونس ...... ملاحظہ ہو [5]۔

[2] مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ص ۱۹۹ ج ۴، کنز العمال ص ۵۷ ج ٦، نیل الاوطار ص ۲۷٦ ج ۸، عون المعبود شرح سنن ابی داؤد ص ۴۹۵ ج ۹، الفتح الربانی لترتیب مسند احمد بن حنبل الشیبانی لاحمد البنا، ص ۲۱۳ ج ۱۵،

[3] مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ص ۱۹۹ ج ۴،

تھے، اور ہمارے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک صحابی بھی بیٹھے ہوئے تھے، علیم کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ وہ صحابی عبس غفاری کے علاوہ کوئی اور تھے ۔ !

ان دنوں حال یہ تھا کہ طاعون کی وجہ سے لوگ بھاگے جا رہے تھے، اتنے میں عبس نے کہا: اے طاعون! تو مجھے بھی آلے! انہوں نے یہ جملہ تین بار کہا: علیم نے کہا: آپ یہ کیوں کہتے ہیں، کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں نہیں فرمایا ہے کہ تم میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے، اس لئے کہ جس دن جس کا کام تمام ہوگا ۔ موت آپ اسے آلے گی، اور اس کو کوئی لوٹا نہیں سکتا، نہ رضامندی کا پھر کوئی موقعہ مل سکتا ہے ۔ انہوں نے جواب میں کہا: میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے، چھ چیزوں سے پہلے ہی موت کی خواہش کر لو، بیوقوفوں کی امارت قائم ہونے سے پہلے، فیصلے بیچ دیئے جانے سے پہلے، خون کو حقیر جاننے سے پہلے، قطع رحمی سے پہلے، اور ایسے نت نئے گروہوں[1] کے وجود میں آنے سے پہلے جو قرآن پاک کو بانسری بنالیں گے، اور ایسے آدمیوں کو آگے بڑھائیں گے، جو ان میں زیادہ سوجھ بوجھ والا، زیادہ جانکار، اور زیادہ افضل نہیں[2] ہوں گے ۔

استدلال کی وجہ

فیصلہ بیچ دیئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ رشوت دے کر منصب پر تقرر کیا جائے ۔

اور ان چھ چیزوں میں سے ایک جن سے بھاگ کر بچ نکلنا چاہیئے، خواہ ان سے تجارت کے لئے موت کی تمنا کیوں نہ کی جائے، حالانکہ موت کی تمنا سے بھی منع کیا گیا ہے ظاہر ہے،

---

[1] یعنی نوخیز گروہ، النہایہ فی غریب الحدیث ج ۵ ص ۵۱ ۔

[2] مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج ۴ ص ۱۹۹ ۔

اس نوعیت کا قرار کسی ایسے ہی کام سے گریز کی صورت میں ہوگا، جو حرام ہے۔ اس لحاظ سے بھی رشوت حرام ہے۔

و۔ طبرانی نے اوسط میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: میری اس تھیلی میں ایک ایسی روایت ہے کہ اگر میں اسے تمہارے سامنے بیان کردوں تو تم مجھے سنگسار کر ڈالو، پھر آپ نے فرمایا: خدایا! مجھے (سن) ساٹھ کے پہلے سال میں نہ پہونچانا، کسی نے عرض کیا، ساٹھ کا پہلا سال کیا؟ انہوں نے فرمایا: جب چھوٹے بچوں کی امارت قائم ہوگی، فیصلے بیچ دیئے جائیں گے، کثرت سے شرطیں لگائی جائیں گی، جان پہچان کی وجہ سے گواہی دی جائے گی، لوگ امانت کو مال غنیمت سمجھیں گے، صدقہ اور خیرات کو تاوان سمجھیں گے، اور ایسا گروہ پیدا ہوگا۔ جو قرآن کریم کو بانسری بنا ڈالے گا۔ حماد کہتے ہیں میں سمجھتا ہوں انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ: خون کو حقیر سمجھا[1] جائے گا،

استدلال کی وجہ

فیصلہ بیچنا، اور رشوت لینا ان امور سے ہے۔ جن سے پناہ مانگی گئی ہے، معنوی طور پر یہاں بھی انہیں چیزوں سے پناہ طلب کی گئی ہے۔ اور پناہ مانگنا کسی حرام کام سے ہی ہوا کرتا ہے، اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ رشوت حرام ہے۔

ز۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ میں، اور امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے ذوی الزوائد سے اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا۔

خُذُوا الْعَطَاءَ مَا دَامَ عَطَاءً۔ فَإِذَا تَجَاحَفَتْ[2] قُرَيْشٌ بَيْنَهُمَا الْمُلْكَ — تم عطیہ اس وقت تک قبول کرو، جب تک کہ وہ عطیہ ہو۔ اور جب قریش بادشاہی کے معاملہ

---

[1] ایضاً   [2] تجاحفت، لاٹھی اور تلوار سے لڑنا،

وَصَارَ الْعَطَاءُ رِشًا عَنْ دِيْنِكُمْ فَدَعُوْهُ — میں باہم لڑنے لگیں ، اور عطیہ تمہارے دین کے لحاظ سے رشوت بن جائے تو اس کو چھوڑ دو ، [1]

استدلال کی وجہ

عطیہ رشوت کے درجہ میں پہونچ جائے تو اس سے ممانعت وارد ہے ، یہ ممانعت حرمت کو چاہتی ہے ، اس لئے رشوت حرام ہے ۔

ح ۔ ابن جریر نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے ، اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا :۔

كُلُّ لَحْمٍ اَنْبَتَهُ السُّحْتُ فَالنَّارُ اَوْلٰى بِهٖ . قِيْلَ وَمَا السُّحْتُ ؟ قَالَ الرِّشْوَةُ فِي الْحُكْمِ ، [2] — جو گوشت حرام سے پیدا ہوگا ، اس کے لئے دوزخ کی آگ زیادہ لائق ہوگی ، کسی نے عرض کیا ، سحت کیا ہے ؟ آپ نے فرمایا : فیصلہ کرنے میں رشوت دینا

استدلال کی وجہ

حضور علیہ السلام نے رشوت کو سحت کی ایک قسم بتایا ، اور رشوت کھانے والے کو آتش دوزخ کی وعید سنائی ۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ حرام کے ارتکاب پر ہی وعید سنائی جاتی ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ رشوت حرام ہے ۔

ط ۔ عبد الرزاق اور ابو سعید نقاش نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لَعَنَ اللّٰهُ الْاٰكِلَ وَالْمُطْعِمَ الرِّشْوَةَ — اللہ نے رشوت کھانے اور کھلانے والے پر لعنت کی [3]

---

[1] کنز العمال ص ۵۷ ج ۶ [2] کنز العمال ص ۶۰ ج ۶ ، الجامع لاحکام القرآن ص ۱۸۳ ج ۶ [3] کنز العمال ص ۶۰ ج ۶ ،

ی - حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ اَخَذَ الرِّشْوَةَ فِي الْحُكْمِ كَانَتْ سِتْرًا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ[1] — جس نے فیصلہ کے لئے رشوت لی وہ رشوت اس کے اور جنت کے درمیان حائل ہوجائے گی،

الی آخر الحدیث او ما فی معناہ

استدلال کی وجہ

مذکورہ بالا دونوں روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے رشوت کھانے اور کھلانے والے کو سخت وعید سنائی ہے۔ اور وعید کسی حرام کام کے ارتکاب پر ہی سنائی جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رشوت حرام ہے۔

ک - حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، انہوں نے کہا، میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے،

مَا مِنْ قَوْمٍ يَظْهَرُ فِيهِمُ الرِّبَا إِلَّا أُخِذُوا بِالسَّنَةِ وَمَا مِنْ قَوْمٍ يَظْهَرُ فِيهِمُ الرِّشَا إِلَّا أُخِذُوا بِالرُّعْبِ[2] — جس کسی قوم میں سود زیادہ ہوتا ہے وہ لوگ قحط سالی میں گرفتار کئے جاتے ہیں، اور جس قوم میں رشوت ستانی عام ہوجاتی ہے۔ انہیں مرعوبیت میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔

---

[1] کنز العمال ص ج ۶، [2] احمد نے اس کو روایت کیا ہے۔ احمد البناء نے فتح ربانی میں کہنا ہے، امام احمد کے سوا کسی اور کی روایت سے میں واقف نہیں، نیز اس کی سند میں موسیٰ بن داؤد ایک راوی ہے۔ جس کی بابت امام ذہبی نے کہا ہے، کہ ابن لہیعہ اور محمد بن راشد سے اس کا منقول ہونا مجہول ہے۔ اور اگر وہ مکحول ہے تو نسائی نے کہا ہے کہ روایت قوی نہیں ہے۔ یا اگر وہ شامی ہے تو ازدی نے اس کو منکر کہا ہے۔ الخ ....

حاشیہ جاری ہے

استدلال کی وجہ

مشکلات اور تکالیف کا نزول حرام کاری میں پھنسنے کی وجہ سے ہی ہوا کرتا ہے، جس سے گریز نہایت ضروری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مصیبتوں کی ایک علت یہ بتائی ان کے اندر رشوت ستانی عام ہوگی، اس سے ثابت ہوا کہ رشوت لینا حرام ہے۔

رشوت حرام ہونے کے بارے میں صحابہ و تابعین کی صراحتیں

۱ - اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو یہود کے پاس بھیجا، تاکہ کھجوروں کی پیداوار میں خراج کی مقدار کو جاکر وہ الگ کرلیں، جب وہاں پہونچے تو یہود نے آپ کے سامنے آپ کے اپنے اخراجات کے لئے کچھ مال پیش کیا حضرت عبداللہ نے ان سے کہا: تم نے جو یہ رشوت میرے سامنے پیش کی ہے۔ یہ "سحت" ہے، ہم سحت نہیں کھایا کرتے[۱]، اس روایت کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا،

استدلال کی وجہ

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے رشوت کو سحت قرار دیا، اور اس کے

گذشتہ سے پیوستہ۔ حافظ نے کہا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے، نیز کہا، یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے۔ لیکن اس کے حق میں بعض شواہد ایسے ہیں، جو حاکم کے نزدیک جید سند کے ساتھ منقول ہیں، ان کے الفاظ یہ ہیں، اور جس قوم میں بے حیائی ہوجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر موت کو مسلط فرمادیتا ہے۔ ۳ حاشیۂ الرہونی ج ۷ ص ۳۱۳، الفتح الربانی لترتیب مسند الامام احمد بن حنبل الشیبانی ج ۱۵ ص ۲۱۲ "۔

[۱] الحلال والحرام فی الاسلام ص ۳۲۴، المسؤلیۃ الجنائیۃ فی الفقہ الاسلامی ص ۷۶۔

کھانے سے باز رہے، یہ اس کی دلیل ہے کہ وہ حرام ہے۔ اس لئے کہ وہ مباح چیز کھانے سے یوں گریز نہیں کر سکتے تھے۔

ب۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کے نام اپنے ایک مکتوب میں فرمایا تھا: "مسلمانوں پر کسی مشرک کو کاتب مقرر نہ کرنا۔ اس لئے کہ وہ اپنے دین کے حساب سے رشوت کھاتے ہیں۔ جبکہ اللہ کے دین میں رشوت[1] کوئی چیز نہیں ہے۔[2]

استدلال کی وجہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ بتانا کہ خدا کے دین میں رشوت کوئی چیز نہیں، اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ وہ حرام ہے، اور آپ کا یہ کہنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے سننے کی بنا پر ہوا، کیونکہ حرمت کا حکم اجتہاد سے نہیں دیا جا سکتا۔

ج۔ طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں، :

---

[1] امام حصیری نے بعض مشائخ کی طرف منقول ان کا یہ فقرہ نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشرک کاتب کو اس کی رشوت ستانی کی عادت کی وجہ سے ناپسندیدہ قرار دیا۔ اور اگر کوئی مشرک کاتب رشوت نہیں لیتا تو وہ اس مسلمان کاتب کے مقابلہ میں بہرحال برداشت کیا جا سکتا ہے، جو رشوت خور ہے۔ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے قول میں اسی مفہوم کی طرف اشارہ ہے، مقصود اس معنیٰ کی وضاحت ہے کہ رشوت ایک قبیح فعل ہے، سخت طعن و تشنیع کئے جانے کے لائق ہے، اور آثار میں یہ بات منقول ہے کہ جس دروازے سے رشوت اندر آتی ہے، اس گھر کے روشن دان سے امانت نکل کر چلی جاتی ہے۔

[2] تعریب السیاسۃ الشرعیۃ فی حقوق الراعی وسعادۃ الرعیۃ صـ۵۲ ،

"فیصلہ میں رشوت کفر ہے۔ اور لوگوں کے درمیان یہ مال حرام ہے"۔[1]

استدلال کی وجہ

قاضی کا رشوت لینا اسے کفر تک پہونچا کر دم لیتا ہے، کیونکہ اس کے بعد وہ حکم خداوندی کے علاوہ فیصلہ کا نفاذ کرتا ہے، اور یہ عوام الناس کے لئے سحت ہے، اور سحت حرام ہے۔ لہٰذا وہ رشوت بھی حرام ہوگی، کیونکہ اس سے قاضی کفر تک پہونچ جاتا ہے۔ اور دوسرے لوگ حرام کے اندر رچا پڑتے ہیں۔

د۔ طبرانی نے حضرت ابن مسعود[2] رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

"رشوت تمہارے دین کے حساب سے سحت ہے"۔[3]

استدلال کی وجہ

جب تک رشوت کا شمار سحت میں ہوگا، وہ حرام ہوگی، اس لئے سحت حرام ہے،

ھ۔ ابن منذر نے حضرت مسروق رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے عرض کیا،

"آپ کی کیا رائے ہے۔ کیا رشوت سحت کے حکم میں ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ وہ کفر ہے"

سحت یہ ہے کہ کسی شخص کو بادشاہ کے نزدیک رسوخ حاصل ہو، اور ایک

---

[1] مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ص ۱۹۹ ج ۴،

[2] طبرانی کی ذکر کردہ حدیث کے راویوں میں ایک صاحب ابو نعیم ہیں، جو غیر معروف ہیں، اگر ان سے مراد فضل بن دکین ہیں، تو وہ ثقہ ہیں، اور اگر ان سے مراد ضرار بن مرد ہے تو وہ ضعیف ہے۔ اور ان دونوں نے سفیان سے روایت کی ہے۔ [3] مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ص ۲۰۰ ج ۴،

اور شخص کو بادشاہ مذکور سے کوئی کام ہو، اب یہ شخص اس دوسرے شخص کے ذریعہ جب تک بادشاہ کے دربار میں کوئی تحفہ نہ دے، اس کا کام پورا نہیں ہو پاتا۔[1]

ف:۔ ابن ابو شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو وائل شقیق ابو سلمہ سے جو ائمہ تابعین سے ہیں۔ نقل کیا ہے کہ قاضی جب تحفہ لیتا ہے۔ تو وہ سحت کھاتا ہے، اور جب رشوت لیتا ہے۔ تو کفر تک پہونچ جاتا ہے۔[2]

استدلال کی وجہ

مذکورہ بالا دونوں روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ رشوت حکم خداوندی کے خلاف تک پہونچاتی ہے۔ اور حکم خداوندی کی خلاف ورزی کفر ہے، اور جو چیز کفر تک پہونچاتی ہے وہ حرام ہے، لہٰذا رشوت بھی حرام ہے۔

ف:۔ ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، اور ابن جریر نے حضرت اعمش بن خیثمہ سے اور انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ کہ آپ نے فرمایا: سحت کے دو دروازے ہیں، اور جو اسے کھاتے ہیں وہ ان دو دروازوں سے اسے کھاتے ہیں، ایک رشوت، دوسرے زانیہ کی اجرت۔[3]

استدلال کی وجہ

معلوم ہوا کہ رشوت، سحت کی ایک قسم ہے۔ اور سحت حرام ہے، لہٰذا رشوت بھی حرام ہوگی۔

---

[1] کنز العمال ص ۹۲ ج ۵، [2] نیل الاوطار ص ۲۷۸ ج ۸، احکام القرآن للجصاص ص ۸۵ ج ۴،

[3] احکام القرآن للجصاص ص ۸۵ ج ۴، کنز العمال ص ۹۲ ج ۵،

۳۔ اجماع کی دلیل

صحابۂ کرام، تابعین عظام اور تبع تابعین کا اس پر اتفاق ہے کہ رشوت کا لینا اس کا دینا، اور اس کے لئے درمیانی پارٹ ادا کرنا سب حرام ہے۔ اور اس سلسلے میں کسی کا اختلاف منقول نہیں، البتہ اختلاف ان امور میں ہے جن میں مجبوری کے تحت یا اس کے علاوہ کسی صورت میں رشوت کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ اور اس سب کا بیان گذر چکا ہے[۱]۔

دوسری فصل

جرم رشوت کو ثابت کرنے کے طریقے

جرم رشوت ایک مالی جرم ہے، اس لئے اس کے ثبوت کے لئے وہ ذرائع ضروری ہیں، جن سے مالی جرائم ثابت ہوتے ہیں۔ میری نظر میں ان جرائم کا ثبوت حسب ذیل ذرائع سے ہوتا ہے۔

۱۔ شہادت کے ذریعہ۔ ۲۔ ملزم کا اعتراف جرم، ۳۔ یقینی قرینہ،

۱۔ شہادت: یعنی گواہی کے ذریعہ، اس کے تین درجے ہیں۔

(الف) دو مردوں کی گواہی (ب) ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی،

---

۱ فتح العلام ص ۳۲۰ ج ۲، نہایۃ المحتاج شرح المنہاج ص ۹۵ ج ۴، نیل الاوطار ص ۲۷۷ ج ۸
سبل السلام ص ۱۶۷ ج ۴، الزوائد فی فقہ احمد ص ۸۸۹، المغنی والشرح الکبیر ص ۴۳۷ ج ۱۱،

ج ـ ایک گواہ اور ایک قسم ۔

الف : دو مردوں کی گواہی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ (بقرہ ۲۸۲)	اور تم اپنے میں سے دو مردوں کو گواہ کرلیا کرو ۔

استدلال کی وجہ

آیت اس بات کی صراحت کرتی ہے کہ قرض کا ثبوت دو گواہوں کے ذریعہ ہو جاتا ہے اور قرض کا تعلق اموال سے ہے ، اور رشوت مالی جرم ہے ، اس لئے اس کا ثبوت بھی انہیں ذرائع سے ہوتا ہے ۔ جن ذرائع سے مال کا ثبوت فراہم ہوتا ہے ۔

ب ۔ ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ (بقرہ ۲۸۲)	پھر اگر دو مرد نہ ہوں ، تو ایک مرد اور دو عورتیں جن کو تم گواہ پسند کرو ، (کافی ہیں)

استدلال کی وجہ

اللہ تعالیٰ نے ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کو مالی مسائل کے تصفیہ کی ایک صورت قرار دیا ہے ۔ اور رشوت بھی مالی نوعیت کا مسئلہ ہے ، اس لئے جس طرح دیگر مسائل

---

[1] کشاف القناع عن متن الاقناع ص ۴۳۲ ج ۶ ، حاشیہ ابن عابدین ص ۴۶۵ ج ۵ ، نہایۃ المحتاج شرح المنہاج ص ۱۳۶ ج ۸ ، حاشیۃ الدسوقی علی شرح الدردیر ص ۲۱۴ ج ۴ ، الطرق الحکمیہ ص ۶۹ ، الجرائم فی الفقہ الاسلامی ص ۲۱۵ ،

کا تصفیہ ہوتا ہے۔ رشوت کا تصفیہ بھی اسی طرح ہوگا،

آیت کا سیاق و سباق بھی اس کے حکم کو مال کے ساتھ جوڑتا ہے۔ اور دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کے ذریعہ اس حکم کے ثابت ہونے[1] پر اجماع منعقد ہے اگر کوئی اعتراض کرے کہ بظاہر قرآن پاک سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرد اور دو عورتیں، دو مرد گواہوں کا بدل ہیں۔ اس لئے دو مرد نہ ہونے کی صورت میں ہی ان دو عورتوں کی گواہی پر فیصلہ صادر ہوگا، ورنہ صادر نہیں ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن پاک سے ایسی کوئی بات ظاہر نہیں ہوتی، قرآن پاک تو دراصل اس حقیقت کو پیش کرتا ہے۔ کہ حقدار اپنے حقوق کی کیونکر حفاظت کریں گے، پھر اللہ تعالیٰ نے حفاظت حقوق کی مضبوط ترین صورت انہیں یہ بتائی کہ دو گواہ کے ذریعہ وہ اپنے حق کو ثابت کریں اور اگر حفاظت کا یہ مضبوط ذریعہ انہیں میسر نہ آئے تو اس سے قدرے کم مضبوط لیکن درست ذریعہ کو استعمال کریں، اور یہ درجہ بندی اسی لئے ہے کہ ایک مرد کی گواہی، دو عورتوں کی بہ نسبت زیادہ قوی اور مضبوط ہوتی ہے ویسے بھی عورتیں حکام کی مجلسوں میں بمشکل جاتی ہیں، پھر مردوں کو جتنی مضبوطی اور پختگی سے باتیں یاد ہوتی ہیں، عورتوں کو اس طرح یاد بھی نہیں ہوتیں، اگر ان میں ایک بھول بھی جائے، تو دوسری کو اسے یاد دلانا پڑتا ہے۔[2]

ج ایک گواہ اور ایک قسم[3]

اس کا ثبوت امام احمد، ترمذی، اور ابن ماجہ سے منقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما

---

[1] کشاف القناع عن متن الاقناع ص۴۲۴ ج۶ [2] الطرق الحکمیہ ص۱۳۱،

[3] نہایۃ المحتاج شرح المنہاج ص۳۴۵ ج۸، حاشیۃ الدسوقی علی شرح الدردیر ص۲۰۴ ج۴، الطرق الحکمیہ ص۱۲۳، کشاف القناع عن متن الاقناع ص۴۳۵ ج۶،

کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "ایک قسم اور ایک گواہ کے ذریعہ فیصلہ صادر فرمایا"۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حق کا استحقاق اس طرح سے بھی ہوجاتا ہے۔ پھر قسم اور گواہ کے ذریعہ حضور کے اس فیصلہ صادر کرنے کو آٹھ صحابہ کرام نے نقل کیا ہے۔ ان میں حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ، ابوہریرہؓ، جابرؓ، عبداللہ بن عمرؓ، اُبیؓ، زید بن ثابتؓ، اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں۔

نیز اس لئے کہ گواہ کے ذریعہ قسم والے کے ہاتھ مضبوط ہوتے ہیں، اور اس کی سچائی ثابت ہوتی ہے جیسے قبضہ والے، اور منکر کی باتیں ان کے مضبوط پہلو کی وجہ سے درست معلوم ہوتی ہیں۔

اور جب اس نوعیت سے فیصلہ کی نوبت آئے، تو یہ ضروری ہے کہ پہلے گواہ کی گواہی لی جائے، پھر قسم کھلائی جائے، یا اس لئے کہ اس کا پہلو مضبوط ہونے کی وجہ سے اس کے لئے قسم کا نفاذ کیا گیا۔ البتہ اس کی تقویت کے لئے گواہ کی گواہی درکار ہوگی۔[۲]

ممکن ہے کوئی یہ اعتراض کرے کہ قسم مدعی کی طرف سے ہوتی ہے۔ اور یہاں رشوت دینے والا ہی مدعی تصور کئے جانے کے لائق ہے، لیکن مشکل یہ ہے کہ مدعی کا دعویٰ درست نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ اس نے ایک ایسی معصیت کا ارتکاب کیا، جس پر قاضی اسے سزا دے سکتا ہے۔ لہٰذا اس قسم سے جرم رشوت کو ثابت کرنا درست نہیں معلوم ہوتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ رشوت دینے والے کا دعویٰ اس طرح تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ وہ یہ کہے کہ اسے رشوت دینے پر مجبور کیا گیا، اور مجبور کئے جانے کا جو طریقہ ممکن تھا، اس پر آزمایا

---

[۱] کشاف القناع عن متن الاقناع ج ۶ ص ۴۳۵، ص ۴۳۶، الطرق الحکمیہ ص ۶۵۔

[۲] کشاف القناع عن متن الاقناع ج ۶ ص ۴۳۵۔

گیا[1]۔ (اس طرح اس کا دعویٰ لائق قبول ہو سکتا ہے)

۲۔ اقرار اور اعتراف کے ذریعے

ملزم (جس پر رشوت کی تہمت عائد ہوتی ہے اس) کے اعتراف[2] اور اقرار کر لینے

---

[1] ایک گواہ اور قسم کے ذریعہ ثابت کرنا اس موضوع پر الطرق الحکمیہ ص ۶۸، ۶۹، میں لکھا ہوا ہے۔ "ابو عبید القاسم بن سلام جو فقیہ، لغوی، اور محدث ہیں، انہوں نے لکھا ہے۔ گواہ اور قسم سے حق ثابت ہوتا ہے۔ اس فیصلہ کو حضور کی پیروی اور آپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہم بھی اختیار کرتے ہیں۔ اور یہ حکم خداوندی کے خلاف نہیں۔ جیسا کہ بعض نے سمجھ لیا ہے۔ اسی طرح اللہ اور اس کے رسول کے فرمان میں کوئی اختلاف بھی نہیں ہے۔ بلکہ اس قسم کی ذہنیت غلط غور و فکر کا نتیجہ ہے، ان لوگوں نے دراصل کتاب اللہ میں یمین کا ذکر نہ پاکر بظاہر اسے حکم خداوندی کے برعکس سمجھ لیا۔ حالانکہ اختلاف اس وقت ہوتا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ قسم سے روک دیتا، اور اس سے منع فرما دیتا، اور اللہ تعالیٰ نے قسم سے منع نہیں فرمایا ہے، قرآن پاک نے حق کے اثبات کے لئے اس قدر کہا کہ "ایک مرد اور دو عورتیں"۔ اتنا کہہ کر قرآن پاک تو خاموش ہو گیا، اس کے آگے سنت نبوی نے وضاحت کی، اور بتا دیا کہ حق کے اثبات کا اور کیا طریقہ ہے؟ اور یہ واقعہ ہے کہ سنت نبوی، کتاب اللہ کی تفسیر اور اس کی ترجمان ہے۔ چنانچہ اکثر احکام کی توضیح اسی طرح کی گئی ہے۔ جیسے: "وارث کے لئے وصیت نہیں"، "شادی شدہ کو سنگسار کر دیا جائے گا"۔ "رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے"۔ وغیرہ پھر گواہ اور قسم کے بارے میں اس قدر تذبذب کی کیا ضرورت ہے؟ بلکہ سچ تو یہ ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ مالیات کے سلسلے میں شہادت کے یہ تین درجے ہیں، ان میں دو کا ذکر کتاب اللہ میں ہے، اور تیسرے کی وضاحت سنت رسول کے ذریعہ کر دی گئی۔

سے بھی یہ جرم ثابت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مکلف اور خود مختار آدمی جس لائق تصور چیز کا خود اعتراف کرتا ہے، اس کی تصدیق کر لی جاتی ہے[1]۔

فیصلہ کن قرینہ

فیصلہ کن اور یقینی قرائن سے بھی مالی جرائم کا ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ کتاب اللہ میں بھی اس کا اعتبار کرنا مذکور ہے۔ جیسا کہ برادران یوسف کی بابت منقول ہے۔

قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِیْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ۔ (یوسف: ۷۵)

(یوسف کے بھائیوں نے) کہا: اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامنے وہ پیالہ نکلے، وہی اس کے بدلہ میں پکڑا جائے۔

سپاہیوں نے یہ ضابطہ بتایا کہ پیمانہ جس کے قبضہ سے نکلے گا۔ اس کے چور ہونے کی وہی دلیل ہوگی، اور وہ بھی اس کے چور ہونے کو اسی صورت میں تسلیم کریں گے، اللہ تعالیٰ نے اس قصہ کو کسی انکار یا اعتراض کے بغیر نقل کر دیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فیصلہ کن ہے۔ نیز امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول حدیث پاک میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب وہ خیبر جانے لگے تو آپ نے ان سے کہا: وہاں جب تم میرے وکیل کے پاس جانا تو اس سے پندرہ وسق (تقریباً ۲۹۴ کوئنٹل) طلب کرنا اور اگر وہ کوئی نشانی طلب کرے، تو اپنا ہاتھ اس کی ہنسلی کی ہڈی پر رکھ دینا ــــ!

گزشتہ سے پیوستہ " اور وہ گواہ اور قسم کا طریقہ ہے۔

[2] کشاف القناع عن متن الاقناع ج۶ ص۳۵۴، حاشیہ ابن عابدین ج۵ ص۵۸۸، الجرائم فی الفقہ الاسلامی ص۲۱۵، الطرق الحکمیہ ص۱۴۲"۔

[1] کشاف القناع عن متن الاقناع ج۶ ص۳۵۴، حاشیہ ابن عابدین ج۵ ص۵۸۸۔

محض علامت کے ذریعہ طلب کرنے والے کو ادائیگی کی یہ ایک لائق اعتماد صورت تھی، اور اس علامت کو ہی گواہ کے طور پر تصور کر لیا تھا[1]۔ قطعی قرینہ اور یقینی ثبوت کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ رشوت لینے والے کو، مقررہ رقم دی جائے، لیکن پہلے سے اس پر نشان لگا دیا جائے یا کرنسی نوٹوں کے نمبر اپنے پاس درج کر لئے جائیں، اور جونہی نوٹ اس کے ہاتھ میں پہونچیں۔ اس پر چھاپہ مار کر انہیں اپنے قبضہ میں لے لیا جائے، اس طرح نشان زدہ نوٹ اس کے قبضہ سے فوری برآمد ہوں گے، لیکن یہ طریقہ قطعی اور سود مند اسی وقت ہوگا جبکہ یقین سے یہ معلوم ہو کہ لینے اور دینے والے کے درمیان پہلے سے کوئی دشمنی نہیں، یا گذشتہ یا موجودہ کوئی مالی لین دین ان کے درمیان نہیں۔ اور رشوت کے علاوہ کسی اور قسم کا مالی لین دین کرنے کے لئے دونوں میں سے کوئی کسی تیسرے کے ایجنٹ یا ہرکلے نہیں ہیں، مثلاً کسی کے مال کی ادائیگی کے لئے دونوں اس کے نائب نہیں۔ جب اس بات کا بخوبی ثبوت فراہم ہوگا کہ ان کے درمیان کسی قسم کا مالی ربط، یا روپیہ پیسہ کا لین دین نہیں ہے، تب اس جرم کے ثبوت کے لئے نشان زدہ نوٹوں کا لین دین ان کے خلاف بطور ثبوت کافی ہوگا۔

---

[1] الطرق الحکمیہ ص ۱۲

تیسری فصل

رشوت لینے دینے والے اور بیچ میں واسطہ بننے والے کی تعزیر اور اس کی دلیلیں

میری نظر میں ـــــ یہ تعزیر حسب ذیل صورتوں سے ہوگی ،

۱ - مالی تعزیر، ۲ - قید کی تعزیر، ۳ - کوڑے مارنے کی تعزیر -

۴ - ملازمت سے برطرفی کی تعزیر .

۵ - ان حقوق اور رعایتوں سے محرومی کی تعزیر جو حکومتیں افراد کو دیتی ہیں ـــ ذیل میں اس بارے میں مختلف اقوال ، اختلافات ، راجح اقوال ، اور دوبارہ رشوت لینے کی سزائیں مفصلاً ذکر کی جاتی ہیں . راقم بتوفیق خداوندی عرض پرداز ہے .

اس میں شک نہیں کہ شارع علیہ السلام نے جرم رشوت کے ارتکاب پر کوئی مخصوص سزا تجویز نہیں فرمائی ہے . اس لئے اس کی حیثیت تعزیری سزاؤں کی سی ہوگی ، جس کو حاکم ـــ شریعت اسلامی کی روشنی میں ـــ از خود تجویز کرتا ہے . اور اس بات کا بطور خاص لحاظ رکھتا ہے کہ یہ سزائیں ، حالات ، ماحول ، اسباب ، اور مواقع کے اعتبار سے سخت یا نرم حسب ضرورت ہوں . اور مختلف جرائم کی تعزیری سزاؤں کے عین مطابق ہوں .

جرم رشوت کے ارتکاب پر تعزیری سزا اس لئے عائد ہوتی ہے کہ اس کا مرتکب اسلامی احکام کی خلاف ورزی اور خدا کی نافرمانی کا گناہ کرتا ہے . اور یہ وہ گناہ ہے جو شخص مذکور کو ایسی سخت سزا کا مستحق قرار دیتا ہے ، جس سے وہ جرم سے باز آجائے ، اور اس کی گندگی

سے سماج محفوظ رہے، اس گناہ پر اس لئے بھی سزا دینا ضروری ہے کہ اس کا شمار ان ناگوار ترین چیزوں میں ہے، جسے سماج سے کھرچ کر دور کیا جانا ضروری ہے، چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"

مَنْ رَاٰی مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ[1] (مسلم، ترمذی، نسائی، احمد)

تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے دور کرے۔

ان حالات میں ہاتھ یعنی طاقت سے دور کرنے کی ذمہ داری سب سے زیادہ حکومت کے کاندھوں پر عائد ہوتی ہے۔ اس لئے کہ حکومت ہی اس خرابی کے ازالے کے لئے مناسب سزا وضع کر سکتی ہے۔

مالی تعزیر

مالی تعزیر ایک مالیاتی جرمانہ ہے، جس کے جواز کی بابت علماء کے دو مختلف قول ہیں۔

اول: مال کے ذریعہ تعزیر جائز نہیں ہے[2]۔ یہ قول امام ابوحنیفہ، محمد[3]، امام شافعی کا جدید مذہب[4]، بعض مالی تعزیر کے سلسلے میں حنابلہ[5] کی ایک روایت، اور امام مالک[6] رحمۃ اللہ علیہم کا قول ہے۔

---

[1] المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی، مادہ۔ نکر۔

[2] صحیح مسلم بشرح النووی ج ۵ ص ۱۵۳، سبل السلام ج ۲ ص ۹۴ ج ۱۲ ص ۱۵۰، نیل الاوطار ج ۴ ص ۱۳۵، التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ ص ۳۲۴۔

[3] رد المحتار علی الدر المختار ج ۳ ص ۱۸۵، التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ ص ۳۲۴

[4] نہایۃ المحتاج شرح المنہاج ج ۷ ص ۱۷۴ [5] المغنی مع الشرح الکبیر ج ۱۰ ص ۳۴۸،

ان لوگوں کے دلائل حسب ذیل ہیں :۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (نساء : ۲۹)[1]

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر نہ کھایا کرو۔

۲۔ نیز فرمایا :۔

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ[2] وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ (بقرہ : ۱۸۸)

اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ، اور نہ مال کو حاکموں کے پاس (رشوت کے طور پر) پہنچاؤ۔

استدلال کی وجہ

مال کے ذریعہ سزا دینا لوگوں کا مال باطل طریقہ سے کھانے کے مترادف ہے، اس لئے کہ ان اموال کا مقابل کوئی موجود نہیں، جن کے عوض مال وصول کیا جائے، لہٰذا یہ بھی باطل طریقہ سے مال کھانا ہے، اور باطل طریقہ سے مال کھانے کی کسی بھی صورت میں اجازت نہیں ہے۔

۳۔ امام بخاری امام مسلم اور امام احمد رحمہم اللہ نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں یہ فرمایا تھا۔

إِنَّمَا دِمَاءُكُمْ وَأَمْوَالُكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ[3]

تمہارا خون اور تمہارے اموال تم پر حرام ہیں۔

---

[1] نیل الاوطار صفحہ ۱۴۰ ج ۷،

[2] نیل الاوطار صفحہ ۱۴۰ ج ۷،

[3] سبل السلام صفحہ ۹۹ ج ۳، نیل الاوطار صفحہ ۳۴۹ ج ۲، صفحہ ۱۴۰ ج ۴،

استدلال کی وجہ

پیغمبر علیہ السلام نے مال پر دست درازی کو حرام قرار دیا ہے، اور مالی تعزیر مقرر کرنا مال پر دست درازی کرنے اور اس کو چھین لینے کے مترادف ہے، کیونکہ یہ بھی ناحق لینا ہے۔ اس لئے مالی تعزیر بھی حرام ہوگی،

۴۔ امام احمد، دارقطنی، اور طبرانی نے کبیر میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِيءٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِطِيبٍ مِّنْ نَفْسِهِ۔

مسلمان آدمی کا مال سوائے اس کی دل کی خوشی کے حلال نہیں ہے[1]۔

استدلال کی وجہ

بطور سزا مال لینے سے سزا پانے والے کا جی خوش نہیں ہوتا، لہٰذا ایسی کسی صورت میں مال لینا جائز نہیں، جس میں اس کا جی خوش نہ ہو، اس لئے مال لینے کی سزا بھی جائز نہیں ہے۔

۵۔ اس بات پر اجماع ہے کہ مال لینے کی تعزیر جائز نہیں ہے[2]۔

بحث

پہلی چاروں دلیلوں پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ وہ عام ہیں۔ اور ان کو ان احادیث سے عام کیا گیا ہے۔ جن سے دوسرے فریق نے استدلال کیا ہے۔ رہا اجماع منعقد ہونا تو یہ صحیح نہیں، کیونکہ آئندہ آنے والی وضاحت سے اس کے برعکس ثابت ہوتا ہے۔

---

[1] نیل الاوطار ص ۱۴۰ ج ۴، کنز العمال ص ۲۱۲ ج ۱۰، نیل الاوطار ص ۳۵۵ ج ۵،

[2] حاشیہ عرفۃ الدسوقی علی شرح الدردیر ص ۴۱۶ ج ۴،

دوم :- دوسرا قول یہ ہے کہ " مالی تعزیر جائز ہے"[1] یہ قول امام مالک کا مشہور مسلک ہے ۔ یہی حنابلہ اور امام شافعی کا قدیم قول ہے[2] ، اسی کو خلفاء راشدین اور اکابر صحابہ[3] (رضی اللہ عنہم) نے بطور مذہب اختیار کیا ہے ۔ احناف میں سے امام ابویوسف نے اسی کو اختیار کیا ہے[4] ۔

مالی تعزیر سے متعلق امام ابویوسف کے موقف کی تاویل بعض احناف نے یہ کی ہے کہ اس تعزیر میں حاکم جرمانہ لگا کر رقم وصول کرے گا ۔ اور کچھ دنوں رکا رہے گا ۔ پھر رقم واپس اسی کو لوٹا دے گا ۔ اس طرح اس شخص کو تنبیہ ہو جائے گی ، اور وہ باز آ جائے گا ۔ امام ابویوسف کا یہ مطلب نہیں کہ حاکم اس کو اپنے لئے جمع کرے گا ۔ یا بیت المال میں جمع کرا دے گا ، جیسا کہ ظلم کرتے ہیں ۔ یہ اس لئے بھی جائز نہیں کہ مسلمانوں کا مال کسی شرعی سبب کے بغیر نہیں لیا جا سکتا ، ہاں اگر شخص مذکور کی توبہ سے حاکم بالکل مایوس ہو جائے[5] ، تو اپنی مرضی کے مطابق جہاں چاہے گا ۔ صرف کر دے گا ۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ تاویل بعید از قیاس ہے ، کیونکہ اس طرح تنبیہ نہیں ہو سکتی ، یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ شخص دکھاوے کے لئے توبہ کرے گا ، تاکہ اس کا مال اسے واپس مل جائے ، اور وہ پھر پلٹ کر حسب سابق اسی طرح گناہ میں ملوث رہے گا ۔

اور اس موقع پر مال لینا یا اس کو برباد کر دینا ہی مطلوبہ سرزنش ہے ، اس کی تائید فتح القدیر[6] کی اس عبارت سے ہوتی ہے کہ :" مالی تعزیر اس وقت جائز ہے ، جب قاضی یا

---

[1] فتح الباری شرح صحیح البخاری ص ۹۶ ج ۶ ، نیل الاوطار ص ۲۷۱ ج ۵ ، ص ۱۳۰ ج ۳ [2] نیل الاوطار ص ۱۲۸ ، ۱۲۹ ج ۴ ، الحسبۃ فی الاسلام لابن تیمیہ ص ۱۷ ، التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ ص ۳۲۵ ، کشاف القناع عن متن الاقناع ص ۱۲۵ ج ۶ ، الطرق الحکمیہ ص ۲۲۵ ، [3] الطرق الحکمیہ ص ۲۲۶ ،

[4] رد المحتار علی الدر المختار ص ۶۱ ج ۳ [5] ایضاً ، [6] رد المحتار علی الدر المختار ص ۲۱۲ ج ۴ ،

یا والی کی نظر میں ایسا کرنا مناسب ہو۔ تعزیر کے لائق منجملہ لوگوں میں ایک وہ شخص بھی ہے جو جماعت سے نماز نہیں پڑھتا، تعزیر کے طور پر اس سے مال لینا جائز ہے، اس قول کی بنیاد امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر ہے۔ نیز ان لوگوں نے حسب ذیل روایات سے استدلال کیا ہے۔

۱۔ امام بخاری اور مسلم نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ خیبر کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آگ بھڑکتی ہوئی دیکھی، آپ نے فرمایا: اگ پر کیا پکایا جا رہا ہے۔ لوگوں نے کہا: پالتو گدھوں کا گوشت پک رہا ہے، آپ نے فرمایا۔ ہانڈیاں توڑ دو انھیں انڈیل دو، صحابہ نے عرض کیا، کیا انہیں انڈیل کر ہم انھیں دھو نہ ڈالیں؟ آپ نے فرمایا اچھا دھو ڈالو۔[1]

استدلال کی وجہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے توڑ دینے کا جو حکم فرمایا، یہ ایک قسم کی مالی تعزیر تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مالی تعزیر عائد کرنا درست ہے۔

۲۔ امام ترمذی، دارقطنی، احمد، ابوداؤد اور امام مسلم نے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اپنے زیر پرورش چند یتیموں کے لئے کچھ شراب خریدی ہے، آپ نے فرمایا: شراب بہا دو، اور مٹکے توڑ ڈالو۔[2]

۳۔ امام احمد رحمۃ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] فتح الباری، شرح صحیح البخاری ص ۴۶ ج ۶، صحیح مسلم بشرح النووی ص ۹۳ ج ۱۲، الحسبۃ فی الاسلام لابن تیمیہ ص ۴۱۔

[2] فتح الباری ص ۴۶ ج ۶، نیل الاوطار ص ۲۷۱ ج ۵، الحسبۃ فی الاسلام لابن تیمیہ ص ۴۱،

نے مجھ سے ایک چھری لانے کے لئے کہا، میں نے چھری مہیا کردی، پھر آپ نے اسے تیز کرنے کے لئے کہا، چھری تیز کرلی گئی، پھر آپ نے مجھے چھری دی، اور فرمایا، صبح اسے لے کر میرے پاس آؤ، میں نے ایسا ہی کیا، اگلے روز صبح آپ اپنے اصحاب کو لے کر مدینہ کے بازاروں میں پہونچے، وہاں شام سے لائے گئے شراب کے مشکیزے رکھے ہوئے تھے، آپ نے مجھ سے چھری لی اور وہاں جس قدر مشکیزے تھے، سبھوں کو چاک کردیا، پھر آپ نے مجھے چھری دی، اور اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ وہ میرے (یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہما کے) ساتھ جائیں اور میری مدد کریں، اور مجھے حکم دیا کہ میں پورے بازار میں گھوموں، اور جہاں کہیں شراب کا مشکیزہ دیکھوں، اسے پھاڑ دوں، میں نے حکم کی تعمیل کی اور جو مشکیزہ سامنے آیا، میں نے اسے چاک کر ڈالا[1]۔

سابقہ روایتوں سے استدلال کی وجہ

پیغمبر علیہ السلام نے مٹکے توڑ کر اور مشکیزہ پھاڑ کر شرابیوں کو سزا دی، پھاڑنا اور توڑ دینا مالی سزا ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سزا دی تو اس سے جواز کا پتہ چلتا ہے۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مال کے ذریعہ سزا دینا جائز ہے۔

۴۔ امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ میں نے یہ ارادہ کیا کہ لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں، اور لکڑیاں جمع ہو جائیں، پھر نماز کے لئے اذان کا حکم دوں، چنانچہ اذان کہہ دی جائے، پھر ایک شخص کو امامت کے لئے کہوں، اور خود ایسے لوگوں کے پاس چلا جاؤں، (جو نماز باجماعت میں شریک نہیں ہوئے) اور ان کے گھروں

---

[1] نیل الاوطار ص ۲۷۱ ج ۵، فتح الباری ص ۴۶ ج ۶، الحسبۃ فی الاسلام لابن تیمیہ ص ۴۲،

کو آگ لگا دوں[1]۔ امام احمد کی روایت میں یہ بھی درج ہے کہ اگر گھر میں موجود بال بچوں اور عورتوں کا خیال نہ ہوتا تو میں عشاء کی نماز کھڑی کرا دیتا، اور اپنے نوجوانوں ساتھیوں سے کہدیتا، کہ وہ گھر سمیت تمام چیزوں[2] کو آگ لگا دیں،

استدلال کی وجہ

گھروں کو جلانا مالی سزا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سزا کا ارادہ فرمایا اگر مالی سزا ناجائز ہوتی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز اس کا ارادہ نہ فرماتے[3]۔

۵۔ بہز بن حکیم سے بروایت احمد، اور ان کے باپ اور انہوں نے اپنے دادا سے بروایت نسائی اور ابو داؤد نقل کیا ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ سے یہ کہتے ہوئے سنا، آپ نے فرمایا: ہر چرنے والے چالیس اونٹوں میں ایک بنت لبون ہے۔ اس حساب سے کوئی اونٹ کسی بھی صورت میں کم نہ ہوگا جس نے ثواب کی نیت سے یہ دیا، اسے اجر ملے گا اور جس نے روک رکھا اور نہ دیا، تب بھی میں اس کو وصول کر لوں گا۔ اور اس کے اونٹ کا ایک حصہ ہمارے پروردگار کی طرف سے جدا نہیں کیا جائیگا اس پر عائد ہوگا۔ آل محمد کے لئے اس میں سے کچھ حلال نہیں ہوگا ایک روایت میں اونٹ کے حصہ کے بجائے، مال کا حصہ[4] درج ہے۔

استدلال کی وجہ

زکوٰۃ روک لینے والوں سے اس کے مال کا کچھ حصہ لے لینا مالی سزا ہے۔ پیغمبر علیہ السلام نے اس سزا کو نافذ کیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مالی جرمانہ جائز ہے۔

---

۱ فتح الباری ج ۲ ص ۲۶۹، صحیح مسلم بشرح النووی ج ۵ ص ۱۵۳، نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۳۹، ج ۴ ص ۱۳۹،

۲ نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۳۹ ۳ نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۴۰ قدرے تصرف کے ساتھ،

۴ نیل الاوطار ج ۴ ص ۱۳۵۔ الحسبۃ فی الاسلام لابن تیمیہ ص ۴۱،

۶ - امام ابوداؤد نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تمہیں کوئی ایسا شخص ملے جس نے خیانت کی ہو، تو تم اس کے اسباب کو جلا ڈالو[۱]

۷ - امام ابوداؤد، حاکم اور بیہقی نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر صدیق، اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے خیانت کرنے والے کا مال جلا دیا، اور اسے مارا[۲] -

استدلال کی وجہ

خیانت کرنے والے کا مال جلا دینا مالی سزا ہے - پیغمبر علیہ السلام اور آپ کے بعد دونوں خلیفہ نے اس پر عمل کیا ہے - اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سزا جائز ہے ،

۸ - امام مسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کسی غلام کو مدینہ منورہ کی حرم میں شکار کرتے ہوئے دیکھا، تو اس کا سامان چھین لیا، اور فرمایا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے، جسے تم یہاں شکار کرتے ہوئے پاؤ اس کا سامان چھین لو[۳] -

استدلال کی وجہ

سامان کا چھین لینا مالی جرمانہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا، اس سے ثابت ہوا کہ مالی جرمانہ کرنا جائز ہے -

۹ - امام نسائی اور ابوداؤد حضرت عمرو بن شعیب سے، انہوں نے اپنے والد سے

---

[۱] نیل الاوطار ص ۱۳۹ ج ۴، ص ۳۱۸ ج ۷، [۲] نیل الاوطار ص ۱۳۹ ج ۴، الحسبۃ فی الاسلام لابن تیمیہ ص ۴۲، نیل الاوطار ص ۳۱۸ ج ۷،

[۳] نیل الاوطار ص ۱۳۹ ج ۴،

اور انہوں نے اپنے دادا سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لٹکے ہوئے پھلوں کی بابت پوچھا گیا، آپ نے فرمایا، جو کچھ کسی ضرورتمند نے کھالیا، اور دامن میں نہیں چھپایا اس پر کوئی چیز عائد نہیں، اور جو کچھ لے کر نکلا، اس کا دوگنا جرمانہ اور سزا عائد ہوگی، ایک دوسری روایت میں ہے اسے اس کی دوگنی قیمت اور عبرت ناک سزا ہے۔

عمرو بن شعیب ہی سے منقول ہے کہ میں نے قبیلہ مزنیہ کے ایک شخص کو سنا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رات[1] میں اپنی چراگاہ سے چوری کی گئی بکری کی بابت سوال کر رہا تھا، آپ نے فرمایا: اس پر دوگنی قیمت ہوگی۔ اور اسے عبرت ناک سزا دی جائے گی[2]۔

استدلال کی وجہ

لٹکے ہوئے پھل اور چوری کی گئی بکری کے عوض دوگنا تاوان عائد کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ مالی تاوان جائز ہے۔

۱۰۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت عبدالرحمٰن بن جبیر سے اور انہوں اپنے والد عوف بن مالک سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: ایک حمیری شخص نے دشمن کے ایک آدمی کو مار ڈالا اور اس کا سامان چھین لینا چاہا۔ خالد بن ولید سپہ سالار تھے، آپ نے مقتول کا مال قاتل کو نہ دیا، عوف بن مالک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ عرض کیا، حضور نے خالد سے فرمایا: تم نے مقتول کا سامان اس کو کیوں نہیں دیا۔ خالد نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری نظر میں وہ مال بہت ہے، فرمایا: اس کو دے دو!

---

[1] حریسہ وہ بکری ہے جو چرواہے کے ماتحت چرتی ہو۔ بعض نے کہا: وہ ریوڑ یا قافلہ جسے اپنے ٹھکانے پر پہنچنے سے پہلے رات آلے۔

[2] نیل الاوطار ج ۷ ص ۱۳۴، ج ۴ ص ۱۳۹۔

اس کے بعد خالد عوف کی طرف سے گذرے، عوف نے خالد کی چادر پکڑ کر کھینچی، اور کہا کیا میں نے اپنی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوری نہ کرالی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کانوں میں یہ بات پہونچ گئی، سن کر غضبناک ہو گئے، اور فرمایا: خالد اب نہ دینا.... الخ (اور عوف کی طرف رخ کرکے کہا، تم لوگ میرے حکام کو میرے لئے رہنے نہیں دیتے[1] .... الخ

استدلال کی وجہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتول کا سامان مارنے والے کو دیدینے کا جو حکم صادر فرمایا اس سے ثابت ہوا کہ مارنے والا اس کا مالک بن گیا، لیکن جب حضرت خالد کو طعنہ دے کر اذیت پہونچائی گئی، تو آپ نے حضرت خالد سے کہدیا کہ اسے سامان نہ دو۔ اپنے امیر کو ستانے کی وجہ سے ستانے والے کو سامان سے محروم کردینا ایک سزا تھی: اس سے ثابت ہوا کہ مالی جرمانہ کرنا جائز ہے۔

۱۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو زرد رنگ میں رنگی ہوئی دونوں چادروں کو جلادینے کا حکم فرمایا: انہوں نے عرض کیا! کیا میں انہیں دھو ڈالوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں بلکہ انہیں جلاڈالو![2]

۱۲۔ بیہقی نے اور ابن عدی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی قوم کی زمین میں ان کی اجازت سے کوئی عمارت بنائی، اسے زمین کی قیمت دینی ہوگی، اور جس نے بغیر اجازت کوئی تعمیر کی، اسے عمارت توڑ لینی چاہیئے۔[3]

---

[1] صحیح مسلم بشرح نووی ج ۲ ص ۸۶ [2] الحسبۃ فی الاسلام لابن تیمیہ ص ۱۴۸
[3] کنز العمال ج ۱۰ ص ۳۲۴

۱۳ ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد ضرار کو منہدم کرا دینے کا حکم فرمایا[۱]۔

۱۴ ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی پہننے والے کو اسے نکال پھینکنے کا حکم فرمایا: انہوں نے نکال پھینکا، پھر اس کو کسی شخص[۲] نے نہیں اٹھایا۔

۱۵ ۔ امام مسلم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت نقل کیا ہے کہ آپ نے یہود کو طیش دلانے کے لئے ان کے درختوں کو کٹوا دیا۔ اور اس میں آگ لگا دی[۳]۔

ان روایتوں سے استدلال کی وجہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ چیزوں کو جلا دینے، گرا دینے، پھینک دینے، اور کاٹ دینے کا جس طرح حکم فرمایا: اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مالی جرمانہ کرنا جائز ہے۔

۱۶ ۔ مالی جرمانہ کے جواز کا علم اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے غلہ کی ذخیرہ اندوزی کرنے والوں کے غلے اور شراب بیچنے والوں کے گھروں کو جلا دینے کا حکم فرمایا، نیز جریر بن عبداللہ کے گھر کو منہدم کرنے کا حکم فرمایا[۴]:

۱۷ ۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کو حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے کسی کام کے لئے بھیجا، وہ آئے تو کچھ مال ساتھ لائے، آپ نے اس کے دو حصے کرنے کا حکم فرمایا، حاطب بن ابو بلتعہ کے غلاموں نے ایک اونٹنی غصب کر کے ذبح کر ڈالی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی دوہری قیمت ان پر عائد کی حضرت عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان لوگوں پر سختی کے ساتھ دیت کا حکم لگایا، جو بلد حرام میں حرمت والے مہینوں کے اندر قتل کے مرتکب ہوں[۵]۔

---

[۱] الحسبۃ فی الاسلام لابن تیمیہ ص ۱۷ ، [۲] الطرق الحکمیہ ص ۲۲۶
[۳] الطرق الحکمیہ ص ۲۲۶ ، صحیح مسلم بشرح النووی ص ۵۰ ج ۱۲ ، [۴] نیل الاوطار ص ۱۳۹ ج ۴ ،
[۵] نیل الاوطار ص ۱۳۹ ج ۴ ،

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اگلی کتابوں کے جلا دینے کا حکم فرمایا، نیز حضرت سعد بن ابی وقاص نے جب محل بنوا کر لوگوں سے بچ کر علیحدہ رہنا چاہا تو آپ نے اس محل کو آگ لگانے کا حکم فرمایا، اور محمد بن مسلمہ کو اس کام کے لئے مامور فرمایا، محمد گئے، حضرت سعد کے نہ چاہتے ہوئے بھی محل کو آگ لگا دی، یہ تمام فیصلے اہل علم کے نزدیک مشہور و معروف ہیں، ان سے مالی جرمانے کے جواز کا ثبوت ملتا ہے[1]۔

مباحثہ

جمہور علماء کی دلیلوں پر حسب ذیل طریقہ سے مباحثہ کیا گیا ہے۔

اول :-

۱۔ پالتو گدھوں کی بابت یہ کہا گیا ہے کہ یہ روایت استدلال کے لائق نہیں، اس لئے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے توڑنے کا حکم دے کر پھر انہیں دھونے کے لئے فرمایا، اور دھونا کوئی مالی سزا نہیں ہے۔؟

اس اعتراض کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضور نے توڑنے کا حکم اس لئے واپس لے لیا کہ اصحاب کرام آپ کے حکم کے غایت درجہ مطیع اور پابند تھے[2]،

۲۔ دوسری روایت پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس کے اندر آپ نے آگ لگانے کا ارادہ فرمایا۔ اور یہ واقعہ ہے کہ احادیث پیغمبر علیہ السلام کے اقوال، افعال، اور تقریرات کا نام ہے۔ اور ارادہ ان تینوں میں سے کسی کا نام نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور

---

[1] الحسبۃ فی الاسلام لابن تیمیہ ص۴۱،

[2] فتح الباری شرح صحیح البخاری ص۴۶ ج۹، نیل الاوطار ص۱۴۴ ج۵،

صلی اللہ علیہ وسلم بھی ارادہ کسی جائز چیز کا ہی فرماتے تھے[1]، ناجائز کا نہیں۔

۳۔ بہز کی روایت پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس سے استدلال درست نہیں[2]، امام حاکم نے امام شافعیؒ سے نقل کیا ہے کہ بہز حجت کے لائق نہیں ہے۔

نیز اس کو اہل علم حدیث تسلیم نہیں کرتے، اگر یہ روایت ثابت ہوتی، تو ہم اس کے قائل ہوتے۔ امام احمدؒ سے اس کی بابت پوچھا گیا، تو انہوں نے کہا، میں اس کی توجیہ نہیں جانتا۔ ابن حبان نے کہا ہے، اگر یہ روایت نہ ہوتی، تو میں بہز کا شمار ثقہ راویوں میں کرتا، ابن حزم کہتے ہیں کہ بہز کا عدل مشہور و معروف نہیں، ابن طلاع نے کہا، کہ وہ مجہول ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ شطرنج کھیلا کرتا تھا۔

امام بخاریؒ کہتے ہیں، بہز بن حکیم کے بارے میں اختلاف ہے، ابن کثیر کہتے ہیں: اکثر محدثین اسے لائق حجت نہیں تسلیم کرتے، اس کا جواب یہ ہے کہ امام احمد نے یہ بھی کہا ہے کہ اس حدیث کی سند ٹھیک ہے۔ اور علماء کی ایک جماعت نے بہز کو ثقہ کہا ہے۔ ابن عدی نے کہا ہے، میں نے اس کی کوئی منکر روایت نہیں دیکھی، امام ذہبی نے کہا، کسی عالم نے ان کو نہیں چھوڑا ہے۔ ابن قطان نے کہا اس شخص کا شطرنج کھیلنا اتنا مضر نہیں، اس لئے کہ شطرنج کا مباح ہونا مشہور فقہی مسئلہ ہے، حاکم نے اس کی حدیث کو صحیح کہا ہے۔ امام ترمذی نے اس کی بعض حدیثوں کو حسن کہا ہے۔ نیز اس کی توثیق کی ہے۔ امام احمد، اسحاق، اور امام بخاری نے صحیح کے علاوہ میں اس سے استدلال کیا ہے۔ اور اس پر رائے زنی کی ہے۔

امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ یہ روایت ان کے نزدیک حجت ہے[3]،

---

[1] نیل الاوطار ص ۱۳۹ ج ۴، [2] نیل الاوطار ص ۱۳۹ ج ۴،

[3] نیل الاوطار ص ۱۳۸ ج ۴،

اور یہ ایسی روایت نہیں، جس پر تنقید کی جائے[1]، نیز نفس موضوع پر کلام کرتے ہوئے اس روایت کے ذریعہ بھی اس پر اعتراض کیا گیا ہے جس کو علامہ ابن الجوزی نے جامع المسانید میں اور حافظ نے ابراہیم حربی سے تلخیص میں نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس موضوع کی مناسبت سے کہا۔ اس حدیث کے الفاظ میں راوی کو وہم ہو گیا ہے، الفاظ یہ ہیں۔ فَإِنَّا آخِذُوهَا مِنْ شَطْرِ مَالِهِ "۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ملکیت کے دو حصے کر لئے جائیں، اور صدقہ وصول کرنے والے کو اختیار ہوگا کہ چونکہ شخص مذکور ادائیگی سے مانع تھا، اس لئے وصول کرنے والا بہتر مال سے صدقہ وصول کرے۔ لیکن جس کی زکوٰۃ عائد نہ ہوگی، اس کو وصول نہیں کرے گا۔

بعض نے یہ کہا ہے کہ حدیث میں مذکور لفظ " شُطِرَ مَالُهُ "، شین پر پیش اور طاء پر زیر کے ساتھ دراصل فعل مجہول ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے مال کے دو حصے کئے جائیں گے، اور وصول کرنے والا دونوں میں سے جو حصہ چاہے گا، وصول کر لے گا۔

لیکن حربی کی اس عبارت اور اس سے متصل کلام کا جواب یہ ہے کہ دونوں حصوں میں سے جو بہتر ہو، اس میں وصول کرنا مالی سزا ہے، کیونکہ وہ واجب سے[2] زائد ہے۔ جب کہ واجب درمیانی حصہ ہے۔ اس کا انحصار وصول کرنے والے کے اختیار پر مبنی نہیں ہے۔

۴۔ حضرت عمر[3] رضی اللہ عنہ کی روایت پر یہ اعتراض کیا گیا کہ اس کی اسناد میں صالح بن محمد بن زائدہ المدنی ہیں۔ جن کی بابت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ہمارے اکثر اصحاب ان سے حجت نہیں پکڑتے، لیکن یہ قول باطل ہے۔ دارقطنی نے کہا ہے کہ صالح کو محدثین نے منکر بتایا ہے۔ حالانکہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اور محفوظ ترین بات یہ ہے کہ مذکورہ حکم سالم نے ایک شخص کی بابت دیا تھا، جس نے ولید بن ہشام کی سرکردگی میں ایک غزوہ میں رہ کر خیانت

---

[1] ایضاً ج ۴ ص ۱۳۲۔ [2] نیل الاوطار ج ۴ ص ۱۳۲۔ [3] ایضاً۔

کی تھی، امام ابو داؤد نے اس کے مرفوع ہونے کو صحیح قرار دیا ہے۔

عمرو کی روایت کی سند میں ایک صاحب زہیر بن محمد ہیں، بعض نے کہا کہ وہ خراسانی ہیں۔ بعض نے کہا وہ ان کے علاوہ کوئی اور صاحب ہیں۔ بہرحال وہ مجہول ہیں، امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور سند سے زہیر سے موقوفاً روایت کی ہے، "فتح" میں لکھا ہے، یہ روایت راجح ہے[1]۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہرچند کہ یہ روایت ضعیف ہے لیکن مالی جرمانے کی بابت جو صحیح روایتیں منقول ہیں۔ ان سے خائن کے اسباب جلا دینے کی تائید ثابت ہوتی ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ نماز سے پیچھے رہنے والے، اور مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کے علاوہ کسی اور شخص کے اسباب جلانے کی سزا ممنوع ہے۔ اور اسلاف صالحین نے ان دونوں کے اسباب جلانے کی بابت بھی اختلاف کیا ہے۔ لیکن عام علماء ان کے اسباب جلانے سے بھی منع کرتے ہیں[2]۔

۵۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت پر یہ اعتراض کیا گیا کہ وہ ایک قسم کا فدیہ تھا، جو کہ میں شکار کرنے والے پر واجب ہوتا ہے، اور صورت مذکورہ میں حضور علیہ السلام نے شکاری پر اسی فدیہ کو واجب قرار دیا۔ لہٰذا اسی سبب پر وہ فدیہ منحصر ہوگا کیونکہ احترام میں خلل ڈالنے کی جو علت پائی گئی، وہ کم ہو رہی ہے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حرم کے شکار کا فدیہ تلف شدہ چیز کے اعتبار سے ہوتا ہے، جبکہ زیر بحث صورت میں وہ مالی جرمانہ ہے، اور یہ جرمانہ اس لئے عائد کیا گیا کہ مدینہ کے احترام کو توڑنے کی کوشش کی گئی[3]۔

---

[1] نیل الاوطار ص۲۴۰ ج۴، [2] صحیح مسلم بشرح النووی ص۵۲ ج۵،
[3] نیل الاوطار ص۲۴۰ ج۴،

۶ - حضرت عمرو بن شعیب کی حدیث اور خالد کے ساتھ عوف والے واقعہ پر یہ اعتراض کیا گیا کہ یہ ایک خاص سبب کی بابت وارد ہے۔ لہٰذا اس کے علاوہ پر ان سے استدلال نہیں کیا جا سکتا، نیز اس لئے بھی کہ خود یہ روایت اور باب سے متعلقہ تمام احادیث خلاف قیاس ہیں۔ کیونکہ کتاب وسنت سے یہ ثابت ہے کہ غیر کا مال حرام ہے۔ اور یہ پہلے گذر چکا ہے[1]

اس کا جواب دو طریقہ سے دیا گیا ہے۔ اول یہ کہ اعتبار عموم الفاظ کا ہے، کسی خاص سبب سے مخصوص ہونے کا اعتبار نہیں ہے۔ جیساکہ علماء اصول کے نزدیک یہ امر مسلم ہے۔ دوسرے یہ روایتیں خلاف قیاس نہیں ہیں، کیونکہ ہر چند کہ مسلمان کا مال لینا حرام ہے، لیکن اس سے وہ صورت مستثنیٰ ہے، جب کہ کسی مسلمان پر مالی جرمانہ عائد کیا جائے، چنانچہ زور زبردستی کے ساتھ کسی مسلمان کا مال نہیں لینا چاہیئے۔ لیکن اگر جرمانہ کی نوبت آجائے، یا کسی کو سزا دینی پڑے، تو اب اس کا مال لیا جا سکتا ہے۔ اور صحیح احادیث اور صحابہ کرام کے افعال سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

۷۔ ذخیرہ اندوزوں کے غلے، اور شراب فروشوں کے گھروں کو جلانے، اور جریر کے گھر کو منہدم کرنے پر ـــ بشرطیکہ روایت کی اسناد صحیح ہوں۔ اور ان کا فعل لائق حجت ہو۔ یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ ایسا اس لئے کیا گیا تاکہ فساد کے وسائل کو روک دیا جائے، جیسے مسجد ضرار کو منہدم کیا گیا، اور بانسریوں[2] کو توڑ دیا گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ چلو ہم مان لیتے ہیں کہ جلوانا۔ اور منہدم کرانا دونوں ہی سدباب

---

[1] نیل الاوطار، صفحہ ۱۲۳ ج ۴

[2] ایضاً،

کا ذریعہ تھا، لیکن یہ سد باب کرنا مالی جرمانے کی شکل میں ہوا ۔ اور یہ بھی ایک قسم کی تعزیری سزا ہے ، لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ مال کے ذریعہ تعزیری سزا دینا جائز ہے ۔

۸۔ اور یہ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے حضرت سعد کے مال کا حصہ لگایا ، حاطب پر تاوان عائد کیا ، بلد حرام میں حرمت والے مہینوں کے دوران خونریزی کرنے والے پر بھاری جرمانہ عائد کیا ، اور اگلی کتابوں اور حضرت سعد کے محل کو جلا دیا ، اس روایت پر یہ اعتراض کیا گیا کہ یہ ایک صحابی کا قول ہے ۔ اور صحابی کا قول کتاب وسنت کے عموم کے سامنے لائق حجت نہیں رہ جاتا ۔ یہی جواب اس روایت کا دیا جاتا ہے ۔ جس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ منقول ہے کہ اشہر حرم[1] میں خونریزی پر آپ نے بھاری جرمانہ عائد کیا تھا ۔

حالانکہ اس کا جواب ہم یہ دے سکتے ہیں کہ صحابی کا قول اس وقت تک حجت کے لائق نہیں ہوتا ، جبکہ اس کے مقابلہ میں کوئی صحیح حدیث آجائے ، اور صحیح حدیث کے مقابلہ میں اس کی کوئی سند نہ ہو ۔ لیکن یہاں ایسا نہیں ہے ۔ اس لئے حضرت عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے فعل سے حجت کیوں نہ لی جائے گی ، جبکہ گذشتہ صحیح اور صریح روایتیں ان دونوں کے فعل کی تائید کرتی ہیں ، اور انہیں احادیث نے کتاب وسنت کے عموم کو خاص کیا ہے ۔ جن سے پہلے فریق نے استدلال کیا ہے ۔

دوم

مالی جرمانے کے دلائل پر دوسرے طریقہ سے اس طرح اعتراضات کئے گئے ہیں کہ مالی جرمانے ابتدائے اسلام میں ہوا کرتے تھے ، پھر وہ منسوخ ہو گئے ، اور ان کا نسخ حضرت براء

---

[1] نیل الاوطار ج۴ ص۱۴۰

کی اونٹنی والی روایت[1] سے معلوم ہوتا ہے۔ اس روایت کو امام احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، مالک نسائی، دار قطنی، حاکم اور بیہقی نے حرام بن محیصہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی اونٹنی ایک باغ میں گھس گئی، اور اس میں کافی نقصان کیا، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ صادر کیا کہ باغ والے دن میں اپنے باغوں کی نگہداشت کریں، البتہ رات میں جو مویشی گھس کر خرابی پیدا کریں، اس کا تاوان مویشی والوں[2] کو دینا ہوگا۔

اس قضیہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت براء پر کسی تاوان[3] کا واجب ہونا منقول نہیں[4] ہے، اور اس پر اجماع منعقد ہے۔

اس اعتراض کا جواب بطور خلاصہ چند نکتوں میں پیش کیا جاتا ہے۔

الف۔ عبدالحق اور ابن حزم کا قول ہے کہ حرام بن محیصہ نے براء سے سماعت[5] نہیں کی، ب۔ تاریخ میں جہالت کی وجہ سے نسخ کا دعویٰ قابل قبول نہیں[6] ہے،

ج۔ اس معاملہ میں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مالی جرمانہ عائد نہیں کیا، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جرمانہ مطلقاً چھوڑ دیا گیا۔ یا جرمانہ لگانا جائز نہیں، یا یہ منسوخ[7] ہے،

د۔ نسخ کا دعویٰ کرنے والوں کے پاس کتاب وسنت سے نسخ کی کوئی دلیل نہیں ہے اور تقریباً یہی حال ان تمام لوگوں کا ہے، جو کسی حجت کے بغیر صحیح نصوص، اور ثابت شدہ سنتوں کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ بیچارے چھوٹتے ہی منسوخ ہونے کا دعویٰ تو کر دیتے ہیں، لیکن ان سے نسخ کی دلیل طلب کی جاتی ہے۔ تو وہ سب ناسخ کو پیش نہیں کر پاتے، اس

---

[1] نیل الاوطار ص ۱۳۸، ۱۳۹ ج ۴ [2] نیل الاوطار ج ۵ ص ۳۶۴

[3] ایضاً ج ۴ ص ۱۳۹، [4] ایضاً ص ۱۲۸، [5] ایضاً ج ۵ ص ۳۶۵، [6] ایضاً ج ۴ ص ۱۲۸،

[7] ایضاً ج ۴ ص ۱۳۹۔

گروہ کا طریق کار یہ ہے کہ ان کے نزدیک بعض نصوص کو چھوڑ دینا، یا ان پر عمل نہ کرنا اجماع کی دلیل سمجھا جاتا ہے، اور اسی نام نہاد اجماع کو وہ نسخ کی دلیل سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اس میں شک نہیں کہ اگر اجماع منعقد ہوا تو یہ منسوخ ہونے کی دلیل ہوتا ہے۔ کیونکہ امت کبھی گمراہی پر یکجا نہیں ہوئی ہے۔ لیکن تاریخ میں ایسا کوئی اجماع معروف نہیں، جس میں نص کو سرے سے ترک کر دیا گیا ہو۔ اور اگر کوئی نص چھوڑ دیا جاتا ہے۔ تو دوسرا کوئی نص ضرور موجود ہوتا ہے، جس کی وجہ سے پہلا نص منسوخ ہوا۔ اور یہاں ایسے کسی نص کا دور دور پتہ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ کسی نص کی منسوخی کا دعویٰ کرتے ہیں، اور اس کی حجت کے طور پر اجماع کو پیش کرتے ہیں۔ جب اس معاملہ کی تفتیش کی جاتی ہے۔ تو وہاں کسی صحیح اور صاف ستھرے اجماع کا نام و نشان بھی نظر نہیں آتا، اور انتہا یہ کہ کبھی وہاں کوئی نزاع بھی نہیں ہوتا، اسی قسم کی ذہنیت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اکثر اہل علم کا مسلک اقوال صحابہ[1] (رضی اللہ عنہم) کے خلاف جاتا ہے،

پہلے ذکر کی گئی بیشتر سزائیں وہ ہیں جو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک میں عام طور پر پائی جاتی ہیں[2]۔ اسی لئے صاحب کشاف القناع نے کہا ہے کہ مالی تعزیر: مال چھین لینے، اور مال برباد کر دینے ہر دو طریقہ سے[3] ہوتی ہے۔

نیز بہترین سزائیں وہ ہیں جو امام مالک[4] رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک میں عام طور پر پائی گئی ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلفاء راشدین اور اکابر صحابہ (رضی اللہ عنہم) نے ان سزاؤں کی جس طرح تعمیل کرائی، اس سے بھی نسخ ہونے[5] کا دعویٰ باطل ہوتا ہے۔

---

[1] الحسبۃ فی الاسلام لابن تیمیہ ص۲۲، الطرق الحکمیہ ص۲۴۶،

[2] الطرق الحکمیہ ص۲۴۶ [3] ایضاً ص۱۲۵ ج۳،

[4] الطرق الحکمیہ ص۲۴۶ [5] ایضاً ص۲۴۸ ۔

چہ جائیکہ ان کی منسوخیت اور غیر مشروعیت پر اجماع منعقد ہونا سمجھا جائے یہ اس لئے بھی کہ متعدد مقامات پر حضرات صحابہ سے ان سزاؤں کا اجراء مشہور رہا، اور کسی صحابی نے اس پر اعتراض نہیں کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گروہ صحابہ کے سامنے ان کو جاری فرمایا۔ اوران نفوس قدسیہ نے ان کے اس عمل کو برقرار رکھا، ان کی معاونت کی، اوران کے اقدام کو صائب اور درست کہا۔[1]

ترجیح

گذشتہ بحث مباحثہ کی روشنی میں میرے نزدیک دوسری رائے زیادہ ترجیح کے لائق نظر آتی ہے، یعنی یہ کہ مالی جرمانہ جائز ہے۔ اور ایسے مالی جرمانے خصوصیت سے عائد کرنا بہتر ہیں، جن سے لوگ ناجائز کے ارتکاب سے باز آئیں، کبھی مالی جرمانے کا وہ اثر ہوتا ہے، جو کسی اور سزا کا نہیں ہوتا۔ اور مشروع عمل کا ذریعہ بھی مشروع ہوتا ہے۔ لیکن مالی جرمانے کی روح امت کا مفاد اور سماج کی بھلائی کے سوا کچھ اور نہ ہو۔ اس طرح دیکھا جائے تو جرم رشوت کے مرتکب کی سزا بھی مالی جرمانے کی شکل میں ہوگی، یہ ان کی کرنی کی سزا ہے اس لئے انہیں سرزنش کرنے کے لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں، جیسا کوئی کرتا ہے، ویسا ہی بھرتا ہے۔

مال کے ذریعہ تعزیر کی قسمیں

۱۔ تلف کر دینا: یعنی توڑ پھوڑ کر برباد کر دینا، جیسے شراب کے برتنوں، اور لہو و لعب کے سامان کو توڑ پھوڑ دیا گیا۔

۲۔ بدل دینا: کبھی کسی چیز کو توڑ دینے سے مالی سزا عائد نہیں ہوتی، اس لئے اس

---

[1] ایضاً۔

کے اندر تبدیلی کرادی جاتی ہے، جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چلمن کے اس پردے کو دو ٹکڑے کرکے اس کے تکیئے بنانے کے لئے کہا، جس میں تصویر بنی ہوئی تھی،

۳۔ مالک بنادینا: جب ایک شخص نے لٹکے ہوئے پھلوں کو ان کے کھلیان میں لے جائے جانے سے پہلے چرالیا، تو آپ نے اس کو کوڑے مارنے کی تعزیر کی اور جس قدر اس نے لیا تھا، اس کے دوگنا اس سے لینے کی سزا دی[1]،

(حبس) قید کی سزا

حبس لغت میں روکنے اور بند کرنے کو کہتے ہیں، یہ تخلیہ کی ضد ہے، اسی سے محبس بنا ہے۔ جس کے معنی قید خانے اور جیل کے ہیں۔ اسی کو "سجن[2]" بھی کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ (یوسف ۳۳) (اے میرے رب قید خانہ میرے نزدیک زیادہ بہتر ہے)

حبس کی شرعی تعریف یہ ہے کہ "کسی شخص کو نقل وحرکت اور از خود تصرف سے روک دینا[3]"۔

قید کرنے کی مشروعیت کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام احمد کے بعض ساتھی اور کچھ دوسرے علماء کہتے ہیں کہ قید کرنا جائز نہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قید خانہ نہیں تھا، نہ ہی انہوں نے کسی کو قید کیا، نہ نقل وحرکت سے انہیں منع کیا[4]، نہ کسی کو ان پر نگراں مسلط کیا، نہ ہی قرض خواہ کو

---

[1] الحسبۃ فی الاسلام لابن تیمیہ ص۴۲ ص۴۷ باختصار [2] تاج العروس شرح القاموس ج ۴ ص ۱۲۴، [3] الطرق الحکمیہ ص ۱۰۱۔ [4] اقضیۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم لعبداللہ القرطبی ص ۵ الطرق الحکمیہ ص ۱۰۲،

اپنے مقروض سے چمٹے رہنے کا حکم فرمایا، اس کی دلیل امام ابوداؤد اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہما سے منقول وہ روایت ہے۔ جس میں ہرماس بن حبیب نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا، میں اپنے مقروض کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا: اسے روکے رکھو، پھر فرمایا! بنو تمیمی بھائی، تم اپنے[1] قیدی کا کیا کرو گے، ؟

لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قید نہ کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قید کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان دنوں قید کی اتنی حاجت اور ضرورت نہیں ہوتی تھی، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا، اور رعایا پھیل کر آباد ہوئے، اور قید کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی، تب قید خانے بنائے گئے۔

جمہور فقہاء نے قید کئے جانے کی مشروعیت کو اختیار کیا ہے۔ ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:۔

دلائل اول:۔ قرآن کریم سے

۱۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَۃَ مِنْ نِّسَآئِکُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَۃً مِّنْکُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِکُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا (نساء: ۱۵)	اور (مسلمانو!) تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کریں تو ان پر چار آدمیوں کی گواہی لو پس اگر وہ گواہی دے دیں تو (سزا کے طور پر) ان کو گھروں میں بند رکھو، یہاں تک کہ موت ان کا کام تمام کر دے، یا اللہ ان کے لئے کوئی اور سبیل نکال دے۔

---

[1] اقضیۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ص۵، الطرق الحکمیہ ص۱۰۲ نیل الاوطار ج۷ ص۱۶۰

اس آیت سے گھروں میں روک رکھنے، اور قید کرنے کی رہنمائی ملتی ہے، ابتدا اسلام سے یہ حکم یوں ہی برقرار ہے[1]. اس سے بھی جیل خانے کی مشروعیت کا پتہ چلتا ہے۔

۲۔ ارشاد باری ہے[2]:

اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ" (مائدہ، ۳۳) یا انہیں جلا وطن کر دیا جائے۔

امام مالک اور علماء کوفہ کہتے ہیں کہ نکال دینے کا مطلب قید کر دینا ہے، چنانچہ انہیں دنیا کی کشادگی سے، قید خانے کی تنگی کی طرف نکال پھینکا جاتا ہے۔ یوں بھی جس شخص کو قید کیا جاتا ہے۔ وہ دنیا سے نکل کر ایک محدود جگہ میں گھر کر رہ جاتا ہے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے کسی قیدی شاعر کے اس شعر سے استدلال کیا ہے کہ

خَرَجْنَا مِنَ الدُّنْیَا وَنَحْنُ مِنْ اَهْلِهَا ؛ فَلَسْنَا مِنَ الْاَمْوَاتِ فِیْهَا وَلَا الْاَحْیَاءِ

ہم اسی دنیا کے باسی ہیں، اس کے باوجود ہم دنیا سے نکل چکے ہیں، آج ہماری حالت یہ ہے کہ نہ ہم زندوں میں ہیں نہ مردوں میں۔

اِذَا جَاءَنَا السَّجَّانُ یَوْمًا لِحَاجَتِهٖ عَجِبْنَا وَقُلْنَا جَاءَ هٰذَا مِنَ الدُّنْیَا

جب داروغہ کسی دن کسی ضرورت سے ہمارے یہاں آتا ہے، تو ہمیں حیرت ہوتی ہے، اور ہم کہتے ہیں کہ، ارے دیکھو! یہ دنیا سے آیا ہے۔

آیت شریفہ میں "ارض[3]" سے مراد وہی بستی ہے جہاں حادثہ پیش آیا، بہرکیف سابقہ دلائل سے جیل خانے بنائے جانے کا ثبوت ملتا ہے۔

---

[1] الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ج ۵ ص ۸۴، احکام القرآن لابن العربی ج ۱ ص ۳۵۵۔

[2] حاشیہ ابن عابدین ج ۵ ص ۲۷۶۔

[3] الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ج ۵ ص ۱۵۲، ۱۵۳۔

دلائل دوم احادیث

۱۔ علاوہ ابن ماجہ کے جملہ پانچوں محدثین (احمد، ابو داؤد، نسائی، اور ترمذی) نے حضرت بہز بن حکیم سے، انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی تہمت کے سلسلے میں ایک شخص کو قید کر دیا، پھر اسے رہا کیا۔[۱]

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ـــ بروایت حاکم ـــ منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی تہمت کے سلسلے میں ایک شخص کو ایک رات[۲] دن قید کئے رکھا۔" ـــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل سے قید کئے جانے کا جواز ملتا ہے۔

۳۔ عبدالرزاق نے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں فرمایا:۔ جس نے دوسرے شخص کو روکے رکھا، یہاں تک کہ اس کو مار ڈالا، آپ نے فرمایا تھا۔ اُقْتُلُوا الْقَاتِلَ وَاصْبِرُوا الصَّابِرَ: قاتل کو قتل کردو۔ اور روکنے والے کو روک دو۔

ابو عبیدہ نے کہا ہے۔ اِصْبِرُوا الصَّابِرَ کا مطلب یہ ہے کہ جس نے قید کر رکھا، اس کو تم بھی قید کر دو۔ تاآنکہ وہ بھی مر جائے، اسی قسم کا مفہوم حضرت علی[۳] رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ اس سے بھی قید کے جواز کا پتہ چلتا ہے۔

اجماع

اس میں شک نہیں کہ حضرت عمر حضرت عثمان، اور حضرت علی رضی اللہ عنہم نے جیل خانے بنائے، اور ان کے اس فعل پر صحابہ میں سے کسی نے کوئی اعتراض[۴] نہیں کیا، اس سے یہ ثابت

---

[۱] نیل الاوطار ج ۷ ص ۱۵۸ الاحکام السلطانیہ لابی یعلی ص ۲۴۲، اقضیۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ص ۱۰

[۲] نیل الاوطار ج ۷ ص ۱۵۹، الاحکام السلطانیہ لابی یعلی ص ۲۴۲، [۳] اقضیۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ص ۲۰۶،

[۴] نیل الاوطار ج ۸ ص ۱۶،

ہوتا ہے کہ جیل خانے بنوائے جانے، اور اس میں قید کرنے پر اجماع[1] منعقد ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ — حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے صفوان بن امیہ سے چار ہزار درہم کا ایک مکان خریدا، اور اسی کو قید خانہ میں تبدیل کر دیا[2]، آپ ہی سے یہ روایت بھی پایۂ ثبوت کو پہونچی کہ آپ کا ایک جیل خانہ اور تھا، جس میں آپ نے حطیئہ شاعر کو اس کی کثرت ہجوگوئی پر قید کر دیا تھا۔ ضبیع التیمی کو آپ نے اس لئے جیل میں ڈال رکھا تھا، کہ وہ سورۂ ذاریات، مرسلات، اور نازعات وغیرہ سورتوں کی بابت لوگوں سے سوالات کیا کرتا تھا مشکل آیتوں پر غور و فکر کے لئے لوگوں کو اکسایا کرتا تھا، اس شخص کو آپ نے بارہا سزائیں دیں۔ پھر اسے عراق جلا وطن کر دیا، اور عراقیوں کے نام یہ خط لکھا کہ کوئی اس شخص کے پاس نہ بیٹھے، چنانچہ کہنے والے یہاں تک کہتے تھے کہ اگر کسی مجلس میں ہم سینکڑوں کی تعداد میں بیٹھے ہوتے، اور وہ شخص آجاتا تو ہم اٹھ کر چلے جاتے تھے، پھر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اس شخص نے توبہ کر لی ہے۔ اور بہتر طریق[3] سے توبہ کر لی ہے۔ تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے لوگوں کے بائیکاٹ کو ختم فرمایا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اولین شخص ہیں، جنہوں نے جیل خانوں[3] کی بنیا ڈالی ہے!

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ضابی بن حارث کو جیل خانے کی سزا دی، کیونکہ یہ شخص بنو تمیم کے چوروں اور قاتلوں میں سے تھا، بالآخر جیل میں ہی یہ شخص مر گیا[4]۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ آپ نے بھی قید کیا[5]، اور آپ حضرات جائز کام ہی کیا کرتے تھے،

---

[1] ردالمحتار علی الدرالمختار ج ۳ ص ۳۱۳، [2] الطرق الحکمیہ ص ۱۰۲،
[3] اقضیۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ص ۲، التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ ص ۲۹۶،
[4] ایضاً، [5] ایضاً

اور یہ مذکورہ دلائل سے جیل خانوں کے جواز کا ثبوت ملتا ہے، ان جیل خانوں میں مجرم کا منتظر ایسا نظام ہوتا ہے، جو اس کی رہنمائی کرتا اور اسے راہ راست پر لاتا ہے، اس کے لئے روک تھام اور رہنمائی کے اسباب فراہم کرتا ہے۔ اور اسی صورت جیل خانوں کا مقصد بھی حاصل ہوتا ہے۔ جس کی بنا پر اسلام نے ان کو مندوب قرار دیا ہے۔ جیل خانوں میں اصلاح و درستی کا جو نظام برپا ہوتا ہے، وہ ایک مطلوب چیز ہے۔ اور اس کا بہتر نتیجہ برآمد ہوتا ہے، کیونکہ اس نظام کو چلانے والے ایسے داعی اور علماء کرام ہوتے ہیں، جن سے لوگ متاثر ہوتے ہیں ان کی باتوں کو مانتے اور ان پر کان دھرتے ہیں، جرم رشوت کا مرتکب بھی سرزنش اور اصلاح و درستی کا محتاج ہوتا ہے، اس لئے جیل جانا اس کے لئے موزوں اور مناسب ہے تاکہ اسے لوگوں سے تنہائی کا احساس ہو، اور جس طرح رشوت لے کر اس نے افراد اور گروہوں کو ایک دوسرے سے الگ کیا، اسے بھی انسانی سوسائٹی سے الگ کر دیا جائے گا، تاکہ وہ بھی قید کی تنہائی کا مزہ چکھ سکے۔

ہاتھ اور کوڑے مارنے کی سزا

جن سزاؤں سے مجرم کو سرزنش ہوتی ہے۔ ان میں ہاتھ اور کوڑے سے مارنے کی سزائیں شامل ہیں۔ یہ وہ سزائیں ہیں جن کی مشروعیت کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ کیونکہ ان سزاؤں سے مجرم جرائم سے باز آتا ہے۔ اور جرائم سے باز رکھنا قرآن و حدیث اور اجماع سے ثابت ہے۔

۱۔ قرآن پاک سے دلائل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ
نور : ۲

بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والے مرد (جب ان کی بدکاری ثابت ہو جائے،) تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔

نیز فرمایا:

ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ — پھر اس پر چار گواہ نہ پیش کر سکیں۔ تو ایسے لوگوں

فَاجْلِدُوهُمْ (نور: ۴) — کو کوڑے مارو۔

استدلال کی وجہ

خداوند قدوس نے خود کوڑے مارنے کا حکم فرمایا ہے۔ اس سے کوڑے مارنے کا جواز نکلتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ ۔۔۔۔ (نساء: ۳۴)

اور جن بیویوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو، تو انہیں پہلے بخوبی سمجھا دو۔ (اور اگر نہ سمجھیں تو) پھر ان کے ساتھ سونا ترک کر دو۔ (اور اس پر بھی باز نہ آئیں تو) انہیں مارو۔

استدلال کی وجہ

بیوی کی سرکشی اور شوہر کی نافرمانی پر اس کو مارنا اصلاح و درستی کے لئے مارنے کے جواز کو ثابت کرتا ہے۔

احادیث کی دلیلیں بکثرت ہیں، چند حسب ذیل ہیں۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، تم نے اللہ کی امانت کے طور پر انہیں لیا ہے۔ اور ان کی شرمگاہوں کو اللہ کے کلمہ کے ذریعہ حلال کیا ہے، تمہارے ان پر حقوق یہ ہیں کہ تمہارے کسی ناپسندیدہ شخص کو اپنے بستروں کے قریب پھٹکنے نہ دیں، اگر انہوں نے ایسا کیا تو تم انہیں مارو، لیکن اس طرح کہ مار کا نشان نہ ہو۔ اس حدیث سے استدلال کی صورت

حاشیہ اگلے صفحہ پر

بعینہ وہی ہے جو اوپر آیت میں مذکور ہے ۔

ب ۔ امام احمد اور نسائی نے ، اور اسی کے ہم معنی امام ابن ماجہ نے حضرت عمرو بن شعیب سے ، انہوں نے اپنے والد سے ، اور انہوں نے اپنے دادا سے نقل کیا ہے کہ میں نے مزینہ کے ایک شخص سے سنا وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے چراگاہوں سے چوری کی گئی بکری کی بابت پوچھ رہا تھا ، آپ نے فرمایا : اس کی سزا دوہری قیمت اور عبرت کے لائق مار ہے ۔ پھر اس نے پوچھا ! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پھلوں کی بابت کیا حکم ہے جنہیں آستینوں میں بھر لیا جائے آپ نے فرمایا : جس نے منہ سے کھالیا ، اور چھپا کر نہیں رکھا ، اس پر کچھ نہیں ہوگا ۔ اور جو اٹھا لے گیا ، اسے دوہری قیمت اور عبرت ناک سزا ہے[2] ۔

استدلال کی وجہ

بکری اچک لینے والا اور پھلوں کو اٹھا لینے والا چور نہیں مانا گیا ، جب ہی تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا گیا ، لیکن پھر بھی اسے مارنے کی جو سزا دی گئی اس کی حیثیت تعزیر کی ہے ، اس سے ثابت ہوا کہ تعزیر کے طور پر مارنا درست ہے ۔

ج ۔ پانچوں محدثین (احمد ، ابو داؤد ، نسائی ، ترمذی ، ابن ماجہ) نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ : ایک شخص ان کے پاس لایا گیا ، جس نے اپنی بیوی کی باندی سے محبت کر لی تھی ، انہوں نے کہا ، میں اس قضیہ میں وہی فیصلہ کروں گا ۔ جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا ۔ اگر بیوی نے باندی کو تیرے لئے حلال کر دیا ، تو تجھے سو کوڑے ماروں گا ، اور اگر اس نے حلال نہیں کیا ، تو تجھے سنگسار کر دوں گا ۔

" گزشتہ سے پیوستہ " [1] الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ص ۱۶۲ ج ۵ "

[2] نیل الاوطار ص ۱۳۴ ج ۷

ابوداؤد اور نسائی کی نعمان سے منقول ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے ایک شخص کے بارے میں کہا، جس نے اپنی بیوی کی باندی سے صحبت کرلی تھی، : اگر اس نے تیرے لئے باندی کو حلال کردیا تو میں تجھے سو کوڑے ماروں گا۔ اور اگر اس نے حلال نہیں کیا تو تجھے سنگسار کردوں گا[1]۔

استدلال کی وجہ

کوڑا مارنا ایک تعزیری سزا ہے، اگر یہ سزا جائز نہ ہوتی، تو حضور علیہ السلام اس کا حکم نہ فرماتے، پھر جب آپ نے حکم فرمایا، تو اس سے جواز کا پتہ چلتا ہے۔

د۔ امام نسائی کے علاوہ ایک جماعت نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، : خدا کی حدود کے علاوہ کسی اور سزا میں دس کوڑے سے زائد نہ مارا جائے[2]۔

استدلال کی وجہ

دس سے کم کوڑے مارنا تعزیری سزا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سزا کی اجازت دی ہے، آپ کی اجازت سے اس کی مشروعیت کا پتہ چلتا ہے۔

ھ۔ امام احمد، ابوداؤد[3]، اور حاکم نے حضرت عمرو بن شیب سے، انہوں نے اپنے والد سے، اور انہوں نے اپنے دادا سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے" بچے جب سات برس کے ہوں تو انہیں نماز کا حکم دو، اور جب دس سال کے ہوجائیں

---

[1] نیل الاوطار ص۱۲۶ ج۷ ، [2] نیل الاوطار ص۱۵۸ ج۷ ۔

[3] نیز ترمذی اور دارقطنی نے عبدالملک بن ربیع بن سبرہ جہنی سے، انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے اس روایت کی تخریج کی ہے۔ لیکن بستر علیحدہ کرنے کا ذکر نہیں کیا ہے۔

تو انہیں مارو ، اور ان کے بستروں کو علیحدہ کر دو۔[1]

استدلال کی وجہ

نماز نہ پڑھنے پر دس سال کے بچوں کو مارنا ایک قسم کی تعزیری سزا ہے ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سزا کا حکم فرمایا ، لہٰذا یہ سزا دینا جائز ہے ۔

رہا اجماع !

تو اس کا ثبوت یہ ہے کہ معن بن زائدہ نے بیت المال کے نقش والی ایک انگوٹھی بنائی پھر بیت المال کے نگران کے پاس آیا ، اور اس سے کچھ نقد وصول کیا ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا ، تو آپ نے اسے سو کوڑے مارے ، اور اسے قید کر دیا ، پھر اس کی بابت گفتگو کی ، پھر سو کوڑے مارے ، پھر دوبارہ بات چیت کی ، اور اسے سو کوڑے مار کر جلا وطن کر دیا ۔[2]

امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ : نجاشی کو رمضان میں حضرت علی کے پاس اس طرح لایا گیا ، کہ اس نے شراب پی رکھی تھی ، آپ نے اس کو اسی کوڑے بطور حد کے ، اور بیس کوڑے رمضان میں روزے توڑ دینے پر مارے[3] ۔

حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے اس فعل کا کسی نے انکار نہیں کیا ، اس سے سزاؤں میں ہاتھ سے اور کوڑے سے مارنے پر اجماع کا ثبوت ملتا ہے ۔ اسی کے مطابق حضرت ابوبکر حضرت عثمان ، اصحاب کرام ، اور بعد کے مسلم حکام عمل پیرا رہے ہیں[4]

---

[1] نیل الاوطار صفحہ ۳۴۴ ج ۱ ۔

[2] المغنی مع الشرح الکبیر صفحہ ۳۴۹ ج ۱۰ ۔

[3] ایضاً ۔

[4] التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ صفحہ ۲۶۸

گذشتہ سطروں سے کوڑے کے ذریعہ تعزیر کا ثبوت ملتا ہے، اس کی بنیاد پر رشوت لینے والے، دینے والے، اور اس کی دلالی کرنے والے کو کوڑوں کی سزا دی جائے گی، اور قاضی یا حاکم عوام اور معاشرے کی مصلحت کے مطابق جیسی مناسب سمجھیں گے، سزا دیں گے، تاکہ سوسائٹی کے اندر سے رشوت کا روگ دور ہو، اور افراد اس ناپاک مرض سے باز رہیں۔

ملازمت سے معزولی کی سزا

معزول کرنے کے معنیٰ ملازمت سے محروم اور برطرف کر دینے کے ہیں۔ ملازمت سے برطرفی کی صورت میں ملازم اپنی ماہانہ تنخواہ سے خود بخود محروم ہو جائے گا، جو ہر ماہ اسے ملا کرتی تھی[1]۔

اس تعزیری سزا کا مستحق ہر وہ ملازم ہوگا۔ جس نے حرام طریقہ سے رشوت یا کوئی اور چیز لی ہوگی، یا ایسا کوئی حرام کام کیا ہوگا۔ جس کے ارتکاب پر امانت داری اور دیانت پاش پاش[2] ہو جاتی ہے۔

خیانت کی عادت اختیار کرنے والا اس کا مستحق ہے کہ اسے ماہانہ ملنے والی تنخواہ سے محرومی کی سزا دی جائے، تاکہ حکومتی اور نجی سطح پر ہر محکمہ کے ملازمین اور عملے سے شر اور فساد کے خطرناک جراثیم کی بیخ کنی ہو سکے، اور مفید عناصر اور مضر عناصر میں بیگانگی اور فرق برقرار رہے،

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ ملازمت اور ذمہ داری سے علیحدگی کی سزا وہ ہے، جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب بھی اپنے زمانے میں[3] دیا کرتے تھے،

---

[1] التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ ص۳۶۸ ، [2] ایضاً

[3] السیاسۃ الشرعیہ لابن تیمیہ ص۱۱۳ ، التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ ص۳۶۸۔

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب زاد المعاد میں لکھا ہے[1]، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ابو سفیان کو وادی کی تنگنائے پر پہاڑی کے کٹاؤ کے پاس روکے رکھیں، تاکہ جب وہاں سے مردان باخدا کی فوجیں گذریں تو ابو سفیان انہیں دیکھ سکیں، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا۔ اتنے میں قبیلہ قبیلہ کے فوجی اپنے پرچم کے ساتھ گذرنے لگے، ...... راوی نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا، یہاں تک کہ انصار کا قبیلہ سامنے آیا۔ اس کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے اٹھا رکھا تھا، جب وہ ابو سفیان کے قریب سے گذرے، تو جوش میں آکر انہوں نے یہ کہہ دیا۔ "الیوم یوم الملحمہ"! الیوم تستحل الحرمہ! الیوم اذل اللہ قریشا! آج جنگ کا دن ہے۔ آج کعبہ کی حرمت اٹھ جانے کا دن ہے۔ آج اللہ نے قریش کو رسوا کیا ہے۔" جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری ابو سفیان کے سامنے پہونچی، تو انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ نے سعد کی زبانی نہیں سنی؟ آپ نے فرمایا: کیوں سعد نے کیا کہا ہے؟ انہوں نے کہا: سعد نے یہ کہا ہے۔ اس پر حضرت عثمان، اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں اطمینان نہیں! کہیں وہ قریش پر اپنا بخار نہ اتارنے لگیں! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا، نہیں، الیوم تعظم فیہ الکعبہ، الیوم اعز اللہ قریشا۔ آج کعبہ کی عظمت دوبالا ہوگی، آج ہی تو اللہ نے قریش کو معزز کیا ہے۔ پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص کو بھیج کر ان سے جھنڈا لے لیا:

اس واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انھیں معزول کر دینا، اور قیادت کو ان

---

[1] زاد المعاد لابن قیم الجوزی ص ۱۸۲ / ۲۵ ،

کے ہاتھ سے لے کر دوسرے کے ہاتھ میں دے دینا صحابی موصوف کے حق میں ایک تعزیر تھی آپ نے ایک ذمہ داری سے جس طرح انہیں برطرف کیا، اس سے تعزیر کا ثبوت ملتا ہے۔

یہ ـــــ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں، آپ کو معلوم ہوا کہ آپ کا کوئی کارندہ شراب کے موضوع پر اشعار کہتا ہے، آپ نے اس کو فوراً برطرف کر دیا۔[1] اگر شراب کے سلسلے میں اشعار کہنے کی سزا معزولی ہو سکتی ہے، تو اس میں شک نہیں کہ رشوت خوروں کی سزا اس سے کہیں سخت ہونی چاہئے۔

صاحب کشاف القناع کہتے ہیں: بطور تعزیر ملازمت سے معزولی کی سزا دینا جائز ہے۔[2] علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ "شراب پینے والے کو بطور تعزیر چالیس کوڑے کی حد مار کر اسے ملازمت سے برطرف کر دیا جائے گا"۔[3] بعض فقہاء جیسے: احناف، اور شافعیہ نے بھی اس امر کو قطعی قرار دیا ہے کہ رشوت لینے والے کو معزول کر دیا جائے گا۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ رشوت خور کو رشوت لیتے ہی معزول کر دیا جائے گا، کیونکہ ملازم عادل ہو تو ملازمت کے لائق ہوتا ہے۔ اور رشوت لینے سے عدالت داغ دار ہو جاتی ہے۔

جو فقہاء اس کے قائل ہیں کہ رشوت خور معزول کئے جانے کے لائق ہے، ان کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ سلطان کو اسے معزول کر دینا چاہیئے، اگر اس نے معزول نہیں کیا، اور ملازمت پر باقی رکھا تو وہ خود گنہگار رہوگا۔[4]

---

[1] السیاسۃ الشرعیہ لابن تیمیہ ص۱۱۳، التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ ص۳۶۸

[2] کشاف القناع عن متن الاقناع ج۴ ص۱۲۴، [3] السیاسۃ الشرعیہ لابن تیمیہ ص۱۰۵،

[4] جامع الفصولین ج۱ ص۱۴، حاشیہ ابن عابدین ج۵ ص۳۶۳، الفتاوی الہندیہ ج۳ ص۳۶۸، شرح الکنز لمحمود العینی ج۲ ص۳۰، ۳۱، الاحکام ما یتعلق بالقضاء والحکام ص۸۔

اور اگر بعض فقہاء نے شک[1] کی بنیاد پر یا کسی شک کے بغیر بھی قاضی کو برطرف کر دینے کی اجازت دی ہے ۔ تو یہ کوئی عجب بات نہیں ۔ اس لئے کہ رشوت لینا انتہائی گھناؤنا جرم ہے ۔ اس جرم سے باطل کو تقویت ملتی ہے ، اور حق ضائع ہو جاتا ہے ۔ کیونکہ وہ شخص رشوت لے کر اس منصب کا غلط فائدہ اٹھا رہا ہے ۔ جبکہ وہ مقام اس کے لئے ایک امانت تھا ، اور رشوت لے کر اس نے امانت میں خیانت کی ، اس لئے خیانت کے بعد وہ اس منصب کے لائق نہیں رہا ۔

معزولی کے بعد ، اس سزا پر مستزاد یہ کہ اس شخص کو ان حقوق سے محروم کر دیا جائے گا ۔ جو حکومتیں افراد کو مہیا کرتی ہیں ، جیسے قرض کی سہولتیں ، کٹوتی کی رعایتیں ، اور دوسری آسانیاں ، یہ سزائیں اسے اس لئے دی جائیں گی تاکہ جس کے نفس نے اسے فریب میں مبتلا رکھا ، اور جو فاسد نفسانی خواہشات میں پڑ کر لوگوں کے حقوق کو رائیگاں کیا ، اسے اذیت اور تکلیف پہونچ سکے ۔

دوبارہ رشوت لینے کی سزا

قانون داں اس بات کے قائل ہیں کہ اگر رشوت خور نے دوبارہ اس جرم کا ارتکاب کیا ، تو اسے دوبارہ سزا دی جائے[2] گی ، میں سمجھتا ہوں کہ فقہاء کے نزدیک بھی دوبارہ کئے جانے کی تعریف یہی ہے ، اس لئے کہ انہوں نے بھی ہر اس مجرم کو دوبارہ سزا دینے کی تائید کی ہے ، جو پہلی بار جرم[3] سے باز نہ آئے ۔

---

[1] جامع الفصولین ج ۱ ص ۱۲ ، رد المحتار علی الدر المختار ج ۴ ص ۳۰۶ ،

[2] الجریمہ والعقوبہ لابی زہرہ ج ۱ ص ۳۱۶ ، [3] الاحکام السلطانیہ لابی یعلی ص ۲۴۳ ، حاشیہ

دوبارہ سزا کے وقت ہر اس مجرم کو سخت سزا دی جائے گی، جس نے پہلے بھی اس جرم کو کیا، اور اس کا شر پھیلتا گیا، اس کو روکنے کی ذمہ داری بڑھتی گئی، ایسے وقت میں یہ ضروری ہے کہ پہلی سزا سے کہیں زیادہ سخت سزا اسے دی جائے، کیونکہ پہلی مرتبہ کی سزا پر وہ تائب نہیں ہوا۔ حالانکہ جو کچھ ہوا، اس پر اسے نادم ہونا تھا، اور یہ تہیہ کر لینا تھا کہ اب سے دوبارہ یہ گناہ اس سے سرزد نہ ہو، اور آئندہ اس قسم کی حرکت نہ کرے، اس سب کے باوجود اگر اس نے اس کوتاہی کا ارتکاب کیا تو اس تکرار پر سزا میں بھی سختی کی جائے گی، کیونکہ نفس کو اس نے شرارت میں ڈبو دیا، اور اپنے آپ کو خطاؤں میں غرق رکھا۔[1]

زمین میں فساد برپا کرنے والوں کے لئے تعزیرات کا دروازہ چوپٹ کھلا ہوا ہے، خاص طور پر ان تمام لوگوں کے لئے بھی جو ایک قسم کے جرائم کو بار بار دوہراتے ہیں، یا مختلف جرائم ایک ساتھ کئے جاتے ہیں۔ تعزیر کی صفت یہ ہے کہ اس کی کوئی حد یا مقدار نہیں ہوتی، کبھی سخت سے سخت تعزیر یہ ہوتی ہے کہ مجرم کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ تاکہ بگاڑ اور شر و فساد کی جڑیں کٹ کر رہ جائیں۔[2]

دوبارہ جرم کے ارتکاب کا موضوع فقہاء کے نزدیک شدت سے زیر بحث رہا ہے، بعض اقوال ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔

۱۔ مدعا علیہ ملزم اگر شریف آدمی ہے، اور لوگوں میں اس کی وقعت رہی ہے، تو میری نظر میں مستحسن یہ ہے کہ اگر اس نے پہلی بار اس حرکت کو کیا، تو میں اسے تعزیر نہیں کروں گا۔

"گذشتہ سے پیوستہ" ابن عابدین ج ۳ ص ۱۸۰۔ نہایۃ المحتاج لشرح المنہاج ج ۷ ص ۱۷۵۔ السیاسۃ الشرعیہ لابن تیمیہ ص ۱۱۲۔ "

[1] الجریمۃ والعقوبۃ لابی زہرہ ج ۱ ص ۳۱۷، ۳۱۸۔

[2] ایضاً ج ۱ ص ۳۳۲۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

تَجَافَوْا عَنْ عُقُوْبَةِ ذِي الْمُرُوْءَةِ إِلَّا فِي الْحُدُوْدِ — شریف آدمی کے ساتھ حدود کے علاوہ دیگر سزاؤں میں درگذر سے کام لو[1]۔

بعض یہ کہتے ہیں کہ اسے نصیحت کی جائے گی تاکہ وہ دوبارہ یہ حرکت نہ کرے، اس سبب کے باوجود اگر اس نے دوبارہ وہی گناہ کیا، تو اسے تعزیر کی سزا دی جائے گی، کیونکہ دوبارہ جرم کے ارتکاب سے اس نے ثابت کر دیا کہ اس کا شمار اشراف اور بامروت لوگوں میں نہیں[2]،

۲۔ ابن عبدالسلام نے فتویٰ جاری کیا ہے کہ جو شخص لوگوں کے خلاف کثرت سے جرائم کرتا ہے، اور تعزیری سزا سے باز نہیں آتا، ایسے شخص کو تاحیات قید کر دیا جائے گا[3]،

۳۔ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب: السیاسۃ الشرعیہ میں لکھا ہے۔ اگر تعزیری سزا یافتہ عادی مجرم ہے۔ تو اس کی سزاؤں میں اضافہ کر دیا جائے گا، اور جو عادی نہیں، بلکہ اس سے یہ حرکت کم سرزد ہوئی ہے۔ ایسے مجرم کو کم سزا دی جائے گی، یوں ہی گناہ جتنا ہلکا یا بھاری ہو اسزا میں اس کے لحاظ سے سختی یا نرمی برتی جائے گی، بنابریں جو مجرم لوگوں کی بہو بیٹیوں کو چھیڑتا ہو۔ ان کے بچوں کے پیچھے پڑ جاتا ہو، ایسے مجرم کو اس کی بہ نسبت زیادہ سخت سزا دی جائے گی، جس نے پہلی ہی بار کسی عورت یا بچہ کے ساتھ چھیڑ خوانی[4]

---

[1] احمد، ابوداؤد، نسائی، بیہقی نے اس حدیث کو عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

[2] حاشیہ ابن عابدین ج۳ ص۱۸۴،

[3] نہایۃ المحتاج شرح المنہاج ج۸ ص۱۵،

[4] الحسبۃ لابن تیمیہ ص۳۹،

کی ہو، کیونکہ ان سزاؤں کا مقصد عبرت اور سرزنش ہے۔

علامہ موصوف نے یہ بھی کہا ہے کہ: جو شخص زمین میں فتنہ انگیزی سے باز نہ آئے اور قتل کئے بغیر کوئی چارہ نہ ہو، ایسے مجرم کو قتل کر دیا جائے گا۔ جیسے مسلمانوں کا شیرازہ جو شخص منتشر کرنے کے درپے ہو[1] اسے قتل کر دیا جاتا ہے۔

آپ نے یہ بھی کہا ہے کہ شرابی کو چوتھی مرتبہ پینے پر قتل کر دیا جائے گا، کیونکہ اس نے جرم کو بار بار کیا۔ اس کی دلیل امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول مسند کی وہ روایت ہے، جو دیلم حمیری سے منقول ہے، انہوں نے کہا: میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم ایسے علاقے میں رہتے ہیں کہ جہاں ہمیں سخت کاموں سے دوچار ہونا پڑتا ہے، اور اس کے لئے ہمیں گیہوں کی شراب بنانی پڑتی ہے، تاکہ ہمیں کاموں کے لئے کچھ چستی پیدا ہو۔ اور اپنے علاقے کی سردی پر قابو پا سکیں، آپ نے پوچھا! آیا اس سے نشہ ہوتا ہے۔؟ انہوں نے عرض کیا، ہاں! آپ نے فرمایا، پھر اس سے پرہیز کرو۔ راوی کہتے ہیں: میں نے عرض کیا، حضور! لوگ تو چھوڑ نہیں رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر وہ نہ چھوڑیں تو انہیں قتل کر دو[2]۔ یہ اس لئے بھی کہ فسادی حملہ آور کی طرح ہوتا ہے۔ حملہ آور اگر باز نہ آئے اور قتل کرنا ناگزیر ہو، تو اسے قتل کر دیا جائے گا[3]۔

۴۔ ابو یعلی الحنبلی کہتے ہیں، جو مجرم بار بار جرم کرے، اور سزا کے باوجود، باز نہ آئے اور لوگوں کو اس کے جرائم سے اذیت پہونچے، تو امیر کو اس کی اجازت ہے۔ کہ اسے موت

---

[1] الحسبۃ لابن تیمیہ ص ۲۹۔

[2] ترمذی۔ نیل الاوطار ج ۷، ص ۱۵۵، ۱۵۶

[3] السیاسۃ الشرعیہ لابن تیمیہ ص ۱۱۶۔

تک دائمی قید کی سزا دے[1]۔

۵ . صاحب کشاف القناع کہتے ہیں، اگر سزا سے مقصد مفاسد کا دفعیہ ہو، لیکن سزا دینے کے باوجود بغیر قتل کے رفع فساد نہ ہوتا ہو، تو مجرم کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ کیونکہ ان حالات میں جس مجرم سے فساد کی نوعیت میں مسلسل اضافہ ہو، اور مقررہ حدود سے مجرم باز نہ آتا ہو۔ بلکہ اس کی سرکشی اور اس سے پیدا ہونے والا فساد جاری و ساری ہو، تو اس کی حیثیت حملہ آور کی سی ہوگی، حملہ آور بھی قتل کئے بغیر باز نہ آئے، تو اس کو مار ڈالا جائے گا[2]۔

صورت مذکورہ میں دوبارہ جرم رشوت کے ارتکاب پر ہم بھی تعزیر میں شدت کی سفارش کرتے ہیں۔ اور پہلی سزا سے زائد سزا کی تائید کرتے ہیں، تاکہ مجرم جرم سے بچے، اور اگر مجرم اشراف سے تعلق رکھتا ہو، تب بھی دوبارہ جرم پر اسے سزا دی جائے گی، کیونکہ دوبارہ ارتکاب کی وجہ سے اب وہ اشراف میں شامل نہیں رہا[3]۔

ـــــــــــــ

[1] الاحکام السلطانیہ لابی یعلیٰ ص۲۴۳

[2] کشاف القناع عن متن الاقناع ص۱۲۴ ج۶ ۔

[3] السیاسۃ الجنائیۃ لاحمد بہنسی ص۱۹۶ قدرے تصرف کے ساتھ ۔

باب سوم

جرم رشوت کے اثرات

اس باب میں تین فصلیں ہیں۔

پہلی فصل:۔ قاضی کے فیصلہ کرنے میں جرم رشوت کا اثر، عزل ونصب اور تحصیل منافع پر رشوت کے اثرات

دوسری فصل:۔ رشوت لینے والے کا رشوت پر مالکانہ تصرف، اس کا اثر، اور اس رشوت سے متعلق عقد یا تصرف کو کر گذرنے پر رشوت کے اثرات،

تیسری فصل:۔ رشوت دینے والے کی ملک سے رشوت کے نکل جانے میں رشوت کا اثر، اور کیا اگر رشوت دینے والا جاننا چاہتا ہے، تو رشوت اسے لوٹا دی جائے گی؟

(پہلی فصل)

قاضی کے فیصلہ کرنے میں جرم رشوت کے اثرات، عزل ونصب اور تحصیل منافع پر رشوت کے اثرات

اول۔ قاضی کے فیصلہ میں جرم رشوت کا اثر

منصب قضاء پر کسی ایسے ہی آدمی کو فائز کیا جاتا ہے، جس کے اندر عدل وانصاف کی صفت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہو، اور اس کی امتیازی شان یہ ہو کہ وہ جذبات اور احساسات سے بالاتر ہو کر محض اللہ کے لئے فیصلے کرے، تاکہ مجلس قضا میں فریقین کے درمیان حق، صداقت اور انصاف جاری وساری ہو۔ اب اگر رشوت بیچ میں گھس آئے تو ظاہر ہے اس کے نتیجہ میں یہ عظیم صفت زائل ہو جائے گی، اور اس کی جگہ فسق وفجور کا دور دورہ ہوگا، اور قاضی ذاتی اور شخصی مصلحت اور خواہشات کے تحت فیصلہ کرے گا خود رشوت لے گا۔ یا اس کا بیٹا یا اس سے متعلق کسی کوئی خویش وعزیز رشوت ستانی کا جرم کرے گا، اور قاضی بھی اس سے فائدہ اٹھائے گا۔

رشوت ستانی کے اس وقوعہ کے بعد یا کسی اور جرم کے ارتکاب کے بعد کیا قاضی صحیح فیصلہ دے گا۔ کیا اس کا فیصلہ نافذ ہونے کے لائق ہوگا۔ یا رشوت ستانی کا اس پر نمایاں اثر ہوگا۔؟ اس کا جواب دینے کے لئے ذیل میں مختلف نقطۂ نظر پیش کئے جاتے ہیں۔

پہلا مسلک:۔

رشوت ستانی کا واقعہ جس مقدمہ میں رونما ہو، اس مقدمہ یا دوسرے کسی مقدمہ

میں اس قاضی کا فیصلہ نفاذ کے لائق ہوگا۔ بشرطیکہ فیصلہ کی شرائط سب درست ہوں، اس قول کو امام بزدوی نے اختیار کیا ہے[1]۔ یہ تو ہوا۔ ساتھ ہی علامہ ابن عابدین نے اپنی کتاب ردالمختار، علی الدر المختار میں اس قول کی تائید کی ہے۔ اور قاضی کے حکم کے نفاذ کی بابت کلام کرتے ہوئے کہا ہے:" اس زمانے میں اس قول پر مجبوری کے تحت اعتماد کرنا ہوگا، ورنہ موجودہ بیشتر وقوع پذیر مقدمات کے فیصلے ٹوٹ جائیں گے۔ کیونکہ آج کونسا ایسا قضیہ ہے جس میں قاضی رشوت نہ لیتا ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کا نام یافت، محصول، یا کچھ اور رہوتا ہے۔ غرض فیصلہ سے پہلے یا بعد میں اس کا ارتکاب کیا جاتا ہے، لہٰذا اگر فیصلے نافذ العمل نہ مانے جائیں، تو سارے احکام ٹوٹ کر رہ جائیں گے"[2]

کتاب: "العقود الدریہ" میں لکھا ہے کہ جمال الدین بزدوی نے کہا: میں اس مسئلہ میں حیران اور ششدر رہوں، میں کیسے کہہ سکتا ہوں، کہ ان کے احکام جاری اور نافذ ہوں گے؟ کیونکہ میں ان کے اندر خلط ملط کرنے اور دیدہ دلیری اور جہالت سب کچھ کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہوں، ساتھ ہی میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا ہوں کہ ان کے احکام نافذ نہیں ہوں، کیونکہ ہمارے اہل زمانہ سب ایسے ہی ہیں۔ اگر ان کے احکام کے باطل ہونے کا اعلان کر دیا جائے، تو اس سے جملہ احکام ہی ٹوٹ جائیں گے۔ ہمارے اور ہمارے زمانے کے ان قاضیوں کے درمیان اللہ تعالیٰ

---

[1] فتح القدیر ج ۵ ص ۴۵۵، معین الحکام ص ۹، جامع الفصولین ج ۱ ص ۱۳، شرح الکنز لمحمود العینی ج ۲ ص ۸۳۔ حاشیہ ابن عابدین ج ۵ ص ۳۶۲، المسئولیۃ الجنائیہ فی الفقہ الاسلامی ص ۸۰، الاصول القضائیہ فی المرافعات الشرعی لعلی قراعہ ص ۳۲۲،

[2] ج ۴ ص ۳۰۲، المسئولیۃ الجنائیہ فی الفقہ الاسلامی ص ۸۰، الاصول القضائیہ فی المرافعات الشرعیہ ص ۳۲۲،

ہی بہتر فیصلہ کر سکتا ہے۔ کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں، جنہوں نے ہمارے دین کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو تہس نہس کر دیا ہے۔ اور آج اس کا صرف نام اور کچھ رسمیں باقی رہ گئی ہیں[1]۔

کتاب "لسان الحکام" میں قاضیوں کی رشوت ستانی کے تذکرے کے بعد لکھا ہے "فاسق کو جب منصب قضاء دیا جائے گا۔ تو وہ قاضی ہو جائے گا۔ اور ایسا قاضی جس قسم کا حکم دے گا۔ نافذ ہو گا۔ البتہ دوسرے قاضی کو اس کا فیصلہ توڑ دینے کا اختیار ہو گا۔ جبکہ اس قضیہ میں پہلے قاضی کا فیصلہ اس کی رائے سے ٹکراتا ہو گا۔ دوسرا قاضی جب پہلے قاضی کے فیصلہ کو باطل قرار دے گا۔ تو اب کسی اور قاضی کو اس کے نفاذ کی اجازت نہیں ہو گی"[2]۔

اس مسلک کے ماننے والوں کی دلیلیں

۱۔ فاسق رشوت ستانی کے باوجود قضاء کا اہل ہے، کیونکہ اگر عدالت کا اعتبار کیا گیا تو قضاء کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ لہٰذا اس کا فسق اس کی معزولی کا باعث نہ ہو گا۔ بنابریں اس کی ذمہ داری برقرار ہو گی۔ اس کا قضاء پر فائز ہونا برحق ہو گا، پھر آخر اس کا فیصلہ نافذ کیوں نہیں ہو گا۔؟ بالخصوص اس لئے کہ اس کا یہ فسق اتنا اثر انداز نہیں، کیونکہ اس نے جو کچھ کیا، اس کی انتہائی صورت حال یہ ہے کہ رشوت لے کر اس نے اپنا ایک ذاتی کام کیا، جبکہ قضا کا جو کام وہ کر رہا ہے، اللہ کے لئے کر رہا ہے[3]۔ اس سے یہ تو ثابت ہوتا ہے

---

[1] العقود الدریۃ ج۱ ص۲۷۔ حاشیہ ابن عابدین ج۵ ص۳۶۳۔ المسئولیۃ الجنائیۃ فی الفقہ الاسلامی ص۸۔ [2] لسان الحکام فی معرفۃ الاحکام ص۶۔ [3] حاشیہ ابن عابدین ج۵ ص۳۶۳، المسئولیۃ الجنائیۃ فی الفقہ الاسلامی ص۸، الاصول القضائیۃ فی المرافعات الشرعیۃ ص۳۳۲۔

کہ رشوت لینا حرام ہے۔ لیکن یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس قاضی کو معزول کر دیا جائے، یا اس کا فیصلہ ناقابل نفاذ ہو۔

۲۔ جس شخص نے رشوت ستانی کا ارتکاب کیا، اگر فریقین اس کے سامنے اپنا مقدمہ لے جائیں، تو ان کا حکم بن سکتا ہے۔ اور جب رشوت خور حکم (ثالث) بن سکتا ہے، تو قاضی بھی[1] بن سکتا ہے۔

اس نقطہ نظر پر مباحثہ

اس نقطہ نظر کے حاملین پر یہ اعتراض واقع ہو سکتا ہے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک صحت قضاء کے لئے عدالت شرط ہے۔ اور راجح قول بھی یہی ہے۔ اس لئے فاسق خصوصاً رشوت خور فاسق کا قاضی بنایا جانا درست نہیں ہے۔

رہا یہ قول کہ اگر عادل ہونے کا اعتبار کیا گیا، تو قضاء کا دروازہ بند ہو جائے گا، تو یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ عدل پرور اور انصاف پسند قاضی بھی ہر زمانے میں پائے جاتے ہیں۔ ان کے ہوتے ہوئے کسی فاسق کو اس منصب پر کیونکر فائز کیا جائے گا؟ اور اگر فرض کر لیا جائے کہ عادل قاضی نہیں پائے جاتے تو جو کم سے کم فاسق ہوں، انہیں ذمہ داری سونپ دی جائے گی، کیونکہ ضرورت بقدر مجبوری ہوا کرتی ہے۔ لیکن اس سبب کے باوجود اکثر علماء کے نزدیک فسق، عزل کا باعث ہوتا ہے، اور مصلحت بھی چھوڑے رکھنے میں نہیں، بلکہ معزول کر دینے میں ہے، تاکہ اس کے فسق کا سلسلہ دراز نہ ہو، اور لوگ ظلم وستم کا شکار نہ ہوتے رہیں۔

اور ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول کہ: "خاص یہ فسق انتہائی[اُ] انداز نہیں" باطل ہے، کیونکہ آخر وہ بھی اس کی اپنی ذاتی غرض ہے۔[2]

---

[1] حاشیہ ابن عابدین ص۴۲۸ ج۵ تھوڑے تصرف کے ساتھ۔ [2] ایضاً ص۳۶۳۔

یہ تو ہوا، اور دوسری دلیل پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ قاضی کو اس کا منصب اسے حکم مان کر، یا خود مختار سمجھ کر نہیں دیا گیا، بلکہ یہ سمجھ کر دیا گیا کہ فیصلہ کو لازمی طور پر نافذ کرے گا، اور عام طور پر ہر مدعا علیہ اپنی مرضی اور اختیار سے عدالت میں حاضر نہیں ہوتا، بلکہ بارسوخ لوگوں کے دباؤ یا جبر کے زور سے حاضر ہوتا ہے۔ اس صورت میں قاضی حکم نہیں ہوتا، جس کے فیصلہ کو قبول کرنا یا چھوڑ دینا فریقین کے لئے لازمی ہو، کیا یہ نہیں دیکھا جاتا کہ "بیع" ابتداء سے لین دین کی شکل میں منعقد ہوتی ہے۔ لیکن اگر اس سے پیشتر بیع میں کوئی فساد یا بطلان طاری ہوا، اور اس کے فوری بعد لین دین کا عمل مرتب ہوا، تو اب بھی بیع منعقد نہیں ہوگی، کیونکہ وہ ایک اور سبب پر مرتب ہوئی ہے۔ یہی حال[1] یہاں ہوگا۔

اور یہ جو اس نقطہ نظر کی تائید میں ابن عابدین[2] رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ "اس زمانے میں اس قول پر مجبوری کے تحت اعتماد کرنا ہوگا، ورنہ موجودہ بہت سارے مقدمات کے فیصلے ٹوٹ جائیں گے، کیونکہ آج کونسا ایسا قضیہ ہے، جس میں قاضی رشوت نہ لیتا ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کا نام یافت، محصول، یا کچھ اور ہوتا ہے، غرض فیصلہ سے پہلے یا بعد میں اس کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اگر فیصلے نافذ العمل نہ مانے جائیں تو جملہ احکام ٹوٹ کر رہ جائیں گے"۔ یہ قول رد کئے جانے کے لائق اور میری نظر میں قابل گرفت ہے، کیونکہ اگر کسی فیصلہ میں حق سبحانہ وتعالیٰ کے حکم کے بجائے کسی اور کا حکم چلایا جائے تو ہم بھلا اسے کیونکر تسلیم کریں گے۔ پھر ہمارا فرض ہے کہ اس فاسد عضو اور بگڑے ہوئے پرزے کی اصلاح ودرستی کریں اور جس نے رشوت کا ارتکاب کیا، اسے سزا دیں، اور اس کے فیصلہ کو توڑ دیں۔

---

[1] حاشیہ ابن عابدین ص ۴۲۸ ج ۵۔

[2] ایضاً ص ۳۶۳ ج ۵۔

تاکہ رشوت لینے والے اور دینے والے کو معلوم ہو جائے کہ اس قسم کے احکام کا انجام بالآخر ٹوٹ پھوٹ پر ختم ہوتا ہے۔ اور اگر ایسا ہوا تو رشوت دینے والا نہ رشوت دینے کی جرأت کرے گا، نہ ہی لینے والا رشوت لینے کی جسارت کرے گا۔ ساری امت کی مصلحت بھی اسی میں ہے۔ کہ جس فیصلہ میں رشوت کا لین دین ہو خواہ ان کی کتنی ہی کثرت کیوں نہ ہو۔ ان کو توڑ دیا جائے گا، تاکہ قاضی اور رشوت دینے والے کا منصوبہ خاک میں مل جائے اور منصوبہ ناکام بنا دینے کی سزا فقہاء کے نزدیک بھی راجح ہے۔ جیسے مرض وفات میں کوئی شوہر اگر اس لئے اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے، تاکہ اس کے مرنے کے بعد اس کی بیوی اس کی وارث نہ ہو سکے، تب بھی فقہاء بیوی کو اس کا وارث تسلیم کرتے ہیں، خواہ یہ بیوی اس کی مطلقہ کیوں نہ رہی ہو، اسی طرح زیر بحث مسئلہ میں جو کوئی حقدار کو اس کے حق سے محروم کرنا چاہے، اس کے ارادے میں اسے ناکام بنا دیا جائے گا۔

یہ ایک رہی۔ مزید برآں علی قراعہ نے اپنی کتاب "الاصول القضائیہ فی المرافعات الشرعیہ" میں لکھا ہے[1]" جس کا متن حسب ذیل ہے۔

"علاوہ ازیں! ابن عابدین کی ذکر کردہ علت آج ہمارے زمانے میں اگرچہ پائی نہیں جاتی، کیونکہ ہمارے فیصلوں میں استقامت غالب ہے، اور اکثر فیصلے رشوت ستانی کے نقائص سے پاک صاف ہوتے ہیں، لیکن پھر بھی یہ تمیز کرنا خاصا مشکل کام ہے۔ کہ کونسا فیصلہ رشوت کی بنیاد پر ہوا، اور کون سا فیصلہ رشوت کی بنیاد پر نہیں ہوا، اسلئے یہی پہلا قول دیگر اقوال کے مقابلہ میں راجح ہوگا۔ ورنہ فیصلوں میں شک پیدا ہوگا۔ کہ وہ نافذ ہیں، یا نافذ نہیں، اور اس میں جو مضرت ہوگی، وہ پوشیدہ نہیں ہے"

---

[1] ص ۳۲۲

اس سلسلے میں میرا جواب یہ ہے کہ ہم اپنے علم کی بقدر مکلف ہیں، اور ہمیں اتنا معلوم ہو گیا ہے کہ فلاں معاملہ میں قاضی نے رشوت لی ہے۔ اور جو بات پہلے سے ہمیں معلوم نہ ہو، تلاش و تفتیش اور غور و فکر کے بعد ہم اس کو معلوم کر سکتے ہیں، اس لئے قاضی کے بارے میں اصل حال یہ ہے کہ وہ راست، اور عادل ہے۔

دوسرا مسلک

کسی مقدمہ میں قاضی رشوت لے کر فیصلہ کرے تو اس قضیہ میں اس کا فیصلہ نافذ[1] نہیں ہوگا۔ خواہ اس کا فیصلہ حق پر مبنی کیوں نہ رہا ہو، یا اس کا بیٹا یا اس کے کسی معاون نے رشوت لی ہو۔ اور قاضی کو معلوم ہو، اس طرح اگر اس نے فیصلہ میں ایسا کوئی حیلہ کیا کہ اس مقدمہ کو کسی ایسی عدالت میں بھیجا۔ جہاں متعلقہ آدمی کے مسلک کے مطابق فیصلہ ہو، تب بھی اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا۔ شمس[2] الائمہ اور خصاف[3] نے اسی کو اختیار کیا ہے، اس مسلک کی مزید وضاحت کے لئے ذیل میں بعض فقہی کتابوں کے مزید حوالے درج کئے جاتے ہیں۔

۱؎ بدائع الصنائع ص۸ ج۷، فتح القدیر ص۴۵۵ ج۵، الفتاوی الہندیہ ص۲۱۴ ج۳، البنایہ شرح الہدایہ ص۲۶۹ ج۳، معین الحکام ص۹، جامع الفصولین ص۱۴ ج۱، شرح الکنز لمحمود العینی ص۸۳ ج۲، لسان الحکام فی معرفۃ الاحکام ص۶، حاشیہ ابن عابدین ص۳۶۲ ج۵، المسئولیۃ الجنائیۃ فی الفقہ الاسلامی ص۸۰، الاصول القضائیہ فی المرافعات الشرعیہ ص۲۳۲، الاحکام مما یتعلق بالقضاء والحکام ص۸۔

۲؎ فتح القدیر ص۴۵۵ ج۵

۳؎ الفتاوی الہندیہ ص۲۱۴ ج۳۔ شرح الکنز لمحمود العینی ص۸۳ ج۲

۱۔ شرح الکنز میں نیشاپوری[1] سے منقول ہے، "جب قاضی نے رشوت لی، اور رشوت دینے والے کے حق میں صحیح فیصلہ کیا، جس میں ظلم کا شائبہ بھی نہیں، تب بھی اس کا فیصلہ باطل ہوگا، اور کسی قاضی کو اس کے فیصلہ کے نفاذ کا حق نہیں ہوگا۔ اور اس کو رد کر دے گا۔ اس لئے کہ رشوت لینے والے کا عادل ہونا جاتا رہا۔

۲۔ فتاویٰ ہندیہ میں — یہ بتانے کے بعد کہ اس مسلک کو سرخسی نے اختیار کیا ہے، یہ لکھا ہوا ہے کہ اگر قاضی کے بیٹے نے رشوت لی، یا اس کے کسی معاون نے ایسی کوئی حرکت کی تو اگر قاضی کا حکم یا اس کی رضامندی اس میں شامل ہے، تو ان کا رشوت لینا قاضی کا رشوت لینا تصور کیا جائے گا۔ اور اس کا فیصلہ رد ہوگا۔ اور اگر قاضی کو اس کا علم نہیں، تو اس کا فیصلہ نافذ ہوگا۔ اور رشوت لینے والے نے جس قدر رشوت لی ہوگی، اتنا اسے واپس[2] کرنا ہوگا۔

۳۔ فتح القدیر میں ہے، اگر قاضی نے رشوت لی، پھر اسے کسی (دوسرے مسلک کے قاضی جیسے) شافعی کے پاس بھیجا، تاکہ وہ اس کے حق میں فیصلہ کر دے، تو اس دوسرے قاضی کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا۔ کیونکہ پہلے قاضی نے رشوت لے کر جانب داری برتی[3]۔

دلائل

۱۔ جب قاضی رشوت لے کر فیصلہ کرتا ہے، تو وہ اپنے حق میں فیصلہ صادر کرتا ہے۔ نہ کہ اللہ کے لئے فیصلہ کرتا ہے، اس لئے اس کا فیصلہ صحیح نہیں ہوگا[4]۔

---

[1] المحمود العینی ص ۴۳ ج ۲   [2] ص ۲۱۴ ج ۳، معین الحکام ص ۹، جامع الفصولین ج ۱ ص ۱۴

[3] ص ۴۵۵ ج ۵، معین الحکام ص ۹، جامع الفصولین ج ۱ ص ۱۴، لسان الحکام فی معرفۃ الاحکام ص ۶

[4] بدائع الصنائع ج ۷ ص ۹، الاصول القضائیہ فی المرافعات الشرعیہ ص ۳۳۳۔

۲۔ قاضی کو حق کے ساتھ فیصلہ کرنا چاہئے، اور حق کی خاطر فیصلہ کرنے کے لئے مال لینا حلال نہیں ہے[1]۔ اور کسی قضیہ میں جس میں مال لے کر فیصلہ کرنا حلال نہ تھا، جب اس نے مال لے کر فیصلہ کیا، تو اس کی نا اہلیت ثابت ہوئی، لہٰذا اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا۔ کیونکہ قاضی نا اہل رہا، اور اگر اس نے کوئی باطل آمیز فیصلہ کیا۔ تو وہ اور بھی بُرا ہوگا۔

۳۔ اس بات پر اجماع منعقد ہے کہ قاضی جس معاملہ میں رشوت لے لیتا ہے، اور فیصلہ کر دیتا ہے۔ اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہوتا[2]۔

بحث تمحیص

پہلی دلیل میں یہ جو کہا گیا کہ "اس کا فیصلہ صحیح نہیں ہوگا" میں اس کے جواب میں کہوں گا، کہ ہاں اس کا فیصلہ صحیح نہیں ہوگا۔ لیکن اس کے وہی فیصلے صحیح نہیں ہوں گے، جو رشوت ستانی کے بعد صادر ہوئے کیونکہ اب اس قاضی پر یہ الزام ہے کہ وہ فیصلہ کرنے میں جانب داری برتتا ہے، اور اپنے لئے فیصلہ کرتا ہے۔ اور جو کوئی ایک مرتبہ اپنے لئے فیصلہ کرتا ہے، آئندہ بھی لامحالہ اپنے لئے ہی فیصلہ کرے گا، اور جانبداری برتے گا۔

دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ اس مقدمے میں جب وہ اہل نہ رہا، تو دیگر مقدمات میں بھی نا اہل ہی ہوگا۔ اس لئے اس کے فیصلے نافذ نہیں ہوں گے۔ نیز اس لئے بھی کہ رشوت ستانی کے بعد یہ شخص خیانت کا مرتکب ہوتا ہے، لہٰذا اس کی منصب قضاء پر تقرری ٹوٹ جائے گی، اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کے فیصلے بھی لائق نفاذ نہیں رہیں گے۔

---

[1] فتح القدیر ج ۵ ص ۴۵۵۔

[2] حاشیہ ابن عابدین ج ۵ ص ۳۶۳۔ المسئولیۃ الجنائیۃ فی الفقہ الاسلامی ص ۳۰۸، الاحکام مما یتعلق بالقضاء والحکام ص ۳۰۔

رہا یہ کہنا کہ اس پر اجماع ہوا ہے، باطل ہے، جیسا کہ امام بزدوی کے مسلک سے معلوم ہوتا ہے، امام موصوف کا مسلک یہ ہے کہ قاضی کے حق پر مبنی تمام فیصلے نافذ ہوں گے. خواہ وہ رشوت لے کر کیوں نہ فیصلہ کرتا ہو. صاحب الفتح نے بزدوی کی اس رائے کو بہتر قرار دیا ہے، اس لئے اجماع نہیں رہا [۱]۔!

تیسرا مسلک

یہ ہے کہ جس مقدمہ میں اس نے رشوت لی، اور اس کے علاوہ جس میں رشوت نہ لی اس کے تمام فیصلے نافذ نہیں ہوں گے [۲]، یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک [۳] ہے۔ اسی کو قرطبی نے اختیار کیا [۴]، مالکیہ کا صحیح مسلک بھی یہی ہے [۵]، اور یہی حنابلہ کا مسلک [۶] ہے۔

یہ تو ہوا — اور میری نظر میں زیادہ نمایاں بات یہی ہے، کہ جو احکام باطل ہوں گے، خواہ ان میں رشوت نہ لیا ہو — یہ وہی احکام ہوں گے. جن کے فیصلے اس نے رشوت لینے کے بعد صادر کئے، یہاں ان احکام سے بحث نہیں کی گئی ہے. جو رشوت ستانی سے پہلے جاری

---

[۱] حاشیہ ابن عابدین ص ۳۶۳ ج ۵ قدرے تصرف کے ساتھ، المسئولیۃ الجنائیۃ فی الفقہ الاسلامی ص ۸۰۔ [۲] فتح القدیر ص ۴۵۵ ج ۵، معین الحکام ص ۹، جامع الفصولین ص ۱۴ ج ۱، شرح الکنز لمحمود العینی ص ۸۲ ج ۲، حاشیہ ابن عابدین ص ۳۶۳ ج ۵، المسئولیۃ الجنائیۃ فی الفقہ الاسلامی ص ۸۰، الاصول القضائیہ فی المرافعات الشرعیہ ص ۳۳۲، قرۃ عیون الاخیار ص ۲۷ ج ۱، حاشیۃ الرہونی ص ۲۸ ج ۷، احکام القرآن للجصاص ص ۸۵ ج ۴ قدرے تصرف کے ساتھ۔

[۳] البنایہ شرح الہدایہ ص ۲۶۹ ج ۶، الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ص ۱۸۳ ج ۶۔

[۴] الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ص ۱۸۳ ج ۶۔ [۵] التبصرۃ لابن فرحون ص ۱۶ ج ۱،

"بقیہ اگلے صفحہ پر"

کئے گئے، یہی قول اس مسلک کی دلیل سے میل کھاتا ہے۔ شرح کنز کے اس متن سے ہمارے اس قول کی مزید تائید ہوتی ہے کہ: "حسن بن زیاد کے رسالہ" قاضی کے آداب "میں لکھا ہے کہ ایک قاضی جو مدتوں منصب قضاء پر عدل وانصاف کے ساتھ فائز رہا۔ لیکن اس کے بعد اس نے رشوت لے کر فسق کیا، اور اس کا حال یہ ہے کہ فاسق ہونے سے پہلے اس نے بہتیرے مقدمات کے فیصلے کئے، اور فاسق ہونے کے بعد بھی بہت سارے مقدموں کا فیصلہ کیا، تو فسق سے پیشتر کے جملہ فیصل شدہ مقدمات نافذ ہوں گے۔ لیکن فسق کے بعد تمام مقدمات باطل قرار پائیں گے[۱]۔

بنایہ شرح ہدایہ میں ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ اگر کسی قاضی نے ایک زمانے تک لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا، اور بہتیرے مقدمات فیصل کئے، وہ جب سے اس منصب پر فائز ہوا۔ اس وقت سے فاسق اور رشوت خور ہے، تو جن قاضی کی عدالت میں اس کے مقدمات پیش ہوں گے، انہیں چاہئے کہ اس قاضی کے ایک ایک فیصلہ کو توڑ کر باطل قرار دیں[۲]۔

امام ابوحنیفہؒ کے اس قول پر رائے زنی کرتے ہوئے قرطبیؒ نے کہا ہے۔ خدا نے چاہا، تو اس قول سے کوئی شخص اختلاف نہیں کرے گا۔ کیونکہ اس کی رشوت ستانی کا فعل فسق تھا۔ اور فاسق کا حکم جائز نہیں ہے[۳]۔

.. بقیہ حاشیہ .. ۶ مطالب لاولی النہی فی شرح غایۃ المنتہی ص ۴۶۸ ج ۶۔

۱ شرح الکنز لمحمود العینی ص ۸۲ ج ۲۔

۲ جلد سوم ص ۲۹۹۔ شرح الکنز لمحمود العینی ص ۸۲ ج ۲۔

۳ الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ص ۱۸۳۔

دلائل

قاضی عدل اور انصاف پسندی کی بنیاد پر اس منصب پر فائز ہوتا ہے، لیکن جب وہ رشوت لیتا ہے، تو شرط ٹوٹ جاتی ہے۔ اور اس کا حکم باطل ہو جاتا ہے، خواہ اس کا یہ حکم حق کے موافق ہو یا موافق نہ ہو۔[1] باطل اس لئے ہوتا ہے کہ فیصلہ ایسے فرد سے صادر ہوتا ہے، جو اس ذمہ داری کا اہل نہیں۔[2] کیونکہ رشوت ستانی کی وجہ سے وہ معزول ہو چکا اور یہ ایسا ہوا جیسے کوئی نماز، زکوٰۃ روزے، اور حج وغیرہ کی ادائیگی پر اجرت وصول کرے۔[3]

راجح قول

گزشتہ بحث تحیص سے میرے نزدیک یہ واضح ہو جاتا ہے کہ میں اسی تیسرے مسلک کو ترجیح دوں، یعنی جس مقدمہ میں قاضی نے رشوت لی، وہ اور اس کے بعد کے مقدمات نافذ نہ ہوں گے، کیونکہ رشوت لے لینے کی وجہ سے اس کی تقرری باطل ہو گئی، اور فسق کی وجہ سے اس کے احکام لائق نفاذ نہ رہے۔ ساتھ ہی اس مقدمہ میں وہ فیصلہ کے لائق بھی نہیں رہا، جس میں اس نے رشوت لی ہے۔ یا آئندہ لے گا۔ خواہ وہ فیصلہ حق کا کرے یا ناحق کا، بنا بریں ہم بھی اس کے ارادے کو توڑ دینے، اور اس فسق پر اسے سزا دینے کے لئے جیسی کرنی ویسی بھرنی کے مصداق اس کے جملہ احکام کو باطل ٹھہرائیں گے۔ تاکہ اس شخص کو اور جس نے اسے رشوت دی۔ دونوں کو انجام کار معلوم ہو جائے کہ آخر میں جاکر ان کا فیصلہ لغو اور باطل ہو جائے گا۔ اور اس کے بعد یقین ہے کہ رشوت کے انجام سے قاضی کے کان کھڑے ہو جائیں گے۔ اور وہ اس

---

[1] حاشیۃ الرہونی ص۲۸۷ ج۷ مطالب اولی النہی فی شرح غایۃ المنتہی ص۴۶۸ ج۶ قدرے تصرف کے ساتھ۔

[2] الاصول القضائیہ فی المرافعات الشرعیہ ص۳۳۲

[3] احکام القرآن للجصاص ص۸۵ ج۴ ۔

ذلیل حرکت کا ارتکاب نہیں کریں گے۔

مسئلہ :۔

اگر کسی نے اس لئے رشوت دی۔ تاکہ قاضی کو معزول کر دیا جائے، اور اس کو اس کے منصب پر فائز کیا جائے اور اس کا یہ منصوبہ کامیاب ہو گیا۔ تو اس کا قاضی بننا باطل اور اس کے فیصلے مردود ہوں گے۔[1]

مسئلہ :۔

اگر رشوت اس لئے دی۔ تاکہ موجودہ قاضی صرف معزول ہو جائے، اور آپ قاضی بن بیٹھے، تو اس صورت میں اگر محض معزولی کے لئے دیا، اپنی تقرری کے لئے نہیں۔ جیسے رشوت کے تحت قاضی اول معزول ہوا اور اس نے بغیر رشوت کے اس کے مقام پر تسلط جایا۔ تو معزول قاضی پر غور کیا جائے گا۔ اگر وہ عادل اور منصف مزاج تھا۔ تو اسے ہٹانے کے لئے رشوت دینا حرام ہوگا اور معزول اپنے منصب پر بدستور برقرار رہے گا۔ ہاں اگر معزولی سے پہلے پہلے رشوت دینے والے نے رشوت لوٹا کر اس سے توبہ کرلی۔ تو اس کی تقرری درست ہوگی۔ اور جانشین کا فیصلہ باطل ہوگا۔ ہاں اگر تقرری سے پہلے اس نے توبہ کرلی تو اس کا فیصلہ درست ہوگا، اور اگر معزول قاضی ظالم ہے۔ تو جانشین کا فیصلہ باطل نہیں ہوگا۔[2]

عہدہ پر مامور کرنے میں رشوت کا اثر

عہدے اور منصب کو اسلام میں نمایاں مقام حاصل ہے، اس لئے کسی منصب پر ایسے ہی آدمی کو فائز کرنا چاہئے، جو علمی اور عملی صلاحیت کا مالک ہو۔ لیکن چونکہ نا اہل کو عہدے پر

---

[1] التبصرہ لابن فرحون ص۱۰ ج۱، معین الحکام ص۱۰۔

[2] التبصرہ لابن فرحون ص۱۰ ج۱، معین الحکام ص۱۰۔

پہونچاتے، اور اہل کو اس سے محروم کرنے میں رشوت اہم پارٹ ادا کرتی ہے، جس کی وجہ سے معاملہ نااہلوں کے ہاتھ میں پہونچ جاتا ہے، اس لئے اس قسم کا اقدام اسلام اور اس کی تعلیمات سے یکسر جداگانہ اور برعکس ہے۔ جیسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ

إِذَا وُسِّدَ الْأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ — جب معاملہ نااہلوں کے سپرد ہو جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔

پھر حکومت کے محکموں اور سرکاری اداروں میں حسب ضرورت مختلف نوعیت کے عہدے ہوا کرتے ہیں۔ بعض عہدے عدالتی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ بعض کا تعلق مالیات سے اور بعض کا تعلیمات سے ہوتا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ اہمیت عدالتی عہدوں کی ہوتی ہے۔ اب اگر حکومت کی مشینری کا یہی کل پرزہ بگڑ جائے۔ تو ظاہر ہے۔ اس کے نتیجے میں زبردست خطرہ اور ہمہ گیر بگاڑ رونما ہوگا۔ رعایا میں ظلم وزیادتی کا رواج ہوگا۔ اور خلقت اپنی دنیا کی چند روزہ زندگی میں شریعت الہیہ سے دور ہوتی جائے گی۔ اس لئے ہم حسب ذیل موضوع کے تحت اس عنوان پر سب سے پہلے گفتگو کریں گے!

منصب قضاء پر فائز کرنے میں رشوت کا اثر

فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ رشوت کے ذریعہ کسی کو منصب قضاء پر فائز کرنا باطل ہے۔ اگر کسی نے اس منصب پر فائز ہونے کے لئے رشوت دی اور اس کی تقرری عمل میں آگئی تو وہ شخص قاضی تسلیم[1] نہیں کیا جائے گا یعنی اس کی تقرری باطل ہوگی۔

---

[1] الفتاوی الہندیہ ص ۲۱۴ ج ۳، نہایۃ المحتاج شرح المنہاج ص ۱۸ ج ۸، البنایہ شرح الہدایہ ۶ حاشیہ جلدی۔

دلائل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا (حجرات: ۶)

اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کر لیا کرو۔

استدلال کی وجہ

۱۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ فاسق جب کوئی خبر دے تو اس کی تحقیق کر لی جائے، اس کا تقاضا ہے کہ جب تک تحقیق نہ ہو جائے، فاسق کا قول لائق قبول نہیں ہو سکتا، اب اگر ایسے کسی شخص کی منصب قضاء پر تقرری درست مان لی جائے، تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ اس قاضی کا ہر فیصلہ تحقیق تک ملتوی ہو گا۔ اور یہ جائز نہیں، کیونکہ اس طرح فیصلہ قضاء میں تاخیر ہو گی، جب کہ اس کا نفاذ فوری ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اور یہ بات بھی قطعی ہے[1] کہ منصب قضاء پر فائز ہونے کے لئے جو قاضی رشوت دیتا ہے۔ وہ فاسق ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ حکم اس کے اوپر بھی نافذ ہو گا۔ اور جو بھی منصب قضاء پر فائز ہونے کے لئے رشوت دے گا۔ اس کی

---

* گزشتہ سے پیوستہ۔ ص ۲۶۸ ج ۳، الاصول القضائیۃ فی المرافعات الشرعیہ ص ۳۳۲، معین الحکام ص ۸، جواہر العقود ص ۳۵۸، ۳۶۴ ج ۲، حاشیۃ الرہونی، ص ۲۸۰ ج ۷، جامع الفصولین ص ۱۳ ج ۱، التبصرہ لابن فرحون ص ۱۰ ج ۱، کشاف القناع عن متن الاقناع ص ۲۹۵ ج ۶، حاشیہ ابن عابدین ص ۳۶۳ ج ۵، فتح القدیر ص ۴۵۵ ج ۵، مطالب اولی النہی فی شرح غایۃ المنتہی ص ۴۶۶ ج ۶،

[1] کشاف القناع عن متن الاقناع ص ۲۹۵ ج ۶، مطالب اولی النہی فی شرح غایۃ المنتہی ص ۴۶۶ ج ۶، محاضرات فی طرق القضاء للاستاذ عبدالعال عطوہ ص ۱۴۔

تقرری، اور اس مقام پر اس کا فائز ہونا، ہرگز صحیح نہیں ہوگا،

۲۔ قاضی اپنے منصب کی وجہ سے لوگوں کی جان مال، اور عزت و آبرو کا امین ہوتا ہے، لیکن اس مقام کے حصول کے لئے رشوت دینے والا کسی طرح اس کا امین نہیں ہو سکتا، کیونکہ رشوت دینا۔ امانت داری کے خلاف ہے۔ اس لئے منصب قضاء پر اس کی تقرری صحیح نہیں ہوگی [1]

۳۔ گواہ کو عادل ہونا چاہئے۔ اس کی اللہ تعالیٰ نے صراحت کی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ — اور اپنے میں سے دو عادل گواہ کر لو۔

(طلاق : ۲)

جب گواہ کے لئے عادل ہونا ضروری ہے۔ تو قاضی کو بدرجہ اولیٰ عادل ہونا چاہئے، لہٰذا اس کی تقرری کے وقت عدالت کی شرط اس کے اندر موجود ہونا واجب ہے۔ لیکن منصب قضاء کے حصول کے لئے رشوت دینا عدالت کے خلاف اور اس کی ضد ہے۔ اس لئے ایسے شخص کو رقاضی نہیں بن سکے گا۔

قاضی بننے کے لئے رشوت دینا برائی کا خود ایک دروازہ کھول دینا ہے، اور جو شخص رشوت دے کر اس دروازے سے داخل ہوگا، آئندہ چل کر فریقین سے بھی وہ رشوت لے گا۔ اس لئے اس کے فیصلے سراسر ظلم و خیانت پر مبنی ہوں گے۔ ان مفاسد کی جڑیں کاٹنے

---

[1] محاضرات فی طرق القضاء للاستاذ عبدالعال عطوہ ص ۲۴، فتح القدیر ص ۴۵۵ ج ۵، بتصرف، المغنی الکبیر ص ۳۸۲ ج ۱۱،

[2] المغنی والشرح الکبیر ص ۳۸۲ ج ۱۱، حاشیۃ الرہونی ص ۲۸۰ ج ۷،

کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس شخص کا اس منصب پر فائز ہونا صحیح نہ ہو۔

۵۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

سَتَحْرِصُوْنَ عَلَى الْاَمَارَةِ، وَتَكُوْنُ حَسْرَةً وَّنَدَامَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ[1]

عنقریب تم لوگ امارت کی حرص کروگے، حالانکہ یہ امارت اور سرداری قیامت کے دن حسرت اور ندامت کا باعث ہوگی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا۔

يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ لَا تَسْأَلِ الْاَمَارَةَ فَاِنَّكَ اِنْ اُوْتِيْتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ اُعِنْتَ عَلَيْهَا، وَاِنْ اُوْتِيْتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِّلْتَ عَلَيْهَا۔

اے عبدالرحمٰن امارت کا سوال مت کرو۔ کیونکہ اگر بغیر سوال کئے تمہیں امارت ملی، تو تمہاری امانت کی جائے گی، اور اگر سوال کرنے پر تمہیں ملی، تو وہ بس تمہارے سر ماردی جائیگی[2]۔

استدلال کی وجہ

پیغمبر علیہ السلام نے رشوت کے بغیر بھی امارت طلب کرنے سے منع فرمایا ہے، اور رشوت

---

[1] التبصرۃ لابن فرحون ص۱۰ ج۱۔ نیز یہ حدیث فتح الباری شرح صحیح البخاری ص۲۴۲ ج۱۶ میں ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے، کہ آپ نے فرمایا: إِنَّكُمْ سَتَحْرِصُوْنَ عَلَى الْاَمَارَةِ، وَسَتَكُوْنُ نَدَامَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ یقیناً تم امارت کی عنقریب حرص کروگے، حالانکہ وہ قیامت کے دن تمہارے لئے ندامت کا باعث ہوگی۔

[2] التبصرۃ لابن فرحون ص۱۰ ج۱۔ اسی کے قریب الفاظ فتح الباری شرح صحیح البخاری ص۲۴۲ ج۱۶ میں مذکور ہیں۔

دے کر اس کا سوال کرنا اور اس پر قبضہ جمانا اور بھی لائق ممانعت ہوگا۔ اور نہی کے بعد ممنوعہ چیز اگر لی گئی تو فاسد ہوگی، اس لئے ممنوعہ طریقہ سے قضا پر قبضہ کرنا باطل ہوگا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

إِنَّا لَا نَسْتَعْمِلُ عَلٰى عَمَلِنَا هٰذَا مَنْ أَرَادَهُ ؎۱ — ہم اپنے ان کاموں پر کسی ایسے شخص کو مقرر نہیں کرتے، جو خود سے ان کو چاہتا ہو۔

استدلال کی وجہ

یہ حدیث بتاتی ہے کہ رشوت کے بغیر بھی جو کوئی منصب کو طلب کرتا ہے۔ اور اس کا والی نہیں ہو سکتا۔ یعنی اس کا فائز ہونا جائز نہیں، جب بغیر رشوت یہ حال ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رشوت لے کر بدرجہ اولیٰ وہ منصب کا والی نہیں بن سکتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک نوجوان کو کسی وفد میں دیکھا تو اس کی ہیئت کذائی آپ کو پسند آئی، پھر یک بیک اس نے قاضی بنائے جانے کی خواہش ظاہر کی، آپ نے اس سے کہا۔

إِنَّ هٰذَا الْأَمْرَ لَا يَقْوِىْ عَلَيْهِ مَنْ يُّحِبُّهُ. ؎۲ — اس کام کو جو شخص از خود چاہتا ہے۔ وہ اس پر دسترس نہیں رکھ سکتا۔

؎۱ التبصرۃ لابن فرحون ص۱۱/ج۱۔ یہی روایت فتح الباری شرح صحیح البخاری میں ص۲۴۴/ج۱۶، ان الفاظ کے ساتھ وارد ہے۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اور میری قوم کے دو آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ایک نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے امارت عطا کیجئے، دوسرے نے بھی یہی کہا، آپ نے فرمایا۔ إِنَّا لَا نُوَلِّيْ هٰذَا مَنْ سَأَلَهُ وَلَا مَنْ حَرَصَ عَلَيْهِ، ہم اس معاملہ کو کسی ایسے کو نہیں دیتے جس نے اس کا سوال کیا ہو۔ یا جس نے اس کی حرص کی ہو۔ نیز اسی طرح عون المعبود شرح سنن ابو داؤد ص۲۴۵/ج۹، میں مذکور ہے۔ ؎۲ التبصرۃ لابن فرحون ص۱۱/ج۱،

استدلال کی وجہ

ولایت اور تقرری کے طلب گار کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس منصب پر فائز نہیں کیا اس لئے رشوت دیکر اس کو حاصل کرنا اور بھی ناجائز ہوگا ۔ اور اس رشوت ستانی پر جس چیز کی بنیاد ہوگی ۔ وہ بھی فاسد ہوگی ۔

۶ ۔ منصب قضاء پر فائز ہونے کے لئے رشوت دینے والا فاسق ہے ۔ اور فاسق اس منصب کا والی نہیں بن سکتا، کیونکہ جب اس نے خود کو نظر انداز کیا، تو اوروں[1] کو بھی نظر انداز ہی کرے گا ۔ اس لئے اس کی ولایت اور تقرری باطل ہوگی ۔

یہ تو ہوا ۔۔! اس کے باوجود فقہائے احناف کی رائے یہ ہے کہ فاسق، منصب قضاء پر فائز ہو سکتا ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ رشوت لے کر اس منصب پر فائز ہونے سے اس کی تقرری درست ہونی چاہئے ۔۔! لیکن پھر انہوں نے فاسق کی دو قسم کی ہے ۔ ایک وہ فاسق جس نے رشوت لی، اور ایک وہ جس نے رشوت نہیں لی ۔ (رہا وہ جس نے رشوت نہ لی اس کی تقرری تو درست ہے) اور جس نے رشوت لے لی بقول ان کے وہ اپنے اس عمل سے فاسق ہوا ۔ اور اب اس کی تقرری باطل ہو جائے گی ۔ کیونکہ رشوت ستانی کے سبب اس کی عدالت میں خلل واقع ہوا ۔ اور لوگوں کو الگ مضرت لاحق ہوگی، اس لئے جملہ فقہا نے اس کی صراحت کی ہے کہ قاضی رشوت ستانی کے بعد بالاتفاق قاضی باقی نہیں رہتا ۔ اس پر اجماع منعقد ہے ۔

عینی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ۔ رشوت کی چار صورتیں ہیں ۔ ایک صورت وہ ہے جس میں لینے اور دینے والے دونوں کے لئے رشوت حرام ہے ۔ یہ وہ رشوت ہے ۔ جو قاضی کی تقرری کے لئے دی جائے اس پر اجماع ہے کہ رشوت دے کر کوئی قاضی نہیں بن سکتا، خواہ قاضی

---

[1] الاحکام مما یتعلق بالقضاء والحکام للتمرتاشی صہ ۸ شرح الکنز لمحمود العینی صہ ۸۲ ج ۲ ۔

بننا اس کا حق ہو، یا نہ ہو[1]۔

صاحب جواہر العقود کی اصل عبارت یہ ہے، اگر رشوت دے کر کوئی قاضی بننا چاہے۔ تو وہ بالاتفاق قاضی نہیں بن سکتا[2]۔

البتہ کوئی یہ اعتراض کرسکتا ہے کہ احناف رشوت نہ لینے والے فاسق کو قاضی بنانے کی اجازت کیوں نہیں دیتے ہیں ۔ ـــ ویسے اس فاسق کو قاضی بنانے والا ان کے نزدیک بھی گنہگار رہوتا ہے، ـــ جبکہ رشوت لینے والے فاسق کو قاضی بنانا جائز نہیں سمجھتے، حالانکہ رشوت ستانی سے بھاری فسق زنا کاری ہے۔ رشوت لینے کا اتنا زیادہ گناہ نہیں، جتنا زنا کرنے میں گناہ ہوتا ہے ـــ ؟

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ رشوت لے کر منصب حاصل کرنے پر زبردست خطرات لاحق ہوتے ہیں۔ اور بڑا ضرر ہوتا ہے ۔ یہ خطرات اور مفرتیں منصب قضاد کے لئے ملال کا باعث ہیں، کیونکہ اس منصب پر فائز ہونے والا لوگوں کی جان مال اور عزت وآبرو کی بابت فیصلے کرتا ہے ۔ اور یہ بات یقینی ہے کہ جو شخص رشوت دے کر اس مقام تک پہونچا ہے۔ اس مقام پر فائز ہونے کے بعد بھی وہ رشوت لے گا۔ تاکہ اس منصب کے بدلے اس نے جس قدر قیمت چکائی ہے۔ اصل مع سود کی طرح اتنا یا اس سے زائد ظلم و جور کر کے وہ وصول کرلے، اور جب وہ ایسا کرے گا۔ تو اس سے ظلم وزیادتی بڑھے گی ۔ سماج میں عدل وانصاف کی قدریں پامال ہوں گی، اور یہ وہ خطرہ ہے ۔ جو فسق کے دیگر خطرات کے مقابلہ میں زیادہ ہمہ گیر اور بڑھا ہوا ہے ۔

---

[1] البنایہ شرح الہدایہ ص ۲۶۹ ج ۲،

[2] جواہر العقود ص ۳۶۴ ج ۲،

※ ※ ※ ※

منصب قضاء کے علاوہ دیگر منصب پر تقرری میں رشوت کا اثر

کافی غور و فکر اور جستجو اور تلاش کے باوجود مجھے ایسی کوئی بحث نہیں مل سکی جس میں قضاء کے علاوہ دوسرے کسی منصب کی تقرری میں فقہاء نے رشوت کے اثرات کی بابت کلام کیا ہو۔ ہاں ایک منصب امارت کا ہے۔ جس میں فائز ہونے کے لئے انہوں نے رشوت کو ذریعہ بنانے کی اجازت نہیں دی ہے۔ اور کوئی رشوت دے کر امیر بنا تو اس کی تقرری باطل[1] قرار دی ہے۔ رہے ان دو کے علاوہ منصب، تو اگر ان کی اہمیت قضا کی طرح ہے۔ جیسے لوگوں کے معاملات اور ان کی جان و مال کی بابت مشیر کار، مزکی، اور محققین وغیرہ تو ہونا یہی چاہئے کہ ان منصبوں پر ان کی تقرری باطل ہو۔

رہے ان کے علاوہ دیگر عہدے جیسے دفتری لکھا پڑھی کی ڈیوٹی وغیرہ تو میری جہاں تک رائے ہے، ان عہدوں پر تقرری حلال نہیں۔ اور رشوت لینے والا۔ دینے والا اور درمیانی راستہ بننے والا۔ سب گنہگار ہوں گے، لیکن تقرری صحیح ہوگی، کیونکہ اس منصب سے ایسے خطرات مرتب نہیں ہوتے، جن کا امت پر اتنا گہرا اثر ہو، جتنا کہ منصب قضاء اور اس کے متعلقات کا ہوتا ہے۔

قاضی کو معزول کرنے میں رشوت کا اثر

جب کوئی شخص منصب قضاء پر فائز ہو، اور وہ عادل ہو، پھر اس نے رشوت ستانی کا جرم کیا، تو محض اس جرم کے فوری بعد اسے معزول سمجھ لیا جائے گا۔ یا وہ معزول کئے جانے

---

[1] فتح القدیر ص ۲۵۵ ج ۵

کے لائق مانا جائے گا۔ اور امام اس کو وجوباً معزول کرے گا۔ اس بارے میں فقہاء کی دو رائے ہے۔

پہلی رائے

اگر تقرری کے وقت یہ شرط نہیں لگائی گئی تھی، کہ کسی حرام چیز کے ارتکاب پر معزول کردیا جائے گا۔ تو صورت مذکورہ میں یہ قاضی ازخود معزول نہ ہوگا۔ البتہ سلطان کا یہ فرض ہوگا کہ اس کو معزول کردے یہی احناف کا مسلک ہے۔ جس پر ان کے نزدیک فتویٰ ہے، بخاری اور سمرقند کے علماء بھی اسی کے قائل ہیں[1]۔ اور یہی مالکیہ کا قول ہے[2]۔

اس قول کا تجزیہ

اس قول کے دو اجزاء ہیں، پہلا جزء تو یہ ہے کہ "وہ ازخود معزول نہ ہوگا" کیونکہ تقرری کی ابتداء میں ایسی کوئی شرط نہیں لگائی گئی تھی، پھر شروع شروع میں جب یہ شخص نیک اور عادل تھا، تو والی کی طرف سے از روئے شرع اس کی تقرری درست تھی، لہٰذا اب اس کی اجازت اور حکم کے بغیر ازخود معزول نہیں ہوگا۔ اور جب وہ حسب سابق برقرار رہے گا۔ تو اس کی تقرری اور ولایت بدستور باقی رہے گی، اور ساتھ ہی اس کے احکام بھی یوں ہی نافذ رہیں گے۔

---

[1] حاشیہ ابن عابدین ص ۳۶۲ ج ۵ بتصرف، حسب ذیل کتابوں میں بھی ایسا ہی لکھا ہے فتح القدیر ص ۴۵۵ ج ۵، البنایہ شرح الہدایہ ص ۲۶۹ ج ۲، شرح الکنز لمحمود العینی ص ۴۳ ج ۲، العقود الدریہ فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ ص ۳۰۲ ج ۱، الاحکام مما یتعلق بالقضاء والحکام ص ۸۔

[2] التبصرہ لابن فرحون ص ۱۶ ج ۱

اس کا دوسرا جزیہ ہے کہ " سلطان اس کو معزول کردے " کیونکہ یہ فسق بعد میں طاری ہوا، جبکہ وہ تقرری اور نصب کئے جانے کے وقت عادل تھا، اس کے بعد فاسق ہوا۔ اور فاسق ہونے کے بعد حقیقت میں وہ اس منصب کے لائق نہ رہا، اس لئے امام وقت اور والی کو اس کا معزول کر دینا لازم ہوگا۔[1]

اور اس کا فاسق ہونا دو وجہ سے پایا گیا، ایک اس لئے کہ اس نے رشوت لی، دوسرے اس نے ناحق فیصلہ کیا۔[2] لیکن اس پہلے نقطہ نظر پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ شخص مذکور کی ولایت اور تقرری اسی وقت تک شرعی اور دستوری تھی، جب تک وہ عادل تھا، لیکن رشوت لے کر اس نے جس فسق کا ارتکاب کیا، اس نے اس کی شرعی تقرری کو ختم کر ڈالا،

دوسری رائے

منصب قضا پر جس کی تقرری عمل میں آئی، اگر وہ شخص عادل ہے، پھر اس نے فسق کیا، تو وہ از خود معزول ہو جائے گا[3]، یہ حنابلہ کا مسلک[4] اور مالکیہ کا ایک قول ہے[5]۔

---

[1] شرح الکنز لمحمود العینی ص ۸۳ ج ۲، بتصرف۔

[2] احکام القرآن للجصاص ص ۸۵ ج ۴۔

[3] فتح القدیر ص ۴۵۵ ج ۵، حاشیہ ابن عابدین ص ۳۶۳ ج ۵، شرح الکنز لمحمود العینی ص ۸۳ ج ۲، العقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ ص ۲۷ ج ۱، لسان الحکام فی معرفۃ الاحکام ص ۸، التبصرۃ لابن فرحون ص ۶۱ ج ۱، مطالب اولی النہی فی شرح غایۃ المنتہی ص ۴۶۸ ج ۶، احکام القرآن للجصاص ص ۸۵ ج ۴، الاحکام مما یتعلق بالقضاء والحکام ص ۸، البنایہ شرح الہدایہ ص ۲۶۹ ج ۳،

[4] مطالب اولی النہی فی شرح غایۃ المنتہی ص ۴۶۸ ج ۶،

[5] التبصرہ لابن فرحون ص ۶۱ ج ۱،

یہی امام کرخی سے منقول ہے ، امام طحاوی نے اسی کو اختیار کیا ، امام ابو یوسف[1] کے شاگرد علی رازی ، اور شافعیہ نے بھی اسی کو پسند[2] کیا ہے ۔

اس قول کا تجزیہ

اس قاضی کی تقرری اس کے عادل ہونے کے ساتھ مشروط تھی ، کیونکہ تقرری کے وقت وہ عادل تھا ۔ اور اس کی عدالت اعتماد کئے جانے کے لائق تھی ، بنا بریں اس کی تقرری اسی شرط کے ساتھ برقرار تھی کہ وہ عادل ہے ۔ لیکن جونہی عدالت زائل ہوگی ، تقرری بھی ختم ہو[3] جائے گی ، اور معاملہ کو کسی شرط پر معلق کرنا درست ہے ۔ اس کی دلیل امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی نقل کی ہوئی وہ روایت ہے ، جس کی بموجب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر جنگ موتہ کے لئے روانہ کیا ، اور زید بن حارثہ کو اس کا امیر مقرر کیا ۔ اور فرمایا ؛ " اگر زید شہید کر دیئے گئے تو جعفر تمہارے امیر ہوں گے ، اگر وہ بھی شہید کر دیئے گئے تو عبداللہ بن رواحہ تمہارے امیر[4] ہوں گے ، (رضی اللہ عنہم)

استدلال کی وجہ

مذکورہ بالا روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر کی تقرری کو حضرت ابن حارثہ کی وفات پر ، اور ابن رواحہ کی تقرری کو حضرت زید کی وفات پر معلق کیا تھا ۔ اور یہ بات واضح ہے کہ بعد کے ہر دو امراء کی تقرری اپنے سے پیشتر امیر کی وفات پر مبنی تھی ، اس سے ثابت ہوا کہ کسی معاملہ کو شرط کے ساتھ معلق کرنا درست ہے ، چنانچہ یہاں بھی اگر ایسا نہ ہوتا تو بعد کی تقرری درست بھی نہ ہوتی ،

۱۔ فتح القدیر ص ۴۵۴ ج ۵ ، ۲۔ نہایۃ المحتاج شرح المنہاج ص ۸۶ ج ۸ ،

۳۔ حاشیہ ص ۱۵۱ ج ۵ ، ۴۔ فتح القدیر ص ۴۵۵ ج ۵ ،

ترجیح

میرے نزدیک دوسری رائے ترجیح کے لائق ہے۔ یعنی جب کوئی عادل، بطور والی مقرر ہو، پھر فسق کرے تو از خود معزول ہو جائے گا۔ کیونکہ قاضی نے جب رشوت لے لی، تو مسند قضاء پر اب اس کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بالخصوص اس لئے بھی کہ گذشتہ صفحات پر ہم نے اس قول کو پہلے بھی لائق ترجیح مانا ہے۔ کہ رشوت ستانی کے بعد اس کے احکام نفاذ کے لائق بھی نہیں ہوں گے۔ نیز رشوت خور فاسق قاضی کی تقرری بھی ناجائز ہے۔ اس لئے کہ اس کی تقرری سے بیشمار خطرات اور مسائل کا آپ سے آپ دروازہ کھل جائے گا۔ اور بعینہ وہی حال یہاں ہوگا۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس مجرم قاضی کو اس منصب سے نکال باہر کرنے کی صورت میں درحقیقت ان فسادیوں کی جڑیں آپ سے آپ کٹ جائیں گی، جن کا یہ قاضی آلہ کار بنتا، اور ان کے اشاروں پر ناچتا تھا۔ غرض اس کے ہٹا دینے کے بعد ان خطرات کا از خود سد باب ہوگا، جس کا انجام کسی صورت بہتر نہیں ہو سکتا۔!

اس اختلاف کا نتیجہ

پہلی رائے کی بنیاد پر رشوت ستانی کے بعد جب قاضی کو معزول نہیں کر دیا جائے گا تو اس کے احکام نافذ ہوں گے، جبکہ دوسری رائے کی بنیاد پر اس کے احکام نافذ نہیں ہوں گے،

منصب قضاء کے علاوہ دیگر منصب سے معزول کرنے کیلئے رشوت ستانی کے اثرات

کافی غور و فکر اور جستجو اور تلاش کے بعد مجھے ایسی کوئی صراحت نہیں مل سکی کہ فقہاء نے والی کو چھوڑ کر منصب قضاء کے علاوہ کسی اور منصب پر عزل و نصب، کے تعلق سے بحث کی ہو۔ رہا والی تو اس کے بارے میں احناف کی رائے یہ ہے کہ ایسی صورت میں والی معزول کئے جانے

کے لائق ہے۔ لیکن وہ معزول نہیں ہوگا۔ کیونکہ اگر یہ شخص معزول ہوا تو اپنے سابقہ غلبہ اور قوت کی وجہ سے امیر بن بیٹھے گا۔ اس لئے اس کی معزولی بے سود ہوگی، ہاں اگر اس کے اندر کوئی غلبہ یا قوت نہیں تھی، تو اسے معزول ہونا پڑے گا[1]۔ حنابلہ اور شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ قاضی کے برعکس والی، باوجود فسق کے معزول نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ امام کی طرف سے اس شخص کو معزول کرنے میں فساد برپا ہونے کا اندیشہ ہے[2]۔

لیکن جہاں تک دوسرے عہدوں کا تعلق ہے ۔ اگرچہ منصب قضا اہم اور بڑا عہدہ ہے۔ اور اس پر نگاہیں مرکوز ہوتی ہیں۔ اس کے باوجود میری رائے یہ ہے کہ جس طرح رشوت ستانی کے نتیجہ میں قاضی معزول ہوتا ہے۔ اور اس کی تفصیل پہلے گذری، اسی طرح رشوت کے زیر اثر ان عہدوں سے معزولی بھی لازمی طور پر ہونی چاہیئے، اس لئے کہ امت کا عام مفاد اسی میں مضمر ہے کہ اس کا مرکزی پرزہ فتنہ وفساد سے محفوظ ہو، اور رشوت فساد کی وہ جڑ ہے۔ جس سے بگاڑ رونما ہوتا ہے۔ حقوق برباد ہوتے ہیں، مظلوم اس کے نتیجہ میں شکست کھا جاتا ہے۔ اور ظالم فتح یاب ہوتا ہے، اس لئے رشوت ستانی کا انسداد ضروری ہے۔ اس لئے ۔ رشوت ستانی کا انسداد جہاں ضروری ہے۔ ۔ خاص اس کے لئے اور قضاء کے دیگر عہدوں میں جس چیز کی ضرورت ہے۔ ان میں ایک وصف امانت داری ہے، اس جوہر کا ہر طازم میں رونما ہونا نہایت ضروری ہے۔ اور رشوت ستانی اس امانت کے ساتھ خیانت کرنا ہے۔ دوسرے رشوت کا لین دین دھوکہ دہی اور امت کو فریب میں مبتلا کرنے کے مترادف ہے۔

---

[1] ردالمختار علی الدرالمختار ج ۴ ص ۳۰۵۔ [2] الاحکام السلطانیہ لابی یعلی ص ۴۲، کشاف القناع ج ۶ ص ۱۵۹۔ نہایۃ المحتاج ج ۷ ص ۱۲۰۔

بنا بریں میری رائے میں یہ ہوسکتا ہے کہ جس طرح قضاء کے منصب سے تعزیر کے طور پر اس کو الگ کرنے میں پہلے اختلاف گذرا ایسا ہی اختلاف اس کے علاوہ دوسرے عہدوں میں بھی جاری ہو. لیکن جب ترجیح کا موقعہ آئے گا. تو سابق میں میں نے جس مسلک کو راجح قرار دیا، حالیہ مسئلہ میں اس کو ترجیح نہ دیتے ہوئے میں احناف کے مسلک کو ترجیح دوں گا، ـــ جو یہ سمجھتے ہیں کہ ان صورتوں میں ملزم معزول کئے جانے کا مستحق ہے ۔ (یعنی میں یہ نہیں کہوں گا کہ وہ از خود معزول ہو جائیں، جیسا کہ میں نے قاضی کی بابت کہا،) اس لئے کہ قضاء کے سلسلے میں رشوت لینے والا سخت سزا کا مستحق ہے ۔ اس لئے بھی کہ قاضی کا معاملہ اہم ہے ۔ اور اس سے اہم امور مرتب ہوتے ہیں ۔ جبکہ قضاء کے علاوہ دیگر امور میں رشوت ستانی بہ نسبت قضاء کے کم خطرناک ہے ۔ اور مستحسن معزولی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ معزولی کا یہ معاملہ والی کے سپرد اور اس کی صوابدید پر منحصر ہوگا ۔ اگر والی یہ دیکھے گا کہ امت کی مصلحت اور ان کا مفاد متعلقہ آدمی کی معزولی میں ہے، تو اس کے لئے ہرگز یہ حلال نہ ہوگا ۔ کہ اس کو منصب پر مزید برقرار رکھے، اور اگر اس نے معزول نہیں کیا، تو وہ شخص حسب سابق دستوری طور پر اپنے منصب پر قرار رہے گا ۔

نفع کمانے میں رشوت کا اثر

بعض لوگوں کو اس کی بڑی خواہش ہوتی ہے کہ کوئی نہ کوئی نفع انہیں حاصل ہوتا رہے ایسے وقت میں وہ اس قسم کی تدابیر کرتے ہیں . کہ جن ہاتھوں میں منافع کا انحصار ہوتا ہے یہ ان کی مٹھیوں کو گرم کر دیتے ہیں، جیسے کوئی ایجنٹ ہوا، یا عام دفتری ملازم یا کلرک، ان اسامیوں کو رشوت دے کر وہ یہ چاہتے ہیں کہ رہائشی مکان کے سلسلے میں انہیں کچھ سہولت مل جائے اور عام کرایہ کی بہ نسبت کم سے کم کرایہ انہیں دینا پڑے، یا وہ مطلوبہ مکان

کو بیچ سکیں، یا کسی کمپنی، یا ادارے کو بھاری کرائے پر دے دیں۔ یا کمپنی یا ادارے سے برائے نام قیمت یا معمولی کرائے پر خود حاصل کرلیں، کیونکہ انہیں اندیشہ ہے کہ اگر انہوں نے کوتاہ دستی کی، تو ان کا فریق یا دوسرا کوئی اسے بڑھ کر ہتھیالے گا۔ کیونکہ اس کے ہاتھ لمبے ہیں، اور وہ تہی دست اور درماندہ ہیں۔ ایسے وقت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس قسم کے منافع کے حصول کے لئے آیا رشوت کہاں تک اثر انداز ہوگی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ایجنٹ یا ملازم مذکور نے اگر اس لئے رشوت لی ہے، تاکہ اپنے موکل کا مال کم دام پر فروخت کرا دے — جبکہ موکل نے کوئی دام نہیں بتایا تھا، یا اس نے یا مالک نے جتنی قیمت بتائی ایجنٹ نے رشوت لے کر اس سے کم دام میں اس کو فروخت کردیا۔ تو بیع صحیح ہوگی۔ لیکن شخص مذکور کے سر اس کا گناہ برقرار رہے گا۔ کیونکہ جب برابر کی قیمت سے اس کی کی ہوئی بیع صحیح ہو جاتی ہے، تو اس کے علاوہ کسی قیمت سے بھی بیع درست ہوگی۔ اور اگر فروخت کردہ قیمت اور برابر کی قیمت میں حد سے زیادہ تفاوت ہے۔ تو اس پورے تفاوت اور فرق کو اس رشوت خور سے وصول کیا جائے گا، اور یہ جو عرض کیا گیا کہ "بیع صحیح ہوگی" یہ اس لئے کہ اس سودے میں مالک جو بیچ رہا ہے۔ اس کا بھی حصہ ہے۔ اور وہ بیچنے کا اختیار دیدینے اور بیع کے عمل میں آجانے کے بعد اب اس کو فسخ نہیں کرسکتا، اس لئے بیع تو ہو جائے گی۔ لیکن ایجنٹ نے مالک کو جتنا نقصان پہونچایا ہوگا۔ اس کی بھرپائی اسے کرنی ہوگی۔ رہا ایجنٹ تو اس کے حصہ کا اب کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اس لئے کہ اس نے حدود سے تجاوز کیا، اور زیادتی کا مرتکب ہوا۔

اور اگر اس رشوت خوری کے نتیجہ میں معمولی غبن عمل میں آیا، تو وہ لائق معافی ہوگا اور ایجنٹ اس کا تاوان نہیں دے گا۔ کیونکہ معمولی نقصان سے بچاؤ ممکن نہیں ہوتا لیکن یہ حکم تب ہے، جبکہ موکل، یا چیز کے اصل مالک نے ایجنٹ کو قیمت کی تعداد نہ بتائی ہو

اور اگر اس نے قیمت کا خاص ہندسہ بتا دیا، اور ایجنٹ نے اس سے بھی کم دام میں چیز کو بیچ ڈالا، تو نقصان کا تاوان اسے دینا ہوگا۔ خواہ یہ نقصان اور کمی کتنی ہی کیوں نہ ہو۔

اور اگر کسی خریدار نے آکر برابر کی قیمت سے زائد دام پر فروخت کے لئے ایجنٹ کو رشوت دی، تاکہ ایجنٹ اس چیز کو اسی خریدار کے ہاتھوں فروخت کر دے، کسی اور کو نہ دے، تو اب ایجنٹ اس چیز کو برابر کی قیمت پر فروخت نہیں کرے گا۔ نہ ہی اجرت پر دے گا۔ کیونکہ اب اسے احتیاط کرنی چاہئے۔ اور موکل کے نرخ کا لحاظ کرنا چاہئے، لیکن اگر اس ممانعت کے باوجود اس نے نہیں مانا، اور چیز کو بیچ دیا۔ تو سودا درست ہوگا۔ اور ایجنٹ گنہگار ہوگا۔ لیکن اس پر کوئی تاوان عائد نہیں ہوگا ۔۔۔۔ اور اگر موکل نے برابر کی قیمت یا مقررہ قیمت سے زائد کے عوض چیز کو اس لئے بیچ دیا کہ روپیہ والے خریدار یا کسی اور ایجنٹ نے خریدی ایجنٹ کو رشوت دے دی تھی، تب بیع صحیح ہو جائے گی۔ خواہ مقررہ قیمت سے زائد رقم اسی قیمت کی جنس سے ہو۔ یا اس کی جنس سے نہ ہو، یہ سودا اس لئے درست ہو جائے گا کہ موکل نے چیز کو روپیہ رکھ کر اور رشوت دے کر خریدنے والے کی منہ مانگی قیمت پر اسے فروخت کیا ہے۔ اور جتنا زائد دام وصول کیا ہے، وہ اس کے اپنے مفاد میں ہے۔

اور یہ صورت بعینہ ایسی ہے جیسے موکل نے ایجنٹ کو خریدی ایجنٹ بنایا، اور ایجنٹ نے برابر کی قیمت سے کم دام اس کے لئے خرید لیا، یا جس قدر قیمت نامزد تھی، اس سے بھی کم دام میں اس کے لئے خرید دیا، لیکن بہرصورت وہ گنہگار ہوگا۔

اور اگر موکل نے کسی کو خریدی ایجنٹ بنایا، اور ایجنٹ نے برابر کی قیمت سے زائد قیمت پر چیز کو خرید دیا، لیکن زائد قیمت اتنی ہے۔ جس کو عام طور پر غبن نہیں سمجھا جاتا، تو بیع صحیح ہو جائے گی، لیکن یہ اس وقت ہوگا۔ جبکہ موکل نے قیمت نہیں ٹھہرائی تھی، جیسے اس سے پہلے بیچنے کی صورت میں ہوا تھا۔ اور اگر زائد قیمت ایسی ہے۔ جس کو غبن تصور کیا جاتا ہے۔ یا موکل

کی ٹھہرائی ہوئی قیمت سے زائد قیمت پر ایجنٹ نے خرید دیا۔ تب بھی بیع اگرچہ درست ہوگی لیکن زائد قیمت کا تاوان خود ایجنٹ کو دینا ہوگا۔

اور اگر کسی دوسرے شخص کو کسی سامان کے فروخت کے لئے ایجنٹ بنایا، ایجنٹ نے آدھے سامان کو پوری قیمت سے کم میں ہی رشوت لے کر فروخت کر ڈالا، تو بیع صحیح نہیں ہوگی، کیونکہ آدھی چیز بیچنے کا وہ ہرگز مجاز نہ تھا، نیز اس لئے کہ اس میں ضرر کا اندیشہ ہے، جیسے موکل نے ایجنٹ کو کوئی چیز خریدنے کے لئے مقرر کیا، اور اس نے جاکر آدھی چیز خرید ڈالی، اور اگر ایجنٹ نے باقیماندہ چیز بیچ ڈالی، تو اب بیع صحیح ہوجائے گی۔ اس طرح دیکھا جائے تو پہلی بیع موقوف رہے گی، اور اگر ایجنٹ نے باقی ماندہ کو بیچ دیا، تو پہلی بیع صحیح ہوجائے گی، ورنہ پہلی بیع کا باطل ہونا اپنی جگہ واضح ہے۔

دوسری فصل

رشوت لینے والے کا رشوت کا مالک بننے، اور اس رشوت سے متعلق عقد یا تصرف کو کر گذرنے پر رشوت کا اثر

چونکہ رشوت لینے والے کے لئے رشوت مطلق حرام ہے۔ اس لئے جب رشوت کا مال اس کے دسترس میں ہوگا، تو ایک حرام چیز پر اس کی ملکیت قائم رہے گی، کیونکہ اس ملکیت کی نسبت کسی ایسی چیز سے نہیں جو ملکیت کا صحیح فائدہ دیا کرتی ہے۔ لہٰذا رشوت پر اس کی ملکیت

---

[1] کشاف القناع عن متن الاقناع ص۴۷۵ ج۳، ص۴۶۴ ج۳، بتصرف، حاشیہ ابن عابدین ص۵۲۱ ج۵،

بحال نہیں ہوگی ، اور جب کسی صورت اسے ملکیت حاصل نہیں ہوگی تو اس کے تصرف کی بھی نہ کوئی قیمت ہوگی ۔ نہ اس کے سودے نافذ ہوں گے ، کیونکہ رشوت خور اس کا شرعی مالک نہیں ، بس اس کی مثال ایسی ہے ۔ جو دوسروں کی مملوکہ چیز پر آپ تصرف کرے ۔

مفتی شہید فیض اللہ آفندی نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ " اگر زید نے اپنا کام بنانے کے لئے بکر کو رشوت کے طور پر کوئی غلام (بنام عمر) دے دیا ۔ ادھر بکر نے زید سے اجازت لئے بغیر غلام کو آزاد کردیا ، تو زید آزادی کی اجازت کو روک سکتا ہے ، اور عمر کو بدستور غلام برقرار رکھ سکتا ہے[1] : اس فتویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ رشوت لینے والے کا آزاد کرنا نافذ نہیں ہوتا ، اور اگر غلام کے بجائے رشوت کے طور پر کسی کنیز کا لین دین ہوا ، تو اس میں شک نہیں کہ شرافت اور مروت کا تقاضا ہے کہ رشوت لینے والے ان حرامی بچوں سے اللہ کی پناہ طلب کریں ۔ جو رشوت خور کو لامحالہ کنیز سے ہمبستری کے بعد حاصل ہوں گے ، کیونکہ رشوت خود یہی سمجھے گا کہ کنیز اسے تحفہ میں ملی ہے ۔ ظاہر ہے اگر صورتحال یہی رہی ، تو کس قدر پاپ اور بگاڑ رونما ہوگا ۔ !

---

[1] کشاف القناع عن متن الاقناع ج ۶ ص ۳۱۶ ، الانصاف ج ۱۱ ص ۲۱۲ ، المغنی والشرح الکبیر ج ۱۱ ص ۴۳۸ ، المقنع ج ۳ ص ۶۱۲ ،

فصل سوم

راشی کی ملکیت سے نکل جانے میں رشوت کا اثر

جب رشوت دینے والا، لینے والے کو رشوت دے، تو آیا رشوت کا مال دینے والے کی ملکیت سے نکل جائے گا؟ اس بارے میں فقہاء کی دو رائے ہے۔

پہلی رائے:-

یہ ہے کہ دینے والے کی ملک سے رشوت نہیں نکلے گی۔ لہٰذا اس تک اسے لوٹانا ضروری ہوگا۔ یہی حنابلہ کا راجح مسلک ہے۔

ان لوگوں کی توجیہہ یہ ہے کہ رشوت کے نام سے اس مال کو ناحق لیا گیا، لہٰذا یہ ایسا ہوا جیسے عقد فاسد کے ذریعہ کوئی مال لیا گیا[1] اس مال کو بھی اس کے مالک کی طرف لوٹانا ضروری ہے۔ نیز اس لئے بھی کہ دینے والے نے کسی شرعی سبب سے اس کو حوالہ نہیں کیا، لہٰذا مال کی ملکیت اس کے ہاتھ سے نہیں نکلے گی، اور اس کی حیثیت سودی مال کی ہوگی، مزید برآں مال جب مالک کو لوٹا دیا جائے گا، تو اس پر کیا گیا ظلم ہلکا ہوگا۔ اس کے ساتھ انصاف ہوگا، اور یہ واجب ہے۔ اس لئے لوٹا دیا جانا بھی واجب ہوگا۔ احناف کی رائے یہ ہے کہ اگر مالک جانا پہچانا[1] آدمی ہے تو اس کو لوٹانا واجب ہے، اور اگر جانا پہچانا نہیں، یا جانا پہچانا ہے

صفحہ ۹۹

[1] حاشیہ ابن عابدین ج۵ ص۳۶۲۔ الفتاوی الہندیہ ج۳ ص۳۱۲، المسئولیۃ الجنائیۃ فی الفقہ الاسلامی لبہنسی ص۹۰، معین الحکام

لیکن دور کی مسافت پر ہے، جس تک رسائی خاصی مشکل ہے، تو اب اس کا حکم لقطہ[1] (پڑا ہوا مال) کا ہوگا۔ اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ تمام تر تفصیل حنابلہ کی رائے کے خلاف نہیں ہے۔

دوسری رائے

یہ ہے کہ رشوت، دینے والے کی ملکیت سے نکل جائے گی، اور والی اسے بیت المال[1] میں جمع کرا دے گا، یہی بیت المال اس کا مالک ہوگا، یہ مالکیہ کا[2] مسلک اور احناف[3] اور حنابلہ[4] کا قول ہے، انھوں نے ذیل کی دلیلوں سے استدلال کیا ہے،

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن لتبیہ کو یہ حکم نہیں دیا کہ جو ہدایا انہیں دیا گیا، وہ اس کے مالک کو لوٹا دیں[5]، اور پھر آپ نے جس طرح انہیں ڈانٹا غصہ ہوئے، اور ان کے اس جملہ پر ناگواری کا اظہار کیا کہ "یہ آپ کا ہے اور یہ مجھے تحفہ کے طور پر دیا گیا" اس کے باوجود آپ نے مال کو مالکوں کے حوالہ کرنے کا حکم نہیں دیا، اس سب میں یہ اشارہ موجود ہے کہ آپ نے بہر حال یہ اقرار نہیں کیا، کہ ہدیہ ابن لتبیہ کا ہے۔ اس لئے اب یہی صورت باقی رہ جاتی ہے کہ ہدیہ کو داخل خزانہ کر دیا جائے،

---

[1] الفتاوی الہندیہ، ص ۲۲۶ ج ۲، الاصول القضائیہ فی المرافعات الشرعیہ ص ۲۲۰۔

[2] حاشیہ الرہونی ص ۳۱۱، ۳۱۲ ج ۷، [3] الفتاوی الہندیہ ص ۲۲۶ ج ۳، الاصول القضائیہ ص ۲۲۰، [4] کشاف القناع عن متن الاقناع ص ۳۱۷ ج ۶، الانصاف ص ۲۱۲ ج ۱۱، المغنی والشرح الکبیر ص ۴۳۸ ج ۱۱، المقنع ص ۶۱۲ ج ۳،

[5] فتح الباری شرح صحیح البخاری ص ۲۹ ج ۱۶، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ص ۴۰ ج ۱۱، المغنی والشرح الکبیر ص ۴۳۸ ج ۱۱، کشاف القناع عن متن الاقناع ص ۳۱۷ ج ۶، الانصاف ص ۲۱۲ ج ۱۱،

۲۔ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل سے بھی استدلال کیا ہے کہ جب آپ کی اہلیہ حضرت ام کلثومؓ کو تحفہ ملا، تو آپ نے اسے بھی بیت المال میں داخل کرا دیا[1]۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھی جو تحفے تحائف ملے، آپ نے انہیں بھی بیت المال میں جمع کرا دیا[2]، اسی طرح اپنے بعض گورنروں کے احتجاج کے باوجود ان کی کثیر دولت کو بامر طلب فرمایا، کیونکہ ان گورنروں نے تجارت اور کاشتکاری کے ذریعہ کافی دولت کمائی تھی۔ اور جن گورنروں اور کارندوں سے آپ نے سختی سے مال وصول کیا، یا ان کی دولت کے حصے بخرے کر ڈالے، اور اس کا محاسبہ کیا۔ ان میں حضرت عمرو بن العاص، حضرت سعد بن وقاص، اور حضرت خالد بن ولید صحابہ بھی شامل تھے۔ رضی اللہ عنہم[3]

جب رشوت کے ہم معنیٰ ہدیے اور تحفوں کا یہ حکم ہے کہ رشوت دینے والے کی ملک سے انہیں خارج تصور کر لیا جاتا ہے، اور بیت المال میں داخل کر دیا جاتا ہے، تو حقیقی رشوت کا حکم بدرجہ اولیٰ یہی ہونا چاہئے۔

یہی فیصلہ میرے نزدیک راجح ہے۔ اس لئے بطور سزا ان تحفوں کو دوبارہ مالک کے حوالہ کرنا اب جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے خود حرام کام کا ارتکاب کیا، آخر اسے بھی اپنی اس کرتوت کا انجام معلوم ہو جانا چاہئے۔ کہ مال پہلے اس کا تھا، لیکن اس کی حرکت کے بعد وہ لوٹ کر اسے نہیں ملے گا۔

رہی پہلی رائے تو وہ اس وقت مناسب ہوتی جب کسی جائز غرض کے تحت رشوت دی جاتی تو اسے واپس مالک کے حوالہ بھی کیا جا سکتا تھا۔ لیکن اگر رشوت حرام طریقے سے دی گئی، تو اس حرکت پر اسے اس طرح سزا دی جانی چاہئے۔ کہ وہ مال بھی اب کبھی اسے واپس نہ ملے۔

---

[1] المسئولیۃ الجنائیۃ فی الفقہ الاسلامی لبہنسی ص ۷۹،

[2] حاشیہ ابن عابدین ص ۳۶۲ ج ۵،

[3] المسئولیۃ الجنائیۃ فی الفقہ الاسلامی لبہنسی ص ۷۹،

باب چہارم

حکومت سعودیہ عربیہ میں قوانین انسداد رشوت ستانی

اس باب میں تین فصلیں ہیں ،

پہلی فصل ـ قوانین انسداد رشوت ستانی کی دفعات اور ان پر تبصرہ ،

دوسری فصل ـ ان قوانین پر کی گئی اہم تنقیدیں

تیسری فصل ـ ان قوانین کے اندر اسلامی رنگ میں رنگنے کی کہاں تک صلاحیت موجود ہے ۔

مقدمہ

ان فصلوں پر گفتگو سے پیشتر یہ بتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حکومت سعودیہ عربیہ میں انسداد رشوت ستانی کا نظام تمام تر قوانین تعزیرات مصر کا چربہ[1] ہے، یہی قانون جرم رشوت کے مرتکب تمام لوگوں پر نافذ کیا جاتا ہے ۔ لہٰذا اس کی قدر و قیمت جاننا، اس پر نقد و نظر کرنا، اور اس کا گہرا جائزہ لینا ضروری ہے ۔ اور یہ بھی معلوم کر لینا ضروری ہے، کہ اس نظام کے اندر اسلامی رنگ میں رنگنے کی کہاں تک صلاحیت موجود ہے ۔ تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ قوانین مناسب ہیں ۔ یا نہیں ، یا ان کی کچھ اصلاح و درستی کی ضرورت ہے ۔ تاکہ یہ قوانین اسلامی فقہی احکام کے عین مطابق ہو جائیں، اور ہم محض توفیق الٰہی کے سہارے اس جرم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں ،

---

[1] قانون تعزیرات مصر دفعہ ۵۸ کا نفاذ ۱۹۳۶ء میں ہوا ۔

(پہلی فصل)

قوانین انسداد رشوت ستانی کی دفعات[1] اور ان پر تبصرہ

دفعہ ۱:-

عام ملازم جس نے اپنی ڈیوٹی سے متعلقہ کسی کام کی انجام دہی کے لئے، یا ایسے کسی کام کی ادئیگی کے لئے جس کو وہ اپنا فرض منصبی خیال کرتا ہے۔ خاص اپنے لئے یا دوسرے کے لئے رشوت طلب کی یا رشوت وصول کی، یا لینے کا وعدہ کیا، اور وہ کام شرعًا جائز ہے، تو وہ شخص مرتشی (رشوت لینے والا) شمار ہوگا۔ اور اسے ایک تا پانچ برس قید اور پانچ ہزار تا ایک لاکھ ریال جرمانے کی سزا دی جائے گی، یا ان میں سے کوئی ایک سزا دی جائے گی، اور ملازم کے اس عذر کے باوجود جرم ثابت ہوگا، کہ اس نے انجام دہی کا صرف وعدہ کیا تھا، کام انجام نہیں دیا ہے[2]

---

[1] حکومتی سرکلر نمبر ۱۵، ۷/۳/۱۳۸۲ھ میں جاری ہوا،

[2] نظام انسداد رشوت ستانی پر پیش کی گئی وضاحتی یادداشت اس بات کی صراحت کرتی ہے کہ "عمومی ملازم اسی وقت سزایاب ہوگا۔ جب وہ رشوت طلب کرے گا، خواہ اپنے لئے یا دوسرے کے لئے بطور داد و دہش طلب کرے گا۔ یا اس کو وصول کرے گا۔ یا اس کا وعدہ لے گا۔ اور وہ کام بھی ایسا ہوگا۔ جس کی انجام دہی اس کی ڈیوٹی ہوگی، یا ایسا کوئی عمل ہوگا جس کو ملازم اپنی ڈیوٹی کے ساتھ مخصوص سمجھے گا۔ اس دفعہ کے تحت ملازم کو جو سزا ملے گی، وہ دست بدست "حاشیہ جاری"

دفعہ ۲۔ " عام ملازم جس نے اپنے فرائض سے متعلق کسی کام کو انجام نہ دینے کے لئے یا کسی ایسے کام کی عدم ادائیگی کے لئے جس کو وہ اپنا فرض منصبی خیال کرتا ہے، اپنے لئے، یا دوسرے کے لئے رشوت طلب کی، یا رشوت وصول کی، یا لینے کا وعدہ کیا، خواہ وہ کام شرعاً جائز ہے۔ تو وہ شخص مرتشی (رشوت لینے والا) شمار ہوگا۔ اور اس قانون کی دفعہ ۱ کی سزاؤں کا مستحق اور ملازم کے اس عذر کے باوجود جرم ثابت ہوگا۔ کہ اس نے انجام دہی کا صرف وعدہ کیا تھا کام[1] انجام نہیں دیا ہے "

مذکورہ بالا ہر دو دفعات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جرم رشوت کی تین بنیادیں ہیں۔

۱۔ قانونی بنیاد

اس نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ قانون اس جرم کو کھلے بندوں حرام قرار دیتا ہے، اس کے ارتکاب پر سزا سناتا ہے۔ یہ شرط عائد کرتا ہے کہ اس حرام کام کے ارتکاب کے ساتھ ہی مجرم پر سزا نافذ ہوگی، اور سزا دہیں اور اسی شخص کو دی جائے گی جس نے جرم کا ارتکاب کیا ہے، اور اگر مذکورہ شرائط میں سے کوئی شرط نہیں پائی جائے گی، تو اس حرام کام کی سزا بھی رک جائے[1] گی، اسی لئے دفعہ ۱ اور دفعہ ۲ میں اس عام ملازم کے فرض منصبی کی صراحت کردی گئی ہے کہ وہ اس کی خاص ڈیوٹی ہو، جس کا انجام دینا اس کے لئے ضروری

" گزشتہ سے پیوستہ " رشوت لینے یا اس کے وعدہ کرنے پر ہوگی، خواہ ادائیگی دیر میں ہو، اور خواہ ملازم نے کام پورا کردیا ہو۔ یا نہ کیا ہو، یا پورا کرنے کا ارادہ کیا ہو۔ یا نہ کیا ہو، یا وہ کام سچا تھا، یا نہ تھا اور خواہ رشوت دینے والے نے سچا وعدہ کیا تھا، یا اس نے محض سبز باغ دکھایا تھا،

[1] اس دفعہ کی وضاحتی یادداشت (میمورنڈم) میں صاف صاف یہ بھی کہا گیا ہے کہ " سابقہ متعدد صورتیں اس وقت ہوں گی، جب ملازم نے اپنے فرض منصبی کو انجام نہیں دیا، یا جو کام اس کی دانست

ہے، یا اس کام کا انجام نہ دینا اس کی ڈیوٹی میں داخل ہے۔ یا وہ سمجھتا ہے وہ اس کا خاص کام ہے۔ معلوم ہوا کہ رشوت عام ملازمت کا ایک جرم ہے۔ اس کا حقیقی مجرم وہی ہوتا ہے جو ڈیوٹی والا[1] ملازم ہوتا ہے، اور آئندہ آنے والی دفعہ ۹ سے یہ واضح ہوجاتا ہے، عام ملازم کون ہے۔ جس پر اس نظام قانون کا نفاذ عمل میں[2] آئے گا۔

۲۔ ترکیبی اجزاء کی بنیاد

یہ جرم وعدہ کرلینے یا تحفہ لے لینے سے وجود میں آتا ہے۔ اور محض تحفہ طلب کرلینے پر بھی وجود میں آجاتا ہے، اور نظام انسداد رشوت ستانی کی مراحتوں میں اس جرم کے ترکیبی اجزاء کو جس تفصیل سے پیش کیا گیا ہے۔ اس کے ذریعہ کچھ دے کر وعدہ کرانے کی جملہ صورتیں بھی اس میں شامل ہوجاتی ہیں۔ اس کی رو سے ملازم کا شمار رشوت لینے والوں میں محض اس شرط سے نہیں ہوگا۔ کہ وہ فی الوقت اجرت وصول کررہا ہے، نہ ہی یہ شرط لگائی جائے گی کہ وہ اور ضرورت مند باہم متفق ہیں ــــ اس لئے کہ رشوت کے ترکیبی اجزاء کی تشکلیں یہی تین ہیں کہ لینے والے نے رشوت اخذ کی (لی) ہے، اس کو قبول کیا ہے، یا

" گذشتہ سے پیوستہ "۔ " میں اس کے فرض منصبی میں شامل تھا، اس کے انجام دینے سے باز آیا، خواہ اس کے لئے اس نے رشوت طلب کی تھی یا اس کو وصول کرلیا تھا، یا وصول کرنے کا وعدہ کیا تھا،

[2] التشریع الاسلامی لعبد القادر عودہ ص ۱۱۲ ج ۱ ، ـــ "

[1] القانون الجنائی القسم الخاص للدکتورا لألفی ص ۱۶۸، ۱۶۹، (معہد الادارۃ العامۃ، وجرائم الرشوۃ فی التشریع المصری لاحمد رفعت ص ۲۱۱،)

[2] دفعہ ۹ ملاحظہ ہو، جو آئندہ آرہی ہے۔

اس کو مطلب[1] کیا ہے۔

اخذ کرنے سے مراد یہاں لین دین ہے۔ رشوت لینے والا اس عمل کو اپنے منصب کی قیمت اور اپنے فرائض پر کلیے دسترس کے تحت کرتا ہے، جس پر وہ مامور ہوتا ہے، مرتشی جو رشوت لیتا ہے اس میں یہ ضروری نہیں ہوتا کہ دینے کا عمل راشی (رشوت دینے والے) کی طرف سے سرزد ہوا۔ بلکہ کبھی بیچ کے کسی آدمی کے ذریعہ محض نیک نیتی کے ساتھ بھیج دیا جاتا ہے۔ یا بذریعہ ڈاک ارسال کیا جاتا ہے، حالانکہ ان صورتوں میں بھی لین دین اس وقت بھی صاف واقع ہو جاتا ہے۔ جبکہ ملازم اس رقم کی علت اور بھیجے جانے کی غرض کو سمجھ لیتا ہے، اور پھر فریق ثانی کے مفاد کی نگہداشت کا لحاظ کرتا ہے۔ کبھی ادائیگی اشاروں میں بھی ہوتی ہے۔

اور اگر رشوت پر دی گئی چیز فطرتاً مادی نہیں، تو وہ سراسر نفع ہوگی۔ اور اس کا لینا اس وقت متحقق ہوگا۔ جب مرتشی (رشوت لینے والا) اس نفع کو حاصل کر لے گا، جیسے رشوت[2] کی جگہ جنسی ملاپ کی پیش کش کی تھی، اور رشوت لینے والے نے اپنا منہ کالا کر لیا۔
اٹلی کے ملک میں اس بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے کہ آیا جنسی ملاپ کو منفعت اور نفع تصور کیا جائے گا یا نہیں۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ اس کو منفعت تصور نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ اس نفع کو حاصل کرنے والا ملازم کوئی ایسا نفع نہیں پاتا، جس کی مادی طور پر قیمت لگائی جا سکے، اور اس کی وجہ سے شخص مذکور کو رشوت خور کہا جا سکے، بالخصوص اس لئے بھی اس شخص کو رشوت لینے والا نہیں کہا جا سکتا کہ اس قسم کی حرکت سے کبھی اسے جنسی امراض

---

[1] دفعہ ۹۔ ملاحظہ ہو، للالفی صـ ۱۶۸، ۱۷۰۔ جرائم الرشوة فی التشریع المصری صـ ۲۲۱۔

[2] شرح قانون العقوبات لمحمود حسنی صـ ۵۴۔

لاحق ہوتے ہیں، یا جو لطف اسے ملتا ہے، رشوت دینے والی، یعنی اس عورت کو بھی اتنا ہی لطف آتا ہے۔ پھر جو لوگ یہ رائے رکھتے ہیں، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر اس جنسی ملاپ کا عوض کوئی مادی قیمت ہو۔ تو اس قیمت کو بھی رشوت تصور کرلینا چاہیئے، مثلاً کسی بازاری عورت نے زناکاری کی اجرت نہ لیتے ہوئے اس عہدہ دار سے اپنا کوئی مطلب نکالنے کے لئے کہا۔ اور اجرت کو اس مطلب برآری کا عوض قرار دیا، اور دوسروں کی رائے یہ ہے کہ اس قسم کا منافع بھی رشوت تصور کیا جائے گا۔ کیونکہ حقیقی طور پر آخر وہ ایسا ہی فائدہ ہے جیسا رشوت سے متحقق ہوتا ہے، کیونکہ قانون نے اس جرم کے بالمقابل کو فائدہ ہی کہا ہے اور قانونی صراحت کسی تخصیص کے بغیر سراسر عام ہے۔ رمسیس بہنام نے اسی دوسری رائے کو ترجیح دی ہے کیونکہ جنسی ملاپ منفعت کے لحاظ سے جنسی ملاپ ہے۔ خواہ بازاری عورتوں کے ساتھ ہو، یا ان کے علاوہ کسی عورت سے ہو،[1]

قبول کرنے کی تعریف یہ ہے کہ فرض کی انجام دہی کے صلہ میں مستقبل میں جو عوض ملنے والا ہے۔ اس کو قبول کرلینے کا ارادہ کیا، قبول کرنے کا کام لازم کرتا ہے۔ اور معاوضہ کے طور پر حاجتمند کی طرف سے کوئی پیشکش یا کوئی ضروری چیز فرض کرلی جاتی ہے۔ پھر پیش کش کو جب قبول کیا جاتا ہے، تو باہم موافقت پائی جاتی ہے۔ اور اس طرح رشوت کے اجزاء ترکیبی وجود میں آتے ہیں۔

قبول اصلاً ارادے کا نام ہے، جو راست طور پر عمداً پایا جاتا ہے۔ اور ظاہری طور پر ایسی کسی چیز کے کھلم کھلا نمایاں کرنے کا نام ہے۔ جس سے اس ارادے کا اظہار ہو، اور اگر پیش کش بظاہر غیر مفید شکل میں ہو، جیسے ایک شخص نے کسی عہدہ دار کو کام کی انجام دہی کے

---

[1] القسم الخاص فی قانون العقوبات رمسیس بہنام ص۴۳ ۱۹۴۴ء

صلہ میں اپنی مملوکہ کل اشیاء دینے کا وعدہ کیا، تو یہ اسباب قبولیت کے لائق نہیں ہو سکتے، اور اگر عہدہ دار نے سردست اس کو قبول کر لیا، تب بھی اسے رشوت نہیں کہا جا سکتا۔[1]

طلب کرنا:۔ ملازم کی طرف سے اس کے ذاتی اور انفرادی ارادے کا نام "طلب" ہے۔ اس کا رخ اس ارادے کی طرف ہوتا ہے۔ جس کو ملازم اپنے فرض منصبی کا عوض ٹھہراتا ہے، عہدہ دار محض طلب کرلے، تب بھی رشوت وجود میں آجاتی ہے، خواہ غرض مند جس کو رشوت دینی ہے، اس نے دینا منظور نہ کیا ہو، یا دینے کی بجائے اس نے بڑھ کر حکام بالا کو خبر کر دی ہو۔ اس صورت میں رشوت ملازم کا عمل ہوگا۔ غرض مند کا کام نہیں ہوگا۔ کبھی رشوت کے ثبوت کے لئے محض طلب کر لینا بھی بطور علت کافی ہوتا ہے، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ملازم ابتداء سے تاجرانہ ذہنیت اور ڈیوٹی سمجھ کر کام کرتا ہے۔ تاکہ اس کو اس کا معاوضہ ملے۔[2]

۳۔ معنوی رکن:۔

ارتکاب جرم کا ارادہ جس کے نتیجے میں ملازم جان جاتا ہے۔ کہ اس نے جو پایا، یا قبول کیا، یا طلب کیا، وہ اس کی کارکردگی کا صلہ، یا عدم کارکردگی کی قیمت ہے۔ اور کام کر دینے سے پہلے اسے جو دیا گیا۔ بغرض رشوت دیا گیا، یہ جان لینے کے بعد بھی وہ سب رشوت میں شمار ہوگا۔ اور اب جو وہ کرے گا۔ اس کی بدولت اسے رشوت لینے والا مانا جائے گا۔[3]

اور رشوت لینے اور دینے والے کا ارتکاب جرم کا ارادہ ان کا وہ اقدام ہے۔ جس کے تحت انھوں نے جرم رشوت کے لئے باہم اشتراک کیا، اس اشتراک کے بعد عام قواعد کی رو سے

---

[1] شرح قانون العقوبات لمحمود حسنی ص۵۴۔ [2] ایضاً ص۵۵۔

[3] القانون الجنائی القسم الخاص للدکتور الالفی ص۱۶۸، ص۱۷۳۔ جرائم الرشوۃ فی التشریع المصری ص۲۱۲۔

رشوت کے عناصر اس میں شریک لوگوں کی ہیئت میں جمع ہوجاتے ہیں ، اور اس کی وجہ سے ہر حصہ دار کو یہ معلوم ہونا ضروری ہوتا ہے کہ جو پیش کش کی گئی ، اس کا مقصد یہ ہے کہ ملازم اس کو لے کر اپنے ہی فرض منصبی کو انجام دے ، یا اس سے باز آئے اور ارتکاب کا ارادہ ہر مثبت طریقہ سے ثابت ہوسکتا ہے ۔ اس لئے یہ ضروری نہیں کہ رشوت لینے والا ، یا اس کا حصہ دار ، زبانی یا تحریری اس کا اظہار کرے ، نیز اس لئے بھی کہ عطیہ کی پیش کش کرنے یا اسی قسم کی کسی مناسبت سے بھی نیت کا پتہ[1] چل جاتا ہے ۔ اس طرح قانون کی زبان میں رشوت یہ ہوگی کہ
• عام ملازم اپنے کسی فرض منصبی کو انجام دینے یا اس سے باز رہنے کے لئے معاوضہ طے کرکے اس کا مطالبہ کرے یا معاوضہ قبول[2] کرے ۔

رشوت اس لئے حرام ہے کہ اس کی وجہ سے عام کارکردگی کی پاکیزگی داغدار ہوتی ہے اور فرائض منصبی کا معیار اس حد تک گرجاتا ہے کہ بازار کے مال کی طرح اس کا سودا ہوتا ہے ، اس کی قیمت لگائی جاتی ہے ، ملکی باشندوں کے درمیان علیحدگی اور دوری پیدا ہوجاتی ہے ۔ اور حکومت کی پاکیزہ کارگذاری پر سے عوام کا اعتماد اٹھ جاتا[3] ہے ۔

دفعہ ۳

عام ملازم جس نے اپنے لئے یا اپنے علاوہ کسی اور کے لئے رشوت طلب کی ، یا رشوت قبول کی ، یا اس لئے عطیہ قبول کیا ، تاکہ اپنے فرض منصبی میں کوئی کوتاہی کرلے ، یا اپنی کارکردگی کا صلہ پائے ، اور خواہ یہ سب سابقہ کسی اتفاق یا معاہدے کے بغیر بھی کرے تو وہ شخص رشوت

---

[1] القانون الجنائی فی القسم الخاص للدکتور للألفی ص۱۸۴

[2] القانون الجنائی فی القسم الخاص للألفی ص۱۶۵ ، جرائم الرشوۃ فی التشریع المصری ص[illegible]

[3] القانون الجنائی فی القسم الخاص للألفی ص۱۶۱ ، شرح قانون العقوبات لمحمود حسنی ص۱۵ ۔

لینے والا تصور کیا جائے گا، اور ان قوانین کی دفعہ ۱ کے تحت سزاؤں کا مستحق ہوگا[1]۔

متذکرہ قوانین نے " فرض منصبی کی ادائیگی یا عدم ادائیگی " کی وضاحت کرتے ہوئے " فرض منصبی میں کوتاہی کرنے " کو تیسری صورت قرار دیا ہے۔ جس کو رشوت لینے والا معاہدے کے مطابق عمل میں لاتا ہے۔ جبکہ ان دفعات کا مطالعہ کرتے ہوئے جو بات ذہن میں آتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ " فرض منصبی میں کوتاہی " کا مطلب قانون ساز کی نظر میں یہ ہے کہ ملازم رشوت لے کر اپنی ڈیوٹی کے کاموں کی ادائیگی یا عدم ادائیگی کو اس جذبے کے ساتھ نہیں کرتا، جو ملازمت کی روح اور اس کی اسپرٹ کے عین مطابق ہونی چاہئے[2]۔

اور " معاوضہ لینا جرم ہے۔ اس کی علت یہ ہے کہ اس قسم کا معاوضہ فرض منصبی کے عام اعزاز اور ملازم کے مقام سے فروتر ہے۔ اس قسم کا لین دین اس ملازم کو ان لوگوں کی صفوں میں جا کھڑا کرتا ہے۔ جو اپنی محنت کا فوری صلہ چاہتے ہیں۔ اور جو اپنی کسی کارکردگی کا ایسا عوض لینے کے لئے کوشاں ہوتے ہیں جس کے اندر بالآخر رشوت کی جھلکیاں نمایاں ہوتی ہیں، اور اس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس قسم کی کارکردگی سے اس کی دولت میں اضافہ ہوگا۔ اور انجام کار پیوستہ معاوضہ سے ملازم کے سامنے معاوضہ دینے والے کو رسوخ حاصل ہوگا۔ اور نفع خوری کی اس حرکت کے بعد ملازم بھی ڈرے گا۔ کہ دینے والا آئندہ چل کر اس کو تکلیف پہنچانے

---

[1] اس دفعہ کی یادداشت کی وضاحتی عبارت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سزا اس لئے ہوگی کہ فرض منصبی کا غلط فائدہ اٹھایا گیا۔ اگرچہ پہلے سے اس کے لئے رشوت لینے اور دینے والے کے درمیان کوئی معاہدہ عمل میں نہیں آیا۔ یعنی کارکردگی یا باز آنے یا کسی قسم کا عمومی نقص پیدا کرنے کے لئے رشوت لینے یا دینے کی بات چیت عمل میں نہیں آئی۔

[2] شرح قانون العقوبات للدکتور محمود حسنی ص۴۹،

کے درپے نہ ہو۔ ڈاکٹر محمود حسنی کی رائے یہ ہے کہ ملازم نے اگر اپنے فرض منصبی کو سمجھ کر ٹھیک ٹھیک انجام دیا۔ اور۔ دستوری طور پر۔ ضرورت مند کی حاجت پوری ہوئی، اور اس نے اس ملازم کی فرض شناسی کا اعتراف کرتے ہوئے اسے کچھ بدلہ دیا، یا دینے کا وعدہ کیا تو اس کا یہ عمل رشوت میں شمار نہیں ہوگا، اس لئے کہ معاوضہ طے کرنے کا معنی نہیں[1] پایا گیا،

دفعہ ۷

عام ملازم جس نے اپنے فرض منصبی میں کوتاہی برتی مثلاً پہلے سے کسی شخص کی خواہش اس کی تاکید، یا اس کی وساطت سے اپنے فرض منصبی کو انجام دیا، یا سرے سے انجام نہیں دیا، تو وہ رشوت لینے والا متصور ہوگا۔ اور جیل میں ایک سال کی مدت سے کم کے لئے ڈال دیا جائے گا۔ یا اس قدر تاوان اس پر عائد ہوگا کہ جو دس ہزار ریال سے زائد نہیں ہوگا، یا ان دونوں میں سے کوئی ایک سزا دی جائے گی۔[2]

ملازم کو یہ سزا اس کی علت فاعلی کی وجہ سے دی جائے گی، لیکن جس طرح اس کو یہ سزا دی جائے گی، اسی طرح خواہش کرنے تاکید کرنے یا واسطہ بننے والے کو بھی یہی سزا دی جائے گی، کیونکہ آخر وہ بھی شریک کار رہے۔ اس لئے شریک کار بھی سزا کا مستحق ہوگا۔

اسی طرح حاجت مند اگر کوئی اور آدمی ہے تو اسے بھی سزا دی جائے گی، بالخصوص جبکہ ساجھے داری کی علامتیں اس کے اندر موجود ہوں، اور اگر خواہش تاکید، یا وساطت

---

[1] ایضاً ص۹۸، [2] اس دفعہ کی وضاحتی عبارت اس کی صراحت کرتی ہے کہ فرض منصبی میں کوتاہی پر یہ سزا اس وقت ہوگی، جبکہ یہ کوتاہی اس خواہش تاکید، یا وساطت کا نتیجہ ہو۔ نیز یہ امر بھی واضح ہے کہ سزا بھی اسی وقت عمل میں آئے گی، جبکہ کوتاہی بھی عملی طور پر ظہور پذیر ہوگی۔

تو پائی گئی، لیکن ملازم نے ان کو قبول نہیں کیا تو اس پر کوئی سزا عائد نہیں ہوگی، کیونکہ رشوت دینے والے کی خواہش، اس کی تاکید، یا اس کا وساطت اختیار کرنا ایک قسم کی ساجھے داری کا آغاز تھا۔ لیکن ملازم نے قبول نہیں کیا، اس لئے یہ دفعہ اس پر منطبق نہیں ہوگی، اور اگر ملازم نے کسی ذریعہ سے رشوت دینے والے کی خواہش، اس کی وساطت، یا اس کی تاکید کو قبول کرنے کا رخ ظاہر کیا اور اس کے فرض منصبی کو انجام دینے کی بابت اس کی نیت کا پتہ چلا کہ وہ کرنا چاہتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود کسی وجہ سے اس نے کام کو نہیں کیا، تو وہ جوابدہ اس وقت ہوگا۔ جب وہ کام کو شروع کرے گا۔ اور ہرچند کہ نص وارد نہیں، لیکن اس کو سزا ہوگی، کیونکہ اس نے بدعنوانی کا ارتکاب بہرحال کیا ہے۔[1]

ہاں جرم رشوت کے اجزاء ترکیبی خاص اس جرم کے ارکان کے لحاظ سے مہیا نہ ہو سکے کیونکہ اس جرم کا ایک رکن عطیہ ہے۔ یا تحفہ دینا ہے۔ اور وہ اس حال میں پایا نہیں گیا، لیکن قوانین نے اس کو جرم تسلیم کرنے کے نظریے کو زیادہ اہمیت دی، بالخصوص ایسے سماج اور معاشرے میں یہ بطور خاص جرم ہوگا، جہاں داد و دہش، سفارشات اور تعلقات اہم پارٹ ادا کرتے ہیں۔ اور یہ چیزیں ملازمین اور عہدیداروں کے فرائض منصبی میں مداخلت اور عام اضطراب کا باعث ہوا کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قوانین نے بدعنوانی کی اس ذہنیت کو بھی جرم قرار دینے کی شدت سے خواہش کی ہے۔[2]

دفعہ ۵

کوئی عام ملازم جس نے اپنے لئے، یا کسی اور کے لئے رشوت طلب کی، یا اپنے اور دوسرے

---

[1] قانون العقوبات للدکتور محمود حسنی ص۱۱۲

[2] القانون الجنائی فی القسم الخاص للدکتور احمد الالفی ص۱۸۱

کے لئے رشوت کا وعدہ لیا ، یا کوئی عطیہ لیا ۔ تاکہ اپنے کسی کام کی بابت اس کو کرنے کے لئے ، کسی فرض کو انجام دینے کے لئے ، کوئی حکم صادر کرنے کے لئے ، کسی تجویز کو روبکار لانے کے لئے ، کوئی الزام عائد کرنے کے لئے ، کسی قسم کی رعایت بہم پہنچانے کے لئے ، کسی چیز کی درآمد کے لئے ، کسی ڈیوٹی کوئی خدمت ، یا کسی تیار کو بحال کرنے کے لئے اپنے حقیقی رسوخ ، یا نمائشی حیثیت کو استعمال کیا ، تو وہ شخص بھی رشوت لینے والے کے حکم میں ہوگا ۔ اور ان قوانین کی دفعہ عا میں جو سزا رشوت لینے والے کو دی جائے گی ، شخص مذکور کو بھی وہی سزا[1] دی جائے گی ،

جرم رشوت اور اجرت خوری اور رسوخ کے ذریعہ نفع اندوزی کے جرائم کے درمیان فرق یہ ہے کہ رشوت لینا فرض منصبی کی ادائیگی کا معاوضہ لینا ہے ۔ جبکہ رسوخ کا فائدہ اٹھانا یہ ہے کہ مجرم نے اپنے حقیقی یا موہوم تسلط کا کام کرنے والے پر بیجا دباؤ ڈالے ۔ (اور یہ ایک قسم کی بدعنوانی ہے ۔) جبکہ رشوت کے اصل اجزاء یہ ہیں کہ خاص رشوت لینے والا اپنی ڈیوٹی یا اپنی دانست کے مطابق اپنے فرض منصبی سے متعلق کوئی کام خود کرے اور رسوخ کے ذریعہ نفع اندوزی تخصیص کو لازم نہیں کرتی ، مزید برآں دستور سازی کی بعض دفعات اس جرم کا بھی تعاقب کرتی ہیں خواہ اس کا مرتکب عادی قسم کا ہو ، اور بارسوخ مجرم ہو ، یا اس کی دانست میں وہ بارسوخ ہو ، لیکن قوانین انسداد رشوت ستانی نے اس کو عام ملازم کی سطح پر پہنچا دیا ہو ۔ اس کے اس فعل کے جرم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی یہ بدکرداری عام

---

[1] وضاحتی یادداشت اس موقعہ پر اس بات کی صراحت کرتی ہے کہ یہ دفعہ "عام دسترس رکھتے ہوئے حقیقی یا موہوم رسوخ کو منافع کے حصول یا مقصد برآری کے لئے قرار دیا ہے ، بالخصوص جبکہ کارگذار کے دائرہ کار یا اس کی سرگرمی میں اس کا شمار نہ ہو ۔

ملازمتوں کے اعتماد کو ٹھیس پہنچاتی ہے۔ مجرم حاجتمندوں کو یہ باور کرانا چاہتا ہے۔ کہ عام حکام اور عہدیداران قانون کی روح اور غیر جانبداری کی اسپرٹ کے ساتھ کام کرنا نہیں چاہتے، وہ اس وقت کام کرتے ہیں جب بارسوخ کا رسوخ اور مالداروں کا مال انہیں حرکت میں لائے، اور جب اس قسم کی گندہ ذہنیت عام ہوگی۔ تو مجرم اپنے فرض منصبی اور عہدے کا ناجائز فائدہ لازمی طور پر اٹھائے گا۔ اور اگر جیسا کہ اس کو گمان ہے۔ اسے رسوخ حاصل ہے، تو لامحالہ کھوٹ مکاری، فریب کاری۔ ایذارسانی اور عام ملازمتوں کی بابت عوام کے اعتماد کو مجروح کرنے کے درپے ضرور بھی ہوگا[1]۔

دفعہ ۶

رشوت دینے والا، درمیانی ایجنٹ، اور سابقہ دفعات میں درج جرائم کے ارتکاب میں ادنیٰ حصہ لینے والا ہر مجرم اس دفعہ کے اندر درج سزاؤں کا مستحق ہوگا، اور ہر وہ مجرم بھی جرم میں شریک متصور ہوگا جس نے جان بوجھ کر دوسرے مجرم کے ساتھ اتفاق کیا ہو، یا کسی صورت اس کی مدد کی ہو، اور اس کے تعاون اور اتفاق کی وجہ سے ہی جرم، جرم کے طور پر منصہ شہود پر آیا ہو[2]۔

رشوت دینے والا یا درمیانی ایجنٹ رشوت خور ملازم کے جرم میں برابر کا ساجھی اور حصہ دار تسلیم کیا جائے گا۔ اور ان کا اشتراک ہر ایسے ذرائع کے استعمال کی صورت میں

---

[1] القانون الجنائی فی القسم الخاص للدکتور احمد الالفی۔ ص ۱۷۵-۱۷۶۔

[2] وضاحتی یادداشت سے اس کی صراحت ہوتی ہے کہ رشوت دینے والے اور حصہ دار کو ہر اس فعل کی سزا نص میں مذکور صراحت کے مطابق ملے گی، جس میں ان مجرمین نے شرکت کی ہو، اور مذکورہ دفعات سے یہ بات واضح ہو چکی ہے۔ کہ حصہ دار کون ہے۔؟

اشتراک مانا جائے گا، جس سے شرکت عمل میں آتی ہے، جیسے اکسانا، موافقت کرنا، اور ہاتھ بٹانا وغیرہ اور جن صراحتوں میں رشوت خور، اور درمیانی ایجنٹ کو سزا کی تاکید درج ہے ان کی حیثیت تاکید کی ہے۔ البتہ اختلاف رونما ہونے کی صورت میں کوئی صراحت نہیں پائی گئی ہے۔

ساجھی اور حصہ دار اس جرم میں شریک تب ہوگا، جب کہ اس نے جان بوجھ کر اس قسم کا ارتکاب کیا ہو، مثلاً وہ جان رہا ہے کہ وہ جو تحفہ دے رہا ہے۔ یا جو قیمت چکا رہا ہے وہ فلاں کام کا صلہ اور اس کا معاوضہ ہے۔ یا اس کے فرض منصبی میں رکاوٹ ڈالنے کے لئے دیا جا رہا ہے۔ ساجھی کو بھی اتنی سزا دی جائے گی، جتنا اصل مجرم سزا کا مستحق ہوتا ہے، اور یہ بات اپنی جگہ واضح ہے کہ اگر ملازم نے تحفہ یا قیمت قبول نہیں کی۔ تو جرم رشوت ثابت نہیں ہوگا، اور جب وہ مجرم نہیں ہوگا۔ تو اسے تحفہ یا قیمت دینے والے کو بھی سر دست مجرم تصور نہیں کیا جائے گا۔ البتہ ایک جرم کا مجرم ضرور تصور کیا جائے گا، اور وہ رشوت کی پیش کش کرنا اور اس کی لالچ دلانا ہے۔ [1]

دفعہ ۷

ان قوانین کی دفعہ ۷ کے تحت ہر وہ مجرم سزا کا مستحق ہوگا، جو کسی عام ملازم کے بارے میں طاقت، شدت، یا ڈانٹ ڈپٹ سے کام لے گا۔ اور اس طرح اس سے غیر دستوری کام کرانا چاہے گا۔ یا قانونی طور پر جس کام کا وہ پابند ہے اس کو اس سے باز رکھنا چاہے گا۔ [2]

---

[1] القانون الجنائی فی القسم الخاص، للدکتور الالفی، ص ۱۸۲۔

[2] وضاحتی یادداشت سے پتہ چلتا ہے کہ رشوت دینے والے، اور رشوت کا ارتکاب

=

جب جبر و اکراہ، اور ڈانٹ ڈپٹ کا مقصد ملازم پر بیجا دباؤ ڈال کر ناحق کوئی کام کرانا ہو یا اس کے فرائض منصبی سے متعلقہ کوئی ایسی خدمت لینا ہو۔ جس کا نفع خود اس کو ملے گا۔ تب بھی جبر و اکراہ کرانے والے کا یہ عمل جرم اور رشوت کے حکم میں داخل سمجھا جائے گا۔

لیکن جبر کرنے والا، معنوی طور پر جرم کا مرتکب اس وقت متصور ہو گا، جب اس نے مقصد و ارادے کے ساتھ جبر میں حصہ لیا ہو۔ اس لئے اگر محض اس نے ڈانٹ ڈپٹ یا ایذا رسانی کے لئے مجبور کیا ہو، تو رکن معنوی موجود نہ ہونے کی وجہ سے وہ مجرم تصور نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ اس کا یہ ارادہ پایا جانا ضروری ہے کہ اس طرح درحقیقت وہ ملازم کو ناحق فعل کی انجام دہی کے لئے مجبور کر رہا ہے، یا اس کے فرائض سے روکنے کی تدبیر کر رہا ہے۔ غرض اس حال میں قانون ارادے کو وزن دیتا ہے۔ اور ارتکاب جرم کے لئے اس کے پائے جانے کو شرط ٹھہراتا ہے۔

نیز اس جرم کے اندر یہ بھی دیکھا جائے گا۔ کہ اس زور و زیادتی، اور سرزنش کا مقصد ملازم سے ناحق کام کرانا، یا اس کو اس کا کام نہ کرنے دینا بھی ہے۔ اب اگر کسی نے ملازم کو اس کی ڈیوٹی سے نہیں روکا، یا حق کی انجام دہی کے لئے اسے آمادہ کیا تو یہ دفعہ اس پر لاگو نہیں ہو گی[1]

"گذشتہ سے پیوستہ .. کرنے والے ہر دو کی اغراض بڑی حد تک مشابہ ہیں۔ اور دونوں کا مقصد ملازم یا عہدیدار پر کوئی دباؤ ڈالنا ہے۔ لہٰذا یہ دفعہ اس بات کی صراحت کرتی ہے کہ کسی غیر دستوری کام کی ادائیگی کے لئے یا فرض کو انجام نہ دینے کے لئے جو کوئی اس قسم کی حرکت کا ارتکاب کرے گا۔ قانونی طور پر ہر ایسا آدمی مجرم ہو گا۔

[1] جرائم الرشوۃ، فی التشریع المصری۔ لاحمد رفعت ص ۸۹، ۹۰۔

* * * * *

دفعہ ۸

جس نے رشوت پیش کی، لیکن قبول نہیں کی گئی، یا جس نے زور زبردستی، سختی، اور درشتی کو استعمال کیا، لیکن گوہر مقصود حاصل نہ کر پایا، ایسے شخص کو چھ ماہ سے ڈھائی سال کی قید یا ڈھائی ہزار تا پچاس ہزار ریال جرمانہ یا دونوں یا کوئی ایک سزا دی جائے گی[1]۔

پھر یہ بات عام قواعد کی رو سے جانی پہچانی ہے کہ اگر رشوت دینے والے نے رشوت کی پیشکش کی اور ملازم نے قبول نہیں کیا، تو جرم رشوت میں وہ شخص شریک کار نہیں سمجھا جائے گا۔ کیونکہ ملازم کے قبول کرنے سے اس جرم کا وجود عمل میں آتا۔ اور سابقہ اس اصول کے تحت ہو سکتا ہے کہ رشوت دینے والے سے اس کے اس فعل کی بابت کچھ نہ کہا جائے۔ لیکن قانون کی نظر میں اس کا یہ فعل بڑا نازک ہے۔ کیونکہ جہاں اس کے اس اقدام سے ملازمین کا اعتماد متزلزل ہو جاتا ہے۔ اور ان کے فرض منصبی میں کوتاہی کا خدشہ پیدا ہوتا ہے، وہیں دینے والے کی یہ حرکت ملازمین کو ایسے گڑھے میں اتار دیتی ہے۔ جس کے بعد وہ رشوت کی دلدل سے بچ نہیں سکتے۔ اس لئے قانون نے ایسی بھی صراحت کی ہے کہ رشوت دینے والا اپنی اس حرکت کی سزا سے بچ نہ سکے۔ اور اگر اس کے ساتھ کسی حصہ دار نے بھی اس جرم میں ساجھے داری کی، تو رشوت دینے والے کے ساتھ ساتھ اس سے بھی باز پرس ہوگی، جیسے اصل رشوت لینے والا اور اس کا شریک کار دونوں ملوث ہو جائیں تو ان سے ان کی کارگذاری اور اس آلودگی کی بابت باز پرس ہوتی ہے[2]۔

---

[1] توضیحی یادداشت بتاتی ہے کہ دفعہ ۸ کی رو سے وہ شخص بھی مجرم ہوگا۔ جس نے رشوت پیش کی، مگر وہ قبول نہیں ہوئی، یا جس نے زور آزمائی یا سختی کی، لیکن اپنا مقصود حاصل نہ کر سکا۔

[2] القانون الجنائی، فی القسم الخاص للدکتور احمد الالفی ص ۱۸۵۔

دفعہ ۹

ان دفعات کی رو سے عام ملازم کے زمرے میں ہر ایسا شخص شمار ہوگا، جو — !

۱۔ حکومت، یا اس کے ذیلی اداروں یا عام محکموں میں برسرِ خدمت ہو خواہ اس کی ملازمت مستقل ہو یا عارضی ہو۔

۲۔ حکومت، یا اس کے کسی خاص محکمہ کی طرف سے مقررہ جج، یا واقف کار مشیر ہو جسے کامل قانونی سوجھ بوجھ حاصل ہو،

۳۔ معالج، (ڈاکٹر) یا نرس (دایہ) جو سرٹیفکٹ وغیرہ جاری کریں، خواہ ان کو سرکاری ملازمت حاصل نہ ہو۔

۴۔ ہر وہ شخص جو حکومت کی طرف سے مامور ہو، یا کسی دوسرے ادارے کی طرف سے کسی کام کا پابند ہو۔

۵۔ امداد باہمی کے اداروں کے ملازمین، جو عام مفاد کے لئے کام کیا کرتے ہیں[1]۔

اور حکومت یا اس کے ماتحت اداروں یا عام کمپنیوں میں برسرِ خدمت ملازمین پر ان قوانین کی دفعات لاگو کرنے کا حکم بطور تاکید پیش کیا گیا ہے، خواہ ان ملازمین کی حیثیت عارضی ہو۔ یا مستقل ہو۔ یہ اسلئے کہ ان دفعات کی حیثیت ہمہ گیر ہے۔ ان کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوتا ہے۔ جو حکومت کے محکموں، اس کے کسی شعبے، یا کمپنی سے منسلک ہو۔ اور خواہ کتنا ہی معمولی حصہ

---

[1] وضاحتی یادداشت آگاہ کرتی ہے کہ قانونی دفعات کا مخاطب عام ملازم وہ ہوگا۔ جو دفعات میں درج سزاؤں کا مستحق ہوگا۔ مزید وضاحت یہ کہ مفادِ عامہ میں وہ ادارے بھی شامل ہیں، جن کے مستقل کھاتے وغیرہ ہوں، عام کمپنیوں میں تجارتی برانچیں اور سیونگ بینک وغیرہ بھی شامل ہوں گے،

کیوں نہ لیتا ہو، اور اسی بنیاد پر خواہ یہ شخص حکومت کی وزارت کے منصب میں ہو، یا اس کے ذیلی اداروں میں ہو، جیسے امور عامہ کی نگران کمیٹی میں ہو محنت اور ملازمین کے دفتر میں، انسداد مظالم کی کچہری میں، میونسپلٹی آفس میں۔ انتظامی بورڈ میں، زراعتی قرضہ جاتی بنک میں۔ ریلوے لائن سے متعلقہ دفاتر میں، یا پٹرولیم کے محکمہ میں یا سعودی عربی کرنسی کے ایکسچینج آفس میں ہو پھر اس معاہدے میں شامل سعودی باشندے اور غیر ملکی سب ہی ان قوانین کی پابندی کریں گے، اسی طرح یہ قوانین ان حکام اور معاون مشیروں پر بھی یکساں نافذ ہوں گے، جو حکومت یا اس کے ماتحت اداروں کی طرف سے متعین ہیں۔ اور جنہیں قانون کی خصوصی معلومات حاصل ہے یہ افراد بھی اس لئے ان قوانین کے پابند ہوں گے کہ وہ بھی عدالتی کاموں کو انجام دیتے ہیں۔[1]

یوں ہی یہ آئین عام ملازمین کے علاوہ ڈاکٹروں اور نرسوں پر بھی نافذ ہوں گے، اور ان کا اطلاق ان تصدیق ناموں اور سرٹیفکٹوں پر بھی ہوگا، جن کو یہ اپنی ذمہ داری کے ساتھ اپنے متعلقہ امور کی بابت وقتاً فوقتاً پیش کرتے ہوں، جیسے موت، بیماری یا پیدائش کی سرٹیفکٹ وغیرہ اور جو شخص حکومت یا کسی اور کمپنی کی طرف سے کبھی کسی اہم ذمہ داری کے لئے مامور کیا گیا ہو، اس کے اور عام ملازم کے درمیان ایک فرق یہ ہوتا ہے کہ اول الذکر باقاعدگی کے ساتھ مسلسل کام کو انجام نہیں دیتا ہے۔[2]

اسی طرح ان قوانین کا نفاذ امداد باہمی کی انجمنوں یا مفاد عامہ کے تحت مصروف اداروں کے ملازمین پر بھی ہوگا۔ اور باہمی اداروں کے ملازمین کو عام ملازمین کے زمرے میں اس لئے شریک کیا گیا، تاکہ قانون کی ٹھیک ٹھیک تطبیق عمل میں آئے، اور یہ امر نمایاں ہو سکے کہ ان قوانین نے

---

[1] القانون الجنائی فی القسم الخاص للدکتور الالفی ص۱۰۰۔

[2] ایضاً، ص۱۰۱۔

نجی اداروں کے رشوت خور ملازمین کی سزاؤں کو امداد باہمی کے شعبہ جات کے ملازمین کی بہ نسبت ہلکی رکھا ہے ۔ کیونکہ ان شعبوں کی کارکردگی زیادہ گہرائی اور گیرائی لئے ہوتی ہے ۔ لیکن اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ قانون رشوت کے سررشتہ کو پھیلنے سے روکنا چاہتا ہے ۔ جب ہی تو نجی اداروں کے ملازمین کو بھی اس دائرے میں شامل رکھا ہے ۔[1]

دفعہ ۱۰

ہر وہ شخص جس کو رشوت لینے والے یا دینے والے نے اس لئے متعین کیا تاکہ جو دیا گیا ، اس کو وہ وصول کرے ، یا مقررہ فائدے کو وہ حاصل کرے ، اور اسی سبب سے اس نے اس داد و دہش کو قبول کیا ، تو اس شخص کو ایک ماہ تا چھ ماہ قید کی سزا دی جائے گی ، ساتھ ہی ایک ہزار تا پانچ ہزار ریال کا جرمانہ اس پر عائد ہوگا ۔ یا ان میں سے کوئی ایک سزا اس کو دی جائے گی ، لیکن یہ اسی وقت ہوگا ۔ جب اس نے اس کام کو بلا واسطہ نہ کیا ہوگا ۔[2]

---

[1] ایضا ، ص ۱۷۱ ،

[2] وضاحتی یادداشت اس کی صراحت کرتی ہے کہ اگر رشوت لینے والے نے غیر کے لئے رشوت طلب کی جیسے مثلاً اپنے بیٹے یا بیوی کے لئے رشوت طلب کی ، یا دینے والے نے از خود فائدہ اٹھانا چاہا ۔ اور رشوت دینے یا لینے والے نے جس کو رشوت لینے کیلئے مقرر کیا ، اس نے اس کو قبول کر لیا تو دفعہ ۱۰ اس پر سزا کا نفاذ کرتی ہے ۔ بشرطیکہ یہ درمیانی شخص رشوت لینے والے کے پیش کردہ عطیہ یا بخشش دیئے گئے فائدے سے واقف ہو ، جس کے لئے رشوت دی گئی ، البتہ اس کی اور رشوت لینے اور دینے والے کی سزا کی بابت یہ رعایت کی جائے گی کہ اس کی سزا ان دونوں کی بہ نسبت کچھ ہلکی ہو ۔ اور یہ اس وقت ہوگا جبکہ ان دونوں نے شخص مذکور کو از خود رشوت ستانی کے لئے مقرر نہ کیا ہو ۔ اور درمیان میں رہ کر جس نے فائدہ حاصل کیا ہوگا ۔ اس کا یہ جرم مستقل اور اس کے ساتھ =

اس دفعہ کے اندر دو حالتیں درج ہیں، اور ان میں اس شخص کو سزا دی جائے گی جس کے اغراض یا مفاد کے لئے شرط عائد کی گئی تھی، ایک[1] حالت تو وہ ہے جس میں درمیانی شخص نے اس لین دین میں بیچ کا پارٹ ادا کیا ہو، اس کے بارے میں البتہ رشوت کے ارکان کامل دستیاب ہوں گے، اور دفعہ[۲] کی سزا کے مطابق یہ شخص بھی سزا کا مستوجب ہوگا۔ اور دوسری حالت وہ ہے جس میں اشتراک کے اجزاء پورے طور پر دستیاب نہ ہوں، تب بھی قانون کی رو سے یہ شخص سزا کا حقدار ہوگا۔ کیونکہ اس قسم کی حرکت کبھی رشوت کے وقوع پذیر ہونے میں حائل ہوجاتی ہے، اور سزا سے رہائی مل سکتی ہے۔ لہٰذا اس دفعہ نے سزا واجب ہونے کو اس شرط کے ساتھ وابستہ کیا کہ لین دین کی غرض کو وہ پہلے سے جانتا ہو، اور اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کسی شخص کے ساتھ یہ جرم اسی وقت وابستہ ہوگا۔ جبکہ جرم رشوت سرزد ہوجائے، خواہ ہدیہ یا تحفہ تحائف کا لین دین ہو یا نہ ہو۔ اور اگر تحفہ دیا گیا، اور ملازم نے اس کی غرض کو جان لیا

"گذشتہ سے پیوستہ" مخصوص ہوگا۔ اور اس کی وجہ سے اسے بھی سزا دی جائے گی۔ اور اس کا ثبوت ذیل کی تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں ہوگا،، ۱۔ رشوت لینے والے ملازم نے شخص مذکور کو رشوت لینے کے لئے متعین کیا ہو۔ ۲۔ رشوت لینے والے کی تعیین اور تشخیص کے بغیر اس نے رشوت کی رقم یا فائدہ حاصل کیا ہو۔ اور اس آخری بات کا علم اسی کے ذریعہ ہوگا، اور پھر اس پر اتفاق کیا جائے گا۔ ۳۔ شخص مذکور نے رشوت لی ہو، یا اس کو قبول کیا ہو۔ جبکہ ملازم مذکور اس سے نہ ملا ہو، یا وہ جانتا ہو، لیکن اس نے اس کو مقرر نہیں کیا ہو۔ سابقہ کسی سمجھوتے کے بغیر ملازم کے بیٹے یا اس کی بیوی نے رشوت وصول کی، پھر ملازم نے اس کو جانتے ہوئے رشوت کو قبول کیا۔ جس غرض یا مقصد کے تحت پیش کی گئی تھی، حالانکہ بیوی نے اس غرض کو اپنے شوہر یا بیٹے نے اپنے اس باپ کو بتایا نہیں نہ اس کے سامنے اس کا اقرار کیا۔

لیکن مطلوبہ کام کو اس نے انجام نہیں دیا، تو اب یہ شخص سزایاب نہیں ہوگا[1] .

دفعہ ۱۱۱

اس قانون کی تطبیق اور اس کے نفاذ کے لئے وعدے اور عطیے کی ضمن میں ایسے ہر فائدے یا امتیاز کو بھی شامل کیا جائے گا۔ جیسے رشوت دینے والا بقدر امکان حاصل کرے گا، خواہ اس فائدے یا امتیاز کی نوعیت کوئی سی ہو۔ اور خواہ اس کی حیثیت مادی ہو، یا مادی نہ ہو[2]، اس دفعہ کے اندر یہ اشارہ موجود ہے کہ رشوت کا صرف مادی ہونا ہی ضروری نہیں ہے۔ بلکہ رشوت معنوی یا غیر مادی بھی ہو سکتی ہے، جیسے رشوت دینے والے کے کسی عزیز کو ملازمت دینا یا اس کی ترقی کے لئے کوشش کرنا، کبھی رشوت کا معاوضہ ایسی بھی چیزیں ہو سکتی ہیں جو

---

[1] القانون الجنائی فی القسم الخاص للدکتور احمد الالفی صـ ۱۸۰،

[2] وضاحتی یادداشت سے اس بات کی صراحت ملتی ہے کہ "وعدے یا عطیہ کی نوعیت کیا ہو سکتی ہے۔" اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ عطیہ، وعدہ، یا فائدہ کیا صورت اختیار کرے گا۔ یا اس کا کیا نام ہوگا۔ یہاں اس سے بحث نہیں، کیونکہ رشوت دینے والا رشوت کو چھپانے کا قصد بھی کرتا ہے جیسے جو دینا چاہتا ہے اس کو وہ ہدیہ کی شکل میں پیش کر رہا ہے۔ اور کبھی لینے اور دینے والے دونوں سرے ہی جرم رشوت کے نقوش کو چھپانا چاہتے ہو، اور اپنے درمیان وقوع پذیر کسی معاہدے کے مطابق اس کی کوئی شکل دینا چاہتے ہوں، جیسے رشوت لینے اور دینے والے نے ایک گھر کا سودا کیا ہو، اس کی قیمت ۳۰ ہزار ریال ہو۔ لیکن سودا پندرہ ہزار ریال پر ہوا ہو۔ یا رشوت دینے والے نے رشوت لینے والے سے ایک گھر کا سودا تیس ہزار ریال میں کیا ہو۔ جبکہ اس کی قیمت صرف بیس ہزار ہی ہو۔ یا رشوت کو مکان کے کرائے میں ضم کر دیا ہو۔

سراسر غیر شرعی اور غیر دستوری ہوتی ہیں، جیسے کوئی نشہ آور چیز یا جنسی اختلاط کا موقعہ پیش کرنا یا رشوت دینے والی عورت رشوت لینے والے کو اس کی اجازت دے کہ وہ اس کے جسم کے ساتھ کوئی حیا سوز اقدام کرے، اور یہاں اس امر کی کوئی اہمیت نہیں ہوگی۔ نہ یہ دیکھا جائے گا کہ رشوت کا معاوضہ اور ملازم سے مطلوبہ کام کے درمیان کوئی مناسبت یا ایک کے مقابلہ میں دوسرے کی کوئی قیمت یا اہمیت بھی موجود ہے یا نہیں، البتہ انتہائی حقیر چیزیں اس سے از خود مستثنیٰ ہوں گی۔[1]

دفعہ ۱۲

اس نظام میں شامل جرائم کے اندر قرض کا لین دین کرنا بھی بطور جرم ان قوانین میں شامل ہوگا، اور اس پر بھی ان قوانین کا نتیجہ ظاہر ہوگا۔ ان قوانین کو حاصل قوت میں سے ایک ملازمت سے برطرفی، اور عام ڈیوٹی سے اس کو محروم کرنا بھی ہے۔ ساتھ ہی اس ٹھیکہ لینے، کوئی چیز سپلائی کرنے، یا برآمد کے مواقع بھی نہیں دیئے جائیں گے، جن کو حکومت یا مقامی، یا امتیاز عمومی ادارے انجام دیا کرتے ہیں۔ خواہ یہ عمل مسلسل پریکٹس کے طور پر ہو۔ یا براہ راست اس کا معاہدہ کیا ہو، اور کابینہ کو اس کی اجازت ہوگی کہ ان ذیلی اور ضمنی سزاؤں پر اصل سزاؤں کے پانچ سال گذر جانے کے بعد مزید غور و خوض کرے۔[2]

---

[1] القانون الجنائی فی القسم الخاص للدکتور احمد الالفی ص۱۸۰۔

[2] اس دفعہ کی وضاحتی عبارت اس بات کی صراحت کرتی ہے کہ ان قوانین کے ذیل میں شامل دفعات کے تحت قرض کے لین دین کا جو حکم ہے۔ وہ بھی ان کے اندر حتمی طور پر شامل ہے۔ اور قوانین کے تحت صادر سزائیں اس مجرم کو بھی ہوں گی، اگرچہ متذکرہ دفعہ میں اس قسم کا حکم صادر نہیں ہوا ہے۔

دفعہ ۱۳

جرم رشوت سرزد ہونے پر تمام حالتوں میں مال ضبط کر لینے اور رسوخ یا مخصوص فوائد کے حصول سے مجرم کو بقدر ممکن محروم کر دینے کا حکم نافذ کیا جائے گا[1]،

اگر اس کو حاصل شدہ فلاں از قسم مال ہو، اور اس کو ضبط کیا جا سکتا ہو، تو چھاپہ مار کر اس کو چھین لیا جائے گا۔ اور اگر رشوت دینے والے کو کوئی اور فائدہ حاصل ہو، جیسے برآمد کرنے کی سہولت اسے حاصل ہو۔ تو یہ سہولت اس سے اس طرح چھین لی جائے گی، کہ اس کا مفر اثر کسی اور پر واقع نہ ہو سکے[2]،

دفعہ ۱۴

رشوت دینے والے اور درمیانی ایجنٹ کو سزا سے اس وقت معافی دی جائے گی، جبکہ اس نے خود حکام کو جرم سے باخبر کیا ہوگا۔ یا اس کا اعتراف از خود کیا ہوگا۔ خواہ جرم ابھی متحقق اور منکشف نہ ہوا تھا۔ اور اس وقت بھی مال ضبط کرنے، اور رسوخ یا حاصل شدہ مفاد کو ختم کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا، جب کہ جرم کے ظہور سے پہلے رشوت دینے والے نے حکام کو خود اسی کی خبر دی[3] ہو،

---

[1] اس دفعہ کا وضاحتی نوٹ اس بات کی صراحت کرتا ہے کہ چھاپہ مار کر قبضہ کر لینے کا حکم لازمی طور پر صادر ہوگا۔ ہر چند کہ دفعہ ۱۲ میں اس کی بابت کوئی حکم نہیں دیا گیا ہے۔ البتہ حکام کی صدر نشینی مجلس کو چھاپہ مار کر قبضہ کر لینے کی سزا معاف کرنے کا بھی اختیار رہے گا۔ جیسا کہ دفعہ ۱۴ میں آرہا ہے۔

[2] القانون الجنائی فی القسم الخاص للدکتور احمد لا لغی ص ۱۸۵،

[3] وضاحتی نوٹ میں یہ صراحت ملتی ہے کہ، رشوت دینے والے یا درمیانی شخص نے حکام کو اطلاع دے دی تو اس کی سزا اس لئے معاف کر دی جائے گی، جرم رشوت عام طور پر خفیہ

لیکن اس عمل نے یہ بات ظاہر کر دی ہے کہ رشوت دینے والے اور درمیانی شخص کو جرم کے انکشاف کے بعد معاف کر دینے کی جو وسعت دی گئی، اس کے ذریعہ انہیں کوئی خاص فائدہ حاصل ہونے والا نہیں، کیونکہ بسا اوقات یہ دونوں اشخاص کورٹ کے سامنے جرائم کی تفتیش کے سلسلے میں کامل دار و گیر کے بعد جرم کا صرف اعتراف کرتے ہیں۔ اور اس اعتراف کے بعد جیوری بھی انھیں معاف کر دینے پر اکتفا کرتی ہے، کیونکہ دفعات کی صراحت سادہ[1] اور عام ہے یہی وجہ ہے کہ اس دفعہ کی تشریح وزراء کی کابینہ کی قرار داد ۲۹۳ مجریہ ۱۲/۶/۱۳۸۷ھ میں موجود ہے۔ اور دفعہ ۱۶ میں اس مقررہ معافی کی شرط، اس طرح درج ہے:۔

۱۔ اعتراف کرنے والے کو صراحت کے ساتھ اس کا اقرار کرنا ہو گا کہ ملزم جواب معافی

گزشتہ سے پیوستہ ،، عمل میں آتا ہے، اور خفیہ طور پر ہی عملی زندگی میں اس کی ڈھکی ڈھکی خبر ملا کرتی ہے۔ لہذا اس وقت سزا کو معاف کر دینا درحقیقت خود سزا کے قائم مقام ہے، اسی وجہ سے قانونی دفعات نے جرم کے انکشاف سے قبل اس کو معاف کر دینے رشوت دینے اور واسطہ بننے والے کی طرف سے اس کے اعتراف کر لینے کی حالت کو یکساں قرار دیا ہے۔ بلکہ خبر دے دینے کے بعد بھی اگر اعتراف کیا تب بھی یہ تمام حالتیں یکساں شمار ہوں گی، کیونکہ جرم رشوت کا انکشاف الگ ایک چیز ہے۔ اور اس کو دلائل سے ثابت کرنا الگ ہے۔ اور قوانین کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے، کہ ارتکاب جرم پر دلائل قائم کئے جائیں،

[1] جبکہ وضاحتی یادداشت سے اس بات کی صراحت ملتی ہے کہ دفعہ ۱۵ سے واضح طور پر اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ دفعات میں درج جرائم سے جو کوئی بھی آگاہ کرے گا۔ اور اس کی آگاہی سے جرم کے ثبوت میں مکمل مدد ملے گی، اس شخص کو انعام سے نوازا جائے گا۔

❖ ❖ ❖ ❖ ❖

کا خواستگار ہے اس نے رشوت دینے کا یا درمیانی شخص کا پارٹ انجام دیا ہے، لیکن اس نے اپنی ذات کے لئے رشوت ستانی نہیں کی تھی،

۲۔ ملزم نے حکام بالا کو جرم کی یا اپنے اعتراف کی اطلاع خود دی، خواہ یہ اطلاع انکشاف کے بعد دی گئی تھی،

نیز یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ حکام بالا کو اطلاع جرم کے انکشاف کے پیشتر دی جاتی ہے۔ جبکہ اعتراف اور انکشاف حکام اور ان کے عملہ کے علم کے بعد عمل میں آتا ہے۔ لہٰذا اطلاع دینے اور اعتراف کرنے کے درمیان فرق واضح ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دفعہ ۱۴ کی ترمیم جو گورنمنٹ سرکلر ۳۵ مجریہ ۱۳/ ۱۰/ ۱۳۸۸ھ میں درج ہے، اس میں لکھا ہے۔

• رشوت دینے والے یا درمیانی پارٹ ادا کرنے والے شخص کو سزا سے اس وقت معاف کیا جائے گا، جبکہ جرم کے انکشاف سے پیشتر اس نے حکام کو اپنے جرم کی اطلاع دی ہوگی۔" یہ تو ہوا ــــ! پھر اگر رشوت لینے والے پر غور کیا جائے جو عام ملازم ہے۔ اور جو درحقیقت جرم کا اصل مرتکب ہے، تو یہ معلوم ہوگا کہ اس رشوت لینے والے کے مفادات سے اس کے ایجنٹ کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہے، جیسا کہ دفعہ ۱۴ سے بھی اس کا اظہار ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے بجائے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رشوت دینے والے کا ایجنٹ کچھ فائدہ اٹھاتا ہے، اور قانون کی رو سے وہ اصل مجرم نہیں ہے۔

دفعہ ۱۵

ان قوانین میں درج کسی ایک جرم سے ــــ جن کی صراحت اوپر وارد ہے ــــ کسی نے رہنمائی کی، اور اس کی فراہم کردہ معلومات سے جرم کا ثبوت دستیاب ہوا۔ اور وہ شخص رشوت دینے والا، اس کا شریک، یا درمیانی ایجنٹ بھی نہیں ہے، تو اس کے اس اقدام کے اعتراف کے لئے اس کو انعام دیا جائے گا، جس کی مقدار پانچ ہزار ریال سے کم نہیں ہوگی، نہ ہی ضبط شدہ

مال کے نصف سے زیادہ ہوگی، اور اگر ضبط کردہ اموال سے انعام کی کم سے کم مقدار بھی پوری نہیں ہوسکے گی، تو حکومت کے خزانے سے باقی ماندہ کی کو پورا کیا جائے گا۔ یا انعام کی پوری مقدار روپیں سے ادا کی جائے گی، بشرطیکہ ضبطی عمل میں نہ آئی ہو، اور دفعہ ۱۰ کے تحت متعلقہ کمیٹی انعام کی اس رقم کا اندازہ اور اس کی فراہمی کا کام کرے گی۔[1]

اور بسا اوقات اس کا امکان ہے کہ اس دفعہ کی عملی تشکیل سے رشوت کا انعام حاصل کرنے کے لئے مصنوعی حالات پیدا کئے جائیں، چنانچہ وزراء کی کابینہ کے مشیروں کی یادداشت میں یہ ہدایت درج ہے کہ نظام انسداد رشوت ستانی میں بدلہ اور انعام دینے کی جو پیش کش کی گئی ہے، وہ صرف حکام اور محکمہ کے علاوہ افراد کے لئے ہے۔ کیونکہ جہاں تک حکام اور محکمہ کے افراد کا تعلق ہے، جرم رشوت کا انسداد اور ان کا فرض اور ان کی اہم ذمہ داری ہے، مزید برآں اگر ان لوگوں کو انعام سے نوازا جانے لگا۔ تو بعید نہیں انعام پانے کے لئے یہ لوگ مصنوعی حالات پیدا کریں، جیسا کہ رشوت کے مقدمات کا تصفیہ کرنے والی عدالتوں کو اس کا بارہا مشاہدہ ہوا ہے۔

اور بعض تو یہ بھی کہتے ہیں کہ دفعہ ۱۵ کسی قید کے بغیر مطلق وارد ہوئی ہے، اس کا اطلاق حکام اور غیر حکام تمام پر یکساں ہوتا ہے۔ حالانکہ ان لوگوں کو یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ جرم کی اطلاع دینے والا اگر حکام یا ان سے وابستہ کوئی فرد ہے۔ اور وہ چاہتا ہے کہ اس کی اس اطلاع سے کاروائی آگے بڑھائی جائے، تو یہ بات عقل میں نہیں آتی، کیونکہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ دفعہ کی متن انعام کا حقدار کسی ایسے شخص کو بنائے جس کا کام ہی جرائم کی تفتیش اور مجرم کا پتہ چلانا ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ غیر حکام کو انعام دے کر ان کی حوصلہ افزائی کی جائے تاکہ جرائم کا انسداد ہو، نیز یادداشت نے اس دفعہ کے اندر درج کمتر حد کو بھی لغو قرار دیا ہے، اور اس کی مقدار کو اس محکمہ سے متعلقہ حکام

---

[1] القانون الجنائی فی القسم الخاص للدکتور ألفی ص۱۸۶۔

کی صوابدید پر رکھ چھوڑا ہے ۔ البتہ اس کا ایک اندازہ یہ بتایا ہے کہ اس کی مقدار جرم کے تحت لئے گئے مال کے آدھی مقدار سے زائد نہ ہو ۔ ؎۱

دفعہ ۱۶

وزراء کی کابینہ کے لئے یہ امر ضروری ہے کہ اگر ملازم کی بابت اس کی بیگناہی ٹھوس حقائق اور مضبوط دلائل کے ذریعہ ثابت ہوئی اور یہ بھی پتہ چلا کہ غرض مندوں کے دلالوں نے اس ملازم کو مادی طور پر بہت ورغلایا ، لیکن اس نے ان کا مقابلہ کیا ، تو ان حکام کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کو مالی انعام عطا کریں ، نیز متعلقہ محکمہ کا یہ بھی فرض ہے کہ اس کو ترقی دے ، اور اگر اس قسم کا موقعہ بار بار پیش آیا تو درجاتی ترقی کے ساتھ ساتھ اس کی تنخواہ میں بھی اضافہ کیا جائے تاکہ وہ اپنا فرض پورے طور پر انجام دے سکے ۔

دفعہ ۱۷

ان قوانین میں درج جرائم کی تفتیش کا فرض عدالت دیوانی (دفع مظالم کی کچہری) کے ایک آدمی اور پولس کے ایک آدمی کے ذریعہ کرائی جائے گی ، اور وزراء کی کابینہ کے صدر (وزیر اعظم) کو اس بات کی اجازت ہوگی کہ اس تفتیش کی نگرانی اپنی صوابدید کے مطابق کسی کے حوالہ کرے ، ان جرائم کی تفتیش مکمل ہوجانے کے بعد کمیشن اس کی رپورٹ ایک کمیٹی کو پیش کرے گا ۔ جس میں عدالت دیوانی کا صدر یا اس کا نائب صدر شریک ہوگا ، جس کا تقرر عدالت دیوانی کے مشیر حقوق کی حیثیت سے ہوگا ، اور مشیر حقوق کا تقرر براہ راست وزراء کی کابینہ کرے گی ، تاکہ متذکرہ کمیٹی میں اس کی رکنیت بدستور برقرار رہے ، لیکن اس کمیٹی میں کسی ایسے شخص کی رکنیت بحال نہ ہوگی جس نے اس تفتیش میں ذاتی حصہ لیا ہے ، یا جس نے اس سلسلے میں کسی قسم کی رائے دی ہے

؎۱ القانون الجنائی فی القسم الخاص للدکتور الالفی ص۱۸۵ ۔

اور کابینی وزراء کے صدر نشین کی تصدیق کے بعد اس کمیٹی کا فیصلہ آخری فیصلہ متصور ہوگا۔[1]

(دوسری فصل)

نظام انسداد رشوت ستانی پر کی گئی اہم تنقیدیں

یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں کہ اس بدترین جرم کی بیخ کنی اور ازالے کے لئے اسلامی شریعت کو ہم دیگر تمام ساختہ پرداختہ قوانین کے مقابلہ میں زیادہ ہمہ گیر اور زرخیز پاتے ہیں۔ کیونکہ یہ امتیاز صرف اسلام کو حاصل ہے۔ جو ضمیر کو بیدار کرتا ہے۔ اور روح دار اور یکسر باز رکھنے والی سزائیں اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ اور کیوں نہ ہو جب کہ یہ دستور اللہ رب العزت کی طرف

---

[1] وزراء کی کابینہ کی ایک میٹنگ سے جاری ہونے والی ایک تجویز ۸۰۳۵ منعقدہ مورخہ ۲۹/۴/۹۲ ۱۳ھ کا متن حسب ذیل ہے۔

۱۔ "رشوت کے مقدمات سے متعلقہ مجلس عدالت کو ان مقدمات پر بھی اپنی نگاہیں مرکوز رکھنی ہونگی، جن کی تفتیش قوانین انسداد رشوت ستانی کی دفعہ ۱۰ کے تحت عمل میں آتی ہے۔ اس مجلس کو ایسے ایک یا کئی افراد پر بطور خاص نظر رکھنی ہوگی، جو جرم رشوت میں ماخوذ ہیں، البتہ ان کے علاوہ مقدمات میں ماخوذ افراد کی بابت صدر عدالت دیوانی یا اس کے نائب کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ اس مقدمہ کو تحقیقی کمیشن کی رپورٹ کے ساتھ منسلک کر کے متعلقہ مخصوص کمیٹی کے حوالہ کر دیں۔

۲۔ رشوت سے متعلقہ مجلس عدالت کے لئے یہ لازم ہوگا کہ وہ کسی ایسے مقدمہ کو اپنے محکمہ سے منسلک نہ رکھے، جو اگرچہ اس کے سپرد کیا گیا۔ لیکن غور وفکر کے بعد معلوم ہوا کہ اس کا تعلق ان قوانین سے نہیں ہے۔۔۔

سے آیا ہے، جو انسان کی فطرت اور اس کی اصلاح و درستی کی ایک ایک ضرورت کو سب سے زیادہ جانتا ہے۔

رہے دیگر قوانین جو اس جرم سے برسرپیکار ہیں، ہر چند کہ ان کا مقصد بھی اصلاح کرنا ہے، اور اس جرم کا انسداد ان کا بھی مطمع نظر ہے، لیکن اس کے باوجود اس کے انسداد اور ازالے سے وہ قوانین یکسر خالی ہیں۔ بلکہ ان کی بدولت آج انتشار پہلے سے کہیں زیادہ ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سعودیہ عربیہ میں انسداد رشوت ستانی کا نظام بھی خود ترمیم اور درستی کا محتاج ہے۔ تب کہیں اس نظام کے اندر وہ توانائی آئے گی۔ جس کی بدولت وہ اس جرم کا ٹھیک ٹھیک تدارک کر سکے گا۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں، اس نظام کے بعض پہلو ایسے ہیں۔ جن سے واقفیت اور ان کا مطالعہ کر لینا ضروری ہے، اس کے بعض اہم گوشے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

۱ ــ یہ نظام ہمہ گیر طریقے پر رشوت ستانی کے انسداد کے لئے کافی نہیں۔

۲ ــ اس کے اندر بعض چیزوں کی سزائیں ایسی دی گئی ہیں، جن کا جرم رشوت سے کوئی تعلق نہیں۔

۳ ــ رشوت لینے والے کو ہی جرم رشوت کا اصل مجرم سمجھا گیا،

۴ ــ کوڑے مارنے کی سزا کا اس نظام میں کہیں ذکر نہیں۔

۵ ــ سزا کی کم سے کم مقدار پر تنقید

۶ ــ رشوت کی اطلاع دینے والے کو بخشش دینے پر تنقید،

۷ ــ حکم یا جز پر تنقید،

۸ ــ اس نظام کو فقہ اسلامی کے رنگ میں ڈھالا نہیں گیا ــ؟

یہ نظام ہمہ گیر طریقہ پر رشوت ستانی کے انسداد کے لئے کافی نہیں۔

اس کی وجہ منجملہ وجوہات میں سے ایک یہ ہے کہ یہ نظام عام ملازم کو سزا کی کوئی صراحت نہیں کرتا، جس نے مملکت کے اعتماد کو ٹھیس پہنچایا، اور اپنی ملازمت کا سودا کیا، اسی طرح یہ نظام سیاسی حلقوں اور ڈپلومیٹ افراد کو بھی کسی سزا کی صراحت نہیں کرتا، جن کا خصوصی حالات میں الگ اپنا ایک مقام ہوتا ہے، لیکن جہاں تک میں سمجھتا ہوں، ارتکاب جرم پر انہیں بھی ان کے لائق سزا دینی چاہئے، مثلاً انہیں برطرف یا ملک بدر کر دیا جائے، نیز ان کے ملکوں کا یہ فرض ہے کہ ان لوگوں کو مناسب سزائیں دیں، اور ہمارے لئے یہ اس بنا پر ضروری ہے کہ ہم ایسی قوم ہیں۔ جن کا دستور قرآن پاک ہے، شرعی اور دستوری طور پر اس کی پابندی کرنا ہمارا فرض ہے، اور حالات اور واقعات خواہ کیسے کیوں نہ ہو، اس سے روگردانی یا گریز ہم ہرگز نہیں کر سکتے زندگی کے ہر میدان اور عمر ہر موڑ پر وہی ہمارا لائحہ عمل ہے۔ اس لئے جملہ مملکتیں — خواہ ان میں کتنا ہی فرق ہو اس بارے میں انہیں اپنے اس دستور کا اطاعت گذار اور فرمانبردار ہونا چاہیئے۔

اسی طرح یہ قانون ان لوگوں پر بھی چسپاں نہیں ہوتا، جو کسی مخصوص زون میں کام کرتے ہیں، یا جو ملکی یا غیر ملکی محکموں میں برسرکار ہوتے ہیں خواہ وہ ملکی باشندے نہیں ہوتے نہ اجرت یا مشاہرت کے سلسلے میں مملکت سے ان کا کوئی ربط ہوتا ہے، جیسے ایک سعودی ماہر اپنے ملک میں کسی غیر ملکی حکومت کے لئے کام کرتا ہے۔ یا حکومت کے ادارے سے منسلک ہے[1]۔

---

[1] شرح قانون العقوبات لمحمود حسنی ص۲ قدرے تصرف کے ساتھ۔

اس میں شک نہیں کہ رشوت ایک اخلاقی جرم ہے، جس کو صرف محکموں یا آفسوں سے نکال باہر کرنا ضروری نہیں، بلکہ سماج کے ہر ہر شعبے سے اس کی جڑوں کو کاٹ کر پھینکنا ضروری ہے۔ نیز اس لئے کہ رشوت لینا خدا کی نافرمانی کرنا ہے، جس کا ارتکاب درست نہیں، اور چونکہ اس کا مرتکب اسلام اور اسلامی تعلیمات کی خلاف ورزی کرتا ہے، اس لئے بھی اس کو سزا ملنی چاہئے، جب کہ یہی دین پورے سماج اور اس کے ہر شعبے میں عدل ومساوات کے قیام کا علمبردار ہے۔ مداہنت اور بے انصافی کا اس دین میں کہیں گزر نہیں ہے۔

مزید برآں اس نظام نے جرم رشوت کے کسی ایسے مقدمے میں کوئی سزا نہیں سنائی، جس میں جرم کا انکشاف یکطرفہ ہوا ہو، اور دوسری طرف سے اس کا کوئی پتہ نہ چلا ہو، کیونکہ اس قانون کی رو سے رشوت کا ثبوت دو افراد کے ذریعہ ہوتا ہے، ایک رشوت دینے والا، دوسرا رشوت لینے والا، حالانکہ رشوت کا یکطرفہ علم بھی ہوسکتا ہے۔ جس کی ایک صورت یہی ہے کہ گواہی کے ذریعہ رشوت لینے والے کا جرم ثابت کیا جائے، اور یہ نہ معلوم ہو کہ کس نے اس کو رشوت دی ہے یا رشوت دینے والے نے دو گواہوں کے سامنے یہ اعتراف کیا کہ اس نے رشوت لی ہے۔ یا رشوت دینے والا از خود یہ اعتراف کرے کہ اس نے اپنی فلاں غرض پوری کرنے کے لئے رشوت دی ہے۔ ان صورتوں میں ہرچند کہ جرم کے دوسرے سرے کا علم نہیں ہوتا، لیکن جہاں تک اسلامی شریعت کا تعلق ہے۔ اس کے اندر ایک طرف سے بھی جرم کا انکشاف ممکن ہے۔ آخر ماعز اسلمی، اور غامدیہ (رضی اللہ عنہما) کے واقعہ میں ایک سرے سے صرف اعتراف کرنے والے ہی موجود تھے، اس کے بعد انھیں سزائیں دی گئیں، اور ان کے جرم کو ثابت شدہ مانا گیا۔ پھر اگر رشوت دینے اور لینے والے نے جرم کا اعتراف کیا، تو اب دوسرے پر گواہی قائم نہیں کی جائے گی، کیونکہ کسی ایک کا اقرار کر لینا تنہا اس کے لئے دلیل بن جاتا ہے۔

اور اگر مذکورہ بالا قوانین کی روشنی میں ایک طرف جرم رشوت کے ثبوت کو ہم تسلیم بھی کریں، تو اس میں شک نہیں کہ دوسری طرف سے صحیح ثابت نہ ہونے کا کھٹکا بدستور لگا رہے گا۔ کیونکہ یہ قوانین جس طرح ہمارے سامنے پیش ہیں، اس کی رو سے ہم دیکھ سکتے ہیں کہ ان کے اندر ایسے شخص کی ذرہ برابر حوصلہ افزائی نہیں کی گئی ہے۔ جس نے جرم کیا لیکن اس کے فوراً بعد نادم ہوکر اس سے توبہ کرلی، مذکورہ مصری قوانین یہ اصرار کرتے ہیں کہ رشوت لینے والے نے جب رشوت طلب کی، یا رشوت وصول کرلی اور اس کے بعد اس نے اس تحفہ یا ہدیہ کو واپس دینے والے کے حوالہ کردیا، تب بھی اسے سزا مل کر رہے گی خواہ اس کا معاملہ کوئی بھی رہے۔

مصری قانون کی رو سے رشوت لینے والے کو سزا ہوکر رہے گی، اس ضابطے پر تبصرہ کرتے ہوئے احمد رفعت نے کہا ہے[1] ۔ "کوئی ملازم اگر اپنے ارادے اور اختیار کے ساتھ رشوت دینے والے سے کئے گئے اپنے وعدے سے باز آجائے۔ اور اس کا کام نہ کرے، تو یہ کہنا بے محل ہوگا۔ کہ اس نے جرم نہیں کیا، کیونکہ ایسا کہنا قانون کی صریح دفعات کی خلاف ورزی ہوگی، اور اس قسم کی موشگافی کرنا اس نقص کا خاموش اعتراف ہوگا۔ کہ ان قوانین نے ابتدا سے جرائم کے بعض عناصر سے غفلت برتی وہ جرم یہ ہے کہ آخر ایک خاص غرض کے لئے رشوت دی گئی اور اس قدر جرم کو عمل میں لایا گیا، اور اس طرح جرم کو تسلیم کرنا۔ عقل، عدل اور راست سیاست کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ اگر اس کو جرم نہ سمجھا گیا تو یہ ایک قسم کی حوصلہ افزائی ہوگی، کہ ملازم سب کچھ کرلے، اور پھر توبہ کرلے، تاکہ اس طرح جرم انتہا تک نہ پہونچے"۔ نیز ــــ سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے ــــ احمد رفعت نے یہ بھی کہا ہے کہ "جورسن" کی رائے

---

[1] جرائم الرشوة فی التشریع المصری صـ۱۵۲

یہ ہے کہ موجودہ قانون میں ایک نقص اور ہے، جس کی قانون سازوں کو تلافی کرنی چاہئے وہ یہ کہ جب ملازم جرم کرکے اس سے منحرف ہو جاتا ہے، وعدہ کر لینے کے بعد اس سے پھر جاتا ہے۔ اور قبول کیا ہوا تحفہ اصل مالک کو لوٹا دیتا تو اس کی اس کارگذاری کو قبول کر لیا جاتا ہے"۔!!

ایک اور صورت جس کا ذکر مذکورہ قوانین میں سرے سے نہیں ہے۔ یہ ہے کہ .... اگر کسی نے حق کے حصول کے لئے رشوت دی .... ؟ یا ظلم و ضرر کو دفع کرنے کے لئے رشوت دی ....؟ اور دینا ناگزیر تھا، کیونکہ رشوت دیئے بغیر ظلم و ضرر کا دفعیہ یا حق کا حصول ممکن نہیں تھا۔!

حالانکہ یہ بات واضح ہے کہ فقہاء شریعت اسلامیہ نے ان حالات میں رشوت دینے والے کو دینے کی اجازت دی ہے، لیکن لینے والے کو لینے کی اجازت نہیں دی ہے[1]۔ مگر سعودی قوانین میں اس حالت کی بابت بھی کوئی صراحت نہیں ہے۔ دفعہ ۱۲ سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دفعہ اس حالت کو اپنے اندر شامل نہیں کرتی، بہرکیف یہ ضروری تھا کہ موجودہ قوانین اس مسئلہ پر بھی کچھ روشنی ڈالتے، بالخصوص جبکہ سعودی قوانین کے ماخذ اور سرچشمے مصری قوانین میں دفعہ ۶۱ کے تحت اس صورت میں کام لیا گیا ہے، وہ اس بات کی صراحت کرتا ہے کہ" اگر کسی نے کسی مجبوری کے تحت یا اپنے یا کسی غیر کو کسی اہم خطرے سے بچانے کے لئے اضطراری طور پر کسی جرم کا ارتکاب کیا یا اس کے قریب ہوا لیکن اس کے اندر اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا، نہ کسی اور طریقہ سے اس سے رکاوٹ اس کے دائرہ اختیار میں تھی تو ایسے شخص پر کسی قسم کی سزا عائد نہیں ہوگی"

---

[1] جرائم الرشوۃ فی التشریع المصری ص ۲۸۱، ۲۸۲،

اور یہ واقعہ ہے کہ رشوت کے ایک سے زائد واقعات میں قاہرہ کی عسکری عدالت عالیہ نے اسی مفہوم کا فیصلہ صادر کیا ہے۔ البتہ جو کمیٹی یا کمیشن ان حالات میں اس قسم کا فیصلہ صادر کرے، اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ حق کے حصول، ضرر کے دفعیہ، یا آدمی کے اپنی طرف سے ظلم کے دفعیہ کی حدود کو متعین کر دے۔

۲۔ بعض ان چیزوں کی سزائیں جن کا جرم رشوت کوئی تعلق نہیں ہے

انسداد رشوت ستانی کے سعودی دستور کی ورق گردانی کے دوران ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ اس دستور میں بعض ایسی سزائیں بھی درج ہیں جن کا رشوت سے کوئی تعلق نہیں ہے، ایسی بعض صورتیں حسب ذیل ہیں۔

الف : ایسی صورت جس میں زور زبردستی کی گئی ہو۔

ب : درخواست، تاکید، یا وسیلہ بازی سے کام لینا،

ج : حقیقی یا موہوم رسوخ سے بیجا فائدہ اٹھانا،

الف ۔ زور زبردستی کی صورت

"جیسے کوئی شخص کسی ملازم پر اس لئے زور زبردستی کرے اور اس پر دباؤ ڈالے کہ وہ کوئی غیر دستوری کام کرے، یا اس کی ڈیوٹی سے ہٹ کر اس سے کوئی کام لے۔" اگر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ فرانسیسی اور مصری دستور میں بھی صورت حال کچھ ایسی ہی ہے اور کم و بیش یہی صراحت ان کے اندر بھی ملتی ہے۔ چنانچہ ان دونوں دستور کی رو سے یہ صورت "مجبور کئے جانے کے جرم" سے موسوم ہے، کیونکہ جرم رشوت کی بنیادی چیزوں سے یہ صورت خالی ہے، اس لئے فرانسیسی قوانین نے منجملہ سیدھی اور سادہ صورتوں میں سے

اس کو بھی ایک صورت قرار دیا ہے۔ جب کہ مصری قوانین نے اس کو رشوت کی صورت کا نام دیا ہے، اور اس کے لئے سزا بھی رشوت کی ہی متعین کی ہے[1]۔ اور یہ سبھی جانتے ہیں کہ سودی قوانین تمام تر مصری قوانین کا چربہ ہیں۔

اور بلجیم کے قوانین کی دفعہ ۲۵۲ میں سزاؤں کے لئے بعینہٖ یہی صورت اپنائی گئی ہے[2]۔ اور جبر و اکراہ اور رشوت کے درمیان مشابہت کی وجہ ۔ جیسا کہ سودی قوانین میں درج ہے ۔ یہ ہے کہ ان دونوں کا انجام وہی ہوتا ہے جو خود مجرم کے پیش نظر ہوتا ہے کہ رشوت دینے والا شخص مذکور کو اس کی ڈیوٹی سے متعلقہ کسی کام کے کرنے کے لئے اس کو مجبور کرتا ہے۔ یا اس سے باز رکھنے کے لئے اس پر اصرار کرتا ہے، اور اس کام کے لئے یا تو وہ جبر و اکراہ زور زبردستی، یا ڈانٹ ڈپٹ کا طریقہ اختیار کرتا ہے۔ یا رشوت کا حربہ[3] استعمال کرتا ہے۔

اور بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جبر و اکراہ کی صورت، رشوت کی عام اور سادہ صورت کے مشابہ نہیں ہے۔ نہ ہی یہ صورت از روئے حرمت جرم رشوت کے عین مطابق ہے۔ البتہ ان دونوں میں ربط محض سزا کی یکسانیت کی وجہ سے ہے۔ جیسا کہ مصری قوانین سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں کی سزائیں یکساں[4] ہیں۔

اور سزاؤں کے قانون میں جبر و اکراہ کے جرم کو جرم رشوت کے ہم پلہ شمار کرنا سخت تنقید کے لائق امر ہے۔ خواہ اس قسم کی روش مصری قوانین میں اختیار کی گئی ہو، یا فرانسیسی قوانین میں ایسا کیا گیا ہو، کیونکہ جرم رشوت سے جبر و اکراہ کو کوئی مناسبت نہیں ہے، نہ ہی رشوت کے

---

[1] جرائم الرشوۃ فی التشریع المصری لاحمد رفعت ص۸۳۔

[2] ایضاً ""   [3] ایضاً ص۸۸۔

[4] ایضاً ص۸۹ قدرے تصرف کے ساتھ۔

مفہوم سے اس کا کوئی دور کا واسطہ ہے لہٰذا جبر و اکراہ کی کسی بھی شکل میں فرائض منصبی کا بیوپار کرنا، یا اپنی خدمت کو بیچ دینے کا مفہوم نہیں پایا جاتا جب کہ جرم رشوت کی سزاؤں کی علت یہی کچھ ہوا کرتی ہے۔ اور یہ بھی واقعہ ہے کہ ایک جرم کی خصوصیات دوسرے کسی جرم کی خصوصیات سے یکسر جداگانہ اور مختلف ہوتی ہیں، جرائم کے بنیادی ارکان میں بھی گہری مغایرت ہوا کرتی ہے اور غرض کے علاوہ ان میں کوئی یکسانیت نہیں ہوتی کہ ہر دو صورت میں کوئی اقدام کیا جاتا ہے۔ یا اقدام کرنے سے گریز کیا جاتا ہے اور جب بھی صورت حال اس قسم کی ہوگی، ان دو جرائم میں تمیز اور فرق کرنا ضروری ہوگا۔ اور ہر جرم کو مستقل ایک شکل دینی ہوگی[1]۔

اور یہی صورت اٹلی کی تعزیرات کے دستور اور بین الاقوامی آئین میں بھی نظر آتی ہے۔ جن کے اندر ان دونوں جرائم کے درمیان کسی قسم کی یکسانیت کو کوئی تاکید وارد نہیں ہے ان قوانین میں مذکورہ جرائم رشوت کے بیان میں کہیں یہ درج نہیں نہ کوئی ایسا اشارہ ملتا ہے کہ یہ جرم ایسا ہے، جیسے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے میں دباؤ ڈالنا جرم ہے[2]۔

ب۔ درخواست، تاکید، یا وسیلہ بازی سے کام لینا

ان قوانین میں مزید جن صورتوں کو سزاؤں کی ضمن میں شامل کیا گیا ہے۔ ان میں درخواست تاکید یا وساطت کی صورتیں بھی داخل ہیں۔ حالانکہ یہ صورتیں بھی جرم رشوت سے جداگانہ اور مختلف ہیں۔ کیونکہ جرم رشوت میں طلب کرنے جیسا رشوت کا اہم رکن پورے طور پر پایا جاتا ہے، لیکن ان صورتوں میں یہ ارکان نہیں پائے جاتے، بنا بریں انسداد رشوت ستانی کی سزاؤں کے

---

[1] ایضاً ص ۹۲

[2] جرائم الرشوۃ فی التشریع المصری لاحمد رفعت ص ۹۳۔

دوران ان کا ذکر کرنا بے محل سا معلوم ہوتا ہے، کیونکہ ہر دو جرائم ایک دوسرے سے جداگانہ اور مختلف نظر آتے ہیں، غرض ان کا اظہار دوسرے کسی موقعہ سے کرنا زیادہ مناسب تھا کیونکہ ان صورتوں میں ملازمین اپنی ڈیوٹی کی حدود اور ذمہ داریوں سے تجاوز اور کوتاہی کرتے ہیں۔ اس کی تائید بین الاقوامی آئین سے بھی ہوتی ہے۔ جن کے اندر جرم رشوت کو علیحدہ ذکر کیا گیا ہے۔ اور درخواست، تاکید، یا وساطت کے ذریعہ کسی کام کو کرانے کو الگ بیان کیا گیا ہے[1]۔

ممکن ہے کوئی یہ اعتراض کرے کہ جرم رشوت کے آئین میں درخواست، اور وساطت وغیرہ کو شریک کئے جانے پر اس طرح کیوں اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسی کتاب کی جرم رشوت سے متعلقہ بحثوں میں ہم نے یہ پڑھا ہے کہ وساطت، اور رسوخ کے ذریعہ دخل اندازی کو جرم رشوت میں شامل کیا گیا ہے۔

میری طرف سے بطور جواب یہ عرض ہے کہ مذکورہ امور کو میں نے جرم رشوت میں جو شمار کیا ہے۔ اس کی وجہ محض شرعی حکم بیان کرنا ہے کیونکہ بعض فقہاء ان امور کو منجملہ رشوت میں شمار کرتے ہیں۔ کیونکہ جس سے سفارش کی جاتی ہے۔ اس پر ایک قسم کا دباؤ ڈالا جاتا ہے، ساتھ ہی میں نے وہیں یہ بھی کہا ہے کہ اصلاً یہ رشوت نہیں ہے۔ کیونکہ ان امور میں اور رشوت کے ارکان میں نمایاں فرق ہے۔ اور ان امور میں سے جو چیزیں حرام ہیں، ان کے حرام ہونے کی دلیلیں بھی جرم رشوت کے حرام ہونے کی دلیلوں کے علاوہ ہیں، اس لئے یہ ہرگز نہیں ہونا چاہئے کہ ان کی سزاؤں کو جرم رشوت کی ضمن میں ذکر کیا جائے، اس کے دلائل اپنی جگہ گذر چکے ہیں۔ البتہ اس لئے یہ ہونا چاہئے کہ ان امور کا جداگانہ ایک نظام اور دستور الگ مذکور ہو۔ اور اگر ایسا کیا

---

[1] جرائم الرشوۃ فی التشریع المصری لاحمد رفعت ص۹۵، ص۹۷، ص۹۸، ص۲۷۳،

تو ان آئین کے ذریعہ ان حرکتوں کے خلاف کھل کر اقدام کیا جا سکے گا ۔ ان کی بیخ کنی اور ازالہ ممکن ہوگا ۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ اس نظام کا تمام تر استنباط اسلامی شریعت کو مدنظر رکھ کر کیا جائے ۔

ج ۔ حقیقی یا خیالی رسوخ سے بیجا فائدہ اٹھانا

ملازم کا کام اس کے ساتھ مخصوص ہے ، یا نہیں ہے ۔ یا وہ اس سے باز آتا ہے ۔ ان تمام چیزوں میں قوانین نے یکسانیت رکھی ہے ۔ خواہ بسا اوقات اس نے رشوت دینے والے کو یہ باور کرایا ہے کہ وہ کام اس کے ساتھ مخصوص ہے ۔ بہرکیف اس قسم کی حرکت حقیقی یا خیالی رسوخ کا بیجا استعمال ہے ۔ اور یہ دوسرے کے اوپر ایک طرح سے امتیاز جتلانے کے مترادف ہے اگر یہ صورت جرم رشوت میں پائی گئی ، تو یہ کہا جائے گا کہ رشوت لینے والا اپنے فرض منصبی سے متعلق کسی کام کو کرنے جا رہا ہے ۔ یا اس سے گریز کرتا ہے ۔ یا اپنے فرض منصبی میں رشوت کے سبب کوتاہی کرنے کے درپے ہے ۔ اور چونکہ ایسا کرنا ایک قسم کا از خود فائدہ اٹھانا ہے ۔ کیونکہ رسوخ کے ذریعہ فائدہ اٹھانا رسوخ کا بیوپار کرنا ہے ، اور جرم رشوت میں عام فرض منصبی کا بیوپار ابتداء ہی سے لازم آتا ہے [1] ،

اب اگر کوئی ملازم کسی شخص سے اس لئے روپیہ طلب کرتا ہے ۔ تاکہ وہ اس کے عوض کوئی کام کرے ، رشوت دینے والے کے دل میں اس قسم کی بات بٹھا دے کہ وہ کام بس وہی کر سکتا ہے ، کوئی اور نہیں تو اس کا یہ فعل اس وقت تک رشوت میں شمار نہ ہوگا ۔ جب تک کہ اس نے اپنی ڈیوٹی کے تحت ایسا کیا ہو ۔ بلکہ یہ کہا جائے گا کہ اس نے دوسرے کے ساتھ

---

[1] جرائم الرشوۃ فی التشریع المصری لاحمد رفعت ص ۴۳ ۔

دھوکہ دہی کی لہٰذا اس کا یہ فعل رشوت میں نہیں شمار ہوگا۔ بلکہ فریب دہی اور مکاری میں اس کا شمار ہوگا۔[1]

۳۔ رشوت لینے والے کو ہی جرم رشوت کا اصل مجرم سمجھا گیا ہے

مذکورہ قوانین جرم رشوت کا اصل مرتکب ملازم کو گردانتے ہیں۔ کیونکہ قانون تنہا ملازمت اور ڈیوٹی کی حمایت اور نگہداشت کے لئے کوشاں رہتا ہے، اور جرم کا مدار اس بات پر ہے کہ اس ملازمت یا ڈیوٹی کو بیوپار بنایا گیا ہے۔ اور اس قسم کی حرکت — بظاہر — ملازم یا خدمت گذار کی جانب سے سرزد ہوئی ہے۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ ملازم یا اس خدمت گذار کو اصل کارگذار تسلیم کیا جائے، اور رشوت دینے والے کو اس کا معاون تصور کیا جائے، اس لئے کہ یہ حرکت اسی کے ورغلانے اور موافقت کرنے کی وجہ سے رونما ہوئی ہے۔[2]

لیکن اسے کوئی عام قاعدہ نہیں بنانا چاہئے۔ کیونکہ بسا اوقات رشوت دینے والا خود اصل ہوتا ہے، جیسے ایک کمپنی مالک جو بڑی بڑی اسکیمیں چلاتا ہے۔ وہ کسی ملازم کو رشوت کے لئے آمادہ کرتا ہے۔ جو کوئی معمولی ملازمت یا منصب چاہتا ہے — اور اسلامی شریعت کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ یہی وہ دستور ہے جو ملازمتوں کے اندر اور باہر ہر جگہ اس جرم کے خلاف برسرپیکار ہے، اور رشوت دینے والا جب ملازم اور غیر ملازموں کو رشوت دیتا ہے۔ تو اس کا یہ رشوت دینا۔ ان کے اندر حرص پیدا کرتا ہے۔ جس سے ان کا ضمیر مردہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اصل سبب بھی وہی ہے، اور رشوت لینے والے کو جو بڑی سے بڑی سزا دی جا سکتی ہے، اس شخص کو بھی دی جانی چاہئے۔

---

[1] ایضاً ص ۳۷۲، [2] ایضاً ص ۱۰۸

لیکن اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ دفعہ عنا ایسے کسی شخص کو بھی لائق معافی قرار دیتی ہے، جو رشوت کے انکشاف سے پیشتر حکام بالا کو اس کی خبر دے، اور یہ طریقہ ایک حد تک قدر کئے جانے کے لائق ہے۔ خصوصاً ملازمین کے اندر سے اس جرم کے ازالے کے لئے اس کا ہونا مناسب ہے، لیکن میری رائے یہ ہے کہ یہ ضابطہ مطلق نہ رہے، کیونکہ ملازم رشوت دینے والے کی وجہ سے رشوت لینے کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس کے اکسانے اور قبول کرنے پر اصرار کی وجہ سے وہ اس قسم کی حرکت کرتا ہے۔ اس لئے ایسے حالات میں تو رشوت دینے والے کو اصل مجرم سمجھنا چاہیئے، اور اس کو کسی صورت معافی نہیں دینی چاہئیے خواہ وہ حکام بالا کو جرم کے انکشاف سے پیشتر اس کی خبر کیوں نہ دیدیتا ہو اور خواہ ادائیگی کے وقت اس نے صرف یہی جرم کیوں نہ کیا ہو۔

۴۔ کوڑے مارنے کی سزا کا اس نظام میں کہیں ذکر نہیں

اس نظام اور ان قوانین پر محض سرسری نظر ڈالنے سے ہم بخوبی اس کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان کے تحت جو سزائیں دی جائیں، ان میں کوڑے مارنے کی سزا بھی شامل ہونی چاہئیے۔ یہ سزا بذات خود کافی اہم ہے۔ اور اس کو یوں نظر انداز کرنا مناسب نہیں ہے، بلکہ دیگر سزاؤں کے ساتھ ساتھ اس سزا کا فی الفور شامل کرنا ازبس ضروری ہے۔ تاکہ جرم رشوت کے مجرموں کی ٹھیک طریقہ سے گوشمالی ہو سکے، اس لئے بھی کہ حدود کی بعض سزاؤں اور تعزیرات کے اندر کوڑوں کی سزا اسلامی شریعت میں اساسی اور بنیادی حیثیت اپنے اندر رکھتی ہے، نیز یہ مشروع اور مروج ہے۔ اسلامی شریعت کی یہ روش بعض وجوہ کی وجہ سے نمایاں اور ممتاز ہے۔

۱۔ کوڑوں کی سزا سے مجرم دہشت زدہ ہوتے ہیں۔ آئندہ وہ جرم کے ارتکاب سے باز آتے ہیں، اور جو مرتکب ہونا چاہتے ہیں۔ یا کبھی اس قسم کی حرکت کر بیٹھتے ہیں، وہ پھر دوبارہ

اس کے قریب بھی نہیں پھٹکتے کیونکہ اس سزا سے جسم کو ازحد تکلیف ہوتی ہے ۔

۲ ۔ یہ سزا کوئی جامد سزا نہیں ، بلکہ لوچ اور لچک دار ہونے کی وجہ سے اس کے اندر خفت اور شدت دونوں موجود ہے ، اور جس طرح جرائم قسم قسم کے اور مختلف ہوتے ہیں ، اس سزا میں بھی تنوع اور مغایرت ہوتی ہے ۔ اور اسی نرمی اور لوچ کی وجہ سے اگر قاضی حضرات چاہیں تو جرم جیسا ہلکا یا بھاری ہو ۔ اس سزا کو اس کے مطابق ہلکی یا بھاری بنا سکتے ہیں ۔ حالات اور حوادث کی اس کے اندر رعایت کر سکتے ہیں ، اور ہر حال میں اس کو ایک مناسب سزا کی شکل میں پیش کر سکتے ہیں ، اور یہ عدل وانصاف کے قرین اور فائدے سے بے حد قریب ہے ،

۳ ۔ اس سزا کے نفاذ سے حکومت اور مملکت کے گراں بار کاندھے پر مزید کوئی بوجھ نہیں پڑتا ، اس لئے کہ یہی وہ یکا و تنہا سزا ہے ۔ جو کم خرچ بالانشین کے مصداق ہے ۔ اس کے ساتھ مزید کسی زائد اخراجات کا تصور نہیں کیا جاتا ، جب کہ قید وبند اور حبس جیسی دیگر سزاؤں کے نفاذ میں بیش از بیش اخراجات ناگزیر ہوتے ہیں ۔

۴ ۔ اس سزا کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ تنہا اسی سزا کے اندر سزا یافتہ شخص کا ہیولیٰ بطور خاص سامنے آتا ہے ۔ کیونکہ یہ سزا صرف اس کو دی جاتی ہے ۔ جس کی بابت حکم صادر ہوتا ہے ۔ اس کے علاوہ دوسرے کو یا اس سے وابستہ اس کے کسی عزیز کو کوئی سزا نہیں دی جاتی ، یہ سزا براہ راست سزا یافتہ کے تن بدن پر پڑتی ہے ، اور جسمانی طور پر اسے رنجیدہ اور آزردہ بناتی ہے ، خویش واقارب ، یا رشتہ داروں کے جسم کو اس کا کوئی اثر لاحق نہیں ہوتا ۔ نہ اہل وعیال ہی اس سے متاثر ہوتے ہیں ۔ اور جس وقت تک سزا کا نفاذ ہوتا ہے ۔ اور یہ محدود سی گھڑیاں ہوتی ہیں ۔ ان کے گذر جانے کے بعد شخص مذکور پھر تازہ دم اور سرگرم ہو سکتا ہے ۔ روزگار یا اپنے فرائض کو از سر نو انجام دے سکتا ہے ، اور اپنے سے وابستہ افراد کی روزی اور معیشت کا مداوا بن سکتا ہے ۔ اس کے اہل وعیال

ان سے محروم یا تہی دست نہیں ہو جاتے ۔

۵۔ ہاتھوں یا پیروں پر اس سزا کا کوئی خاص اثر نہیں پڑتا، نہ ہی معیشت کا چکرا اس کی وجہ سے متاثر اور منجمد ہو سکتا ہے ۔ ملک کی عام سالانہ پیداوار، یا اقتصادی یا معاشی ترقیات پر بھی اس کا کوئی ناگفتہ بہ اثر نہیں پڑتا ۔ اور یہ واقعہ ہے کہ ان سزاؤں کے نفاذ کے بعد بھی آسودگی، فارغ البالی اور شادابی پورے ملک میں جاری و ساری رہ سکتی ہے ۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ یہی وہ سزا ہے ۔ جو معاشرے اور سماج کو جرائم کے دائرے، اور ان کے گڑھوں میں گرنے سے باز رکھ سکتی ہے ۔

۶۔ اور اگر کوڑوں کی سزا کا عام رواج ہو جائے ، تو قید و بند کی سزاؤں سے بڑی حد تک چھٹکارا مل جائے گا ۔ اور کسی قسم کی پراگندگی یا انتشار کا احساس بھی باقی نہیں رہے گا ۔ کیونکہ قید و بند کی تکلیفیں نت نئی اور عجیب و غریب ہوتی ہیں ۔ ان میں سے بعض تکالیف تو وہ ہیں جنہوں نے ماہرین کو حیرت زدہ اور دم بخود کر رکھا ہے ۔ مثال کے طور پر قید و بند کے زمانے میں قیدی لبسا اوقات اخلاقی اور چھوت چھات کی بیماریوں کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے ، ساتھیوں کی بیماریاں تو گرفتار قیدی کو بھی مبتلائے دام کر دیتی ہیں ۔ علاوہ ازیں جیل خانوں کے قاعدے ضابطے اور ان کی کڑی سے کڑی پابندیاں قیدیوں کو شدید بیماریوں میں مبتلا کر دیا کرتی ہیں ۔ جبکہ بعض عادی مجرم جیل خانوں میں خود کو سپرد ، اور دوسروں سے جدا رنگ میں پیش کرتے ہیں، اور وہاں کی جکڑ بندیوں سے بھی وہ چنداں متاثر نہیں ہوتے ، اور اس سب کے بعد بھی وہ اس قسم کی کسی رکاوٹ سے آئندہ کی زندگی میں جرائم سے باز نہیں آتے ، کیونکہ جیل سے نکلنے کے بعد جونہی وہ بے مہار اور آزاد ہو جاتے ہیں ۔ ان کی زندگی تعطل اور بے راہ روی کے ساتھ از سر نو پھر سے شروع ہو جاتی ہے ۔ پھر جیلوں میں جنسی بے راہ روی اور رسوائی کا قدم قدم پر سامان مہیا ہوتا ہے ، جس کی بابت ماہرین بھی یہ سوچنے پر مجبور ہیں ، کہ اس ہیجان اور

ذلت کے اسباب کا ازالہ کیونکر ممکن ہے۔؟

لیکن جہاں تک کوڑوں کی سزا کا تعلق ہے، اس کے اندر اس قسم کا کوئی اندیشہ پایا نہیں جاتا، نہ ہی یہ کوئی نت نئی ایجاد یا کوئی نت نیا فارمولہ ہے۔ کیونکہ شریعت اسلامیہ میں کوڑوں کی سزا بہرحال پہلے سے[1] موجود رہی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ حبس اور قید کی سزا کا میں انکار کرتا ہوں، ہاں میرا مقصود سردست آنضرور ہے کہ میں ہر دو سزا کے درمیان مناسب موازنہ پیش کردینا مناسب سمجھتا ہوں، اور پھر سے یہ کہوں گا۔ کہ اس سزا کا کسی اور سزا سے موازنہ کرلینے کے بعد اس کے اور اس اثرات کا بخوبی اندازہ جو چاہے کرسکتا ہے۔

اس سزا پر تنقید اور اس کا جواب

اس مقام پر پہنچ کر ممکن ہے کوئی یہ اعتراض کر بیٹھے کہ کوڑوں کی سزا آدمیت کے منافی، اور انسانیت کو پست و حقیر بنا دینے والی ہے، نیز تمدن اور شہری آداب زندگی سے بھی اس سزا کا کوئی ربط نہیں ہے۔۔۔؟ نہ ہی نئے زمانے کی نئی نئی ترقیات سے اس کا کوئی تال میل استوار ہوتا ہے۔ یہ اور اس جیسے اور بھی اعتراضات کئے جاسکتے ہیں۔

اس کے جواب میں میں یہ کہوں گا کہ:۔ کوڑوں کی سزا اس بنا پر ایک ممتاز اور بے حد نمایاں سزا ہے۔ کہ اس کے ذریعہ مجرم کو مادی اور قطعی یقینی طور پر درد و الم اور رنج و کرب کا حقیقی احساس ہوتا ہے۔ اور درد و غم کا خوف پیدا ہوجانا ہی سب سے بڑا طمانچہ ہے۔ جس سے مجرموں کے دانت کھٹے ہوجاتے ہیں:۔ اور ان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ بنا بریں مجرموں کو دہشت زدہ کرنے کے لئے اس فطری سزا سے فائدہ اٹھانا ازبس ضروری ہے۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے

---

[1] التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ للدکتور عبدالعزیز عامر ص۲۸۸، ص۲۸۹

کہ اس سزا کے ذریعے انسانی احترام اور اس کی زریں قدروں میں بھاری کمی آجاتی ہے، تو ہم دو ٹوک عرض کریں گے۔ کہ جرائم کی سزاؤں میں اس قسم کی فکر کسی صورت قابل قبول نہیں ہی ہے نہ اس کو کوئی جگہ دی جاتی ہے۔ اور نہ اس کو لائق حجت سمجھا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ جس نے جرم کر کے اپنا احترام ملحوظ نہ رکھا، اور خود کو ذلیل و خوار کیا۔ سزا دینے کے وقت اس کی کون سی عزت اور قدر و منزلت کا لحاظ کیا جائے گا۔؟![1]

مزید برآں اس سزا کا مقصد تلف کر دینا اور برباد کر دینا ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ اس کا تمام تر اثر یہ ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ بہرحال ہو جاتی ہے، خواہ جرم کوئی؟ زمانہ کیسا؟ اور حالات چاہے جس نوعیت کے کیوں نہ ہوں؟ اور اگر معدودے جرائم کے اندر پھانسی اور قتل کر دیئے جانے کی سزا کا دنیا کے بہتیرے ملکوں میں رواج اور اس کی عام اجازت ہے۔ جس سے آدمی کی زندگی صفحۂ ہستی سے یکسر ناپید ہو جاتی ہے، سماج سے اس کی جڑیں کٹ جاتی ہیں۔ اور اس کے اپنے جرائم کی وجہ سے وہ خود نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ جب پھانسی کی یہ سزا دی جا سکتی ہے۔ تو اس میں شک نہیں کہ اس کی بہ نسبت کوڑوں کی سزا دیا جانا بدرجہ اولیٰ، زیادہ مناسب اور لائق ترین ہے،

اس سزا کے نفاذ کے حق میں بعض تائیدی کلمات

ڈاکٹر مصطفیٰ القللی کہتے ہیں:- کسی تذبذب یا شک کے بغیر کہا جا سکتا ہے کہ مجرموں کے بہت سارے ٹولوں کو کوڑوں کی سزا جس طرح جرائم سے روک دیتی ہے۔ آزادی کو سلب کر کے قید و بند میں مبتلا کر دینے والی سزائیں انہیں روک نہیں سکتیں،

---

[1] التشریع الجنائی الاسلامی لعبد القادر عودہ ص ۶۳۷ ج ۱، التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ ص ۲۸۹، ۲۹۰۔

ڈاکٹر محمد بخیت الملاح نے اپنے ایک رسالہ " نشہ بازی کی لت " میں اس پر زور دیا ہے کہ نشہ آور اشیاء کے تاجروں کے خلاف قاضی اگر مناسب خیال کرے اور مصلحت اس میں سمجھے تو انہیں کوڑوں کی سزا دے۔

اسی طرح محکمہ نشہ بندی نے ۱۹۱۳ء میں یہ تجویز پیش کی تھی کہ نشہ آور چیزیں بیچنے والوں کو کوڑوں کی سزا دی جائے۔ اور قید و بند اور تاوان کی سزا کو قلمزد کر کے ۲۰۔۳۰ کوڑے مارنے کا حکم صادر کرے، تجویز میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جیل خانوں سے کہیں زیادہ جسمانی ایذا رسانی سے جرائم کا تدارک ہوتا ہے۔ اور قید کرنے کی بہ نسبت کوڑے مارنے سے قومی سرمایہ میں بچت ہوتی ہے۔ جبکہ نشہ کے بیوپاریوں کو قید کرنا ان کے لئے اڈے فراہم کرنے کے مترادف ہے[1]

لیکن یہ واقعہ ہے کہ بین الاقوامی قوانین میں اس سزا کی اہمیت اور افادیت کو تسلیم کیا گیا ہے چنانچہ جرائم کے خلاف ساختہ پرداختہ انگلینڈ کے قوانین میں کوڑا زنی کو بنیادی حیثیت دی گئی ہے ریاستہائے متحدہ میں قیدیوں کو کوڑوں کی سزا دی جاتی ہے مصر اور انگلینڈ کے پولیس اور فوج کے ضابطوں میں کوڑا زنی کو بنیادی مقام حاصل ہے۔ اور دیگر ملکوں کے قوانین میں بھی اس سزا کو کم و بیش یہی مقام حاصل ہے۔ اور دوسری جنگ عظیم کے بعد دنیا کے انگنت ملکوں نے لوٹ کر اسی سزا کو از سر نو اختیار کیا ہے، اور شہریوں پر بلا جھجک اس کا نفاذ کیا ہے۔ خصوصاً ذخیرہ اندوزی اور بلیک مارکٹنگ کے انسداد کے لئے یہ مناسب ترین سزا ہے، اس طرح جنگ کے دوران بھی اس سزا کا نفاذ اس کی اہمیت کو دوبالا کرتا ہے۔ اور خود ساختہ قوانین کے بالمقابل اس کی قدر و قیمت کا سبب بنتا ہے۔ اور اس حقیقت کو واشگاف کرتا ہے کہ قید و بند کی سزا سے عوام کے اندر قوانین کا احترام باقی نہیں رہتا، ــــ پھر فوجی قوانین میں کوڑوں کی سزا کی تعیین اور اس کا

---

[1] ایضاً ص ۲۹۱۔

اجراء اور نفاذ اس حقیقت کا کھلا اعتراف ہے کہ یہ سزا ناگزیر اور ازبس ضروری ہے۔ تاکہ فوجیوں کے درمیان ڈسپلن بحال ہو۔ قانون کے احترام کا جذبہ ان کے اندر موجزن ہو، اور وہ قانون کی اطاعت کرتے رہیں، اور جس طرح عام فوجیوں کے اندر اس سزا کے نفاذ کی ضرورت ہے شہری طبقہ بھی بطور خاص اس کا کہیں زیادہ محتاج ہے۔ کیونکہ ایک عرصہ سے ان کے اندر ایک ایسی اسپرٹ پیدا ہوچکی ہے، جس کی بنا پر وہ آئین اور ضابطوں کا کوئی لحاظ نہیں کرتے، قانون کی پاسداری اور اس کی اطاعت ان سے نہیں ہوتی، اب عوام میں ایک عجیب منطق یہ چل پڑی ہے۔ کہ وہ اطاعت کرنا چاہتے بھی ہیں۔ تو اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ قوانین اور ڈسپلن تمام تر فوج کے لئے ہے۔ اور شہریوں پر اس کا نفاذ نہیں ہونا چاہئے۔ گویا شہری امت کے عام طبقہ سے ہٹ کر کوئی علیحدہ حیثیت رکھتے ہیں۔ یا فوج کے اندر نئی بھرتی عوام کے اندر سے نہیں ہوتی۔ بلکہ کوئی اور مخلوق فوج میں بھرتی ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ کوئی عیب نہیں بلکہ چاہئے تو یہ کہ شریعت الٰہیہ اور قوانین کی پابندی پوری امت کو کرنی چاہئے۔ کوڑے مارنے کی سزا کا یہ مقام ہے۔ اور بہتیرے ملکوں اور ان میں بسنے والے ماہرین کی یہی رائے ہے۔ اب اگر کوئی اس سزا پر تنقید کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ساری دنیا غلط کہتی ہے۔ اور ایک وہی راست اور درست کہتا ہے۔ بہرکیف یہ جو چاہیں کہیں انہیں یہ کہنے کی جسارت ہرگز نہیں ہوسکتی کہ تجربہ اس سزا کی ضرورت نہ ہونے کا عام احساس دلاتا ہے[1]۔!

گذشتہ سطروں کے ذریعہ ہمارے اندر یہ یقین پختہ ہوتا ہے۔ کہ رشوت ستانی کے انسداد کے لئے تعزیرات کی دیگر سزاؤں کے ساتھ ساتھ کوڑا زنی کی سزا بھی ازبس ضروری ہے۔ چنانچہ اب تک جن ہاتھوں نے رشوت لینے دینے اور درمیان میں دلالی کرنے کا پارٹ انجام دیا،

---

[1] التشریع الجنائی الاسلامی لعبد القادر عودہ ص ۶۴۳ ج ۱،

انہیں ہاتھوں کوڑوں سے مارا جائے گا۔ اور اس جرم کے مرتکب تینوں افراد کو ان کی کرنی کے مطابق سزا دی جائے گی۔ تاکہ انہیں دیکھ کر دوسروں کو عبرت اور نصیحت حاصل ہو۔ پھر یہ سب اسلام کی حدود اور اس کے دائرے کے اندر ہوگا۔ اور کسی پر کوئی ظلم و زیادتی نہیں کی جائے گی۔ اور اسی صورت ہم "جار رو" (۹) کو مطمئن کر سکتے ہیں۔ کہ تعزیرات کے اجراء کی صورت میں یہ بھی ایک ایسی سزا ہے جس کا استعمال محفوظ اور از حد مناسب ہے۔

۵ - اس سزا کی ادنیٰ مقدار پر تنقید،

قوانین کی دفعات کے مطالعہ سے سزا کی کم سے کم مقدار معلوم ہو جاتی ہے۔ اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس سے کم سزا دینا مناسب نہیں ہے۔ اور یہ سزا جرم رشوت کی عام صورتوں میں مناسب نہیں ہے۔ نہ ہی ان صورتوں میں مجرم اس قسم کی سزا کا مستحق بن سکتا ہے۔ اس لئے میری رائے یہی ہے کہ سزا کی ادنیٰ مقدار جس قدر ہے، اتنی مقدار برقرار رہنی چاہئے، البتہ ججوں کی بنچ اس سے کم سزا کا فیصلہ بھی صادر کر سکتی ہے۔ بشرطیکہ ان کی نظر میں جرم رشوت کا واقعہ بھی ادنیٰ اور معمولی ہو۔

۶ - جرم رشوت کی نشاندہی کرنے والوں کو انعام دینے پر تنقید

ان قوانین کی دفعہ ۱۵ کے تحت اس جرم کی خبر دینے والوں کو انعام سے نوازا گیا ہے، بشرطیکہ یہ خبر دینے والا خود رشوت دینے والا، اس کا شریک یا درمیان میں کوئی پارٹ ادا کرنے والا نہ ہو، اور امر طے شدہ ہے کہ یہ تمام افراد بہر حال رشوت کی خبر رکھتے ہیں۔ اور اگر اس جرم پر قابو پانے کے لئے ایسوں کی حوصلہ افزائی کی گئی تو اس جرم کے خلاف جنگ میں رخنہ اندازی ہوگی۔ کیونکہ اس قسم کی حوصلہ افزائی سے انسدادی تحریک کا رخ یہ ہوگا کہ رشوت کے قانون میں رنگ آمیزی سے پہلے

حکام کو اطلاع ہو گی، اور پھر رشوت کا لین دین اور درمیان میں وساطت کا عمل حکام کی نظروں کے سامنے ان کے تعاون کے سہارے ہو گا۔ حالانکہ اس بات کی بڑی ضرورت ہے کہ رشوت ستانی کے خلاف تعاون کی زبردست دیوار حائل کر دی جائے، اور اس قسم کی فضا ہرگز نہ پیدا کی جائے کہ انعام کی لالچ میں رشوت کی اطلاعات بہم پہونچائی جا رہی ہیں۔ اس لئے یہ امر نہایت ضروری ہے کہ ملازم کی حوصلہ افزائی بھی پہلی مرتبہ ہی کی جائے اور دوبارہ حوصلہ افزائی کی ضرورت نہ سمجھی جائے، چنانچہ دفعہ ۱۶ سے اس کا اظہار ہوتا ہے۔ اور یہ سب اس لئے کیا جائے گا تاکہ ملازمین پاک وصاف رہیں۔ اور ہر قسم کی دلدل اور پھسلن سے دور مامون اور محفوظ رہیں۔

۷۔ مقررہ جج یا مشیر پر تبصرہ

ان قوانین نے دفعہ ۹ کے فقرہ "ب" میں یہ صراحت کی ہے کہ "حکومت یا اس کے کسی خاص محکمہ کی طرف سے مقررہ جج، یا اس کا کوئی واقف کار مشیر ہو۔ جسے مکمل قانونی سوجھ بوجھ حاصل ہو، اس شخص کو ان قوانین کے نفاذ کے سلسلے میں عام ملازم کے زمرے میں شمار کیا جائے گا۔

لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ یہ فقرہ سراسر زائد ہے۔ اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے جبکہ اسی دفعہ کے چوتھے فقرے میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ "ہر وہ شخص جو حکومت کی طرف سے مامور ہو۔ یا کسی دوسرے ادارے کی طرف سے کسی کام کا پابند ہو، اس کو بھی عام ملازم کی صف میں شمار کیا جائے گا۔" یہ عبارت جامع اور ہمہ گیر ہے۔ اور عمومی خدمت کا مکلف ہر ملازم اس کے تحت داخل سمجھا جائے گا۔ بنا بریں مذکورہ عبارت "مقررہ جج یا مشیر کار وغیرہ" کی صراحت سے بڑی حد تک بے نیاز کر دیتی ہے۔ جبکہ اس قسم کی صراحت میں تخصیص ہو جاتی

ہے۔ حالانکہ یہ افراد بھی عمومی خدمت کے پابند اور مکلف ہیں، اس لئے اس عبارت کو حذف کر دینا چاہئے۔ کیونکہ اس سلسلے میں اس کے ذریعہ کوئی نئی بات[1] سامنے نہیں آتی۔

۸۔ اس نظام کی ساخت اور پرداخت فقہ اسلامی کی روشنی میں نہیں

ان قوانین کے لئے ضروری اور مناسب تو یہ تھا کہ اس کی ساخت اور پرداخت اسلامی شریعت اور اس کے مقررہ قواعد کے تحت عمل میں آتی کیونکہ ان قوانین کا ڈھانچہ کسی وضع کردہ آئین کی روشنی میں تیار کر دینے سے ہرگز یہ لازم نہیں آسکتا، کہ یہ قوانین جرائم کی بیخ کنی ہر لحاظ سے کر سکتے ہیں۔ اس دعویٰ کی دلیل یہ بھی ہے کہ انسداد رشوت ستانی کا مصری قانون جس کی روشنی میں سعودی قانون بنا، اس کے اندر بہتیری ترمیمات اور اصلاحات اب تک عمل میں آچکی ہیں، اور ان کی رو سے ان قوانین کے اندر ایک حد تک کچھ ایسی گرفت کی تاثیر پیدا ہو چکی ہے جو خاص و عام حلقوں میں اس جرم کے مجرموں کو اپنے شکنجہ میں کس سکتی ہے۔ اور رشوت خوروں کو مناسب سزائیں دلا سکتی ہے۔ لیکن جہاں تک سعودی قوانین کا تعلق ہے، یہ بغیر ترمیم اور رد و بدل کے تاحال برقرار ہیں۔ جس کی وجہ سے ان قوانین میں ایسی دراڑیں موجود ہیں۔ جن کے اندر جرم رشوت کے جراثیم چین کے ساتھ پروان پا سکتے ہیں، اور یہ واقعہ ہے کہ اگر سعودی قوانین میں ابتداء سے فقہ اسلامی سے روشنی حاصل کی جاتی، تو اس کے زیر سایہ اس جرم کو ہرگز بڑھاوا نہ ملتا۔

---

[1] جرائم الرشوۃ فی التشریع المصری لاحمد رفعت ص ۲۲۷۔

(فصل سوم)

ان قوانین کے اندر اسلامی رنگ میں رنگنے کی کہاں تک صلاحیت موجود ہے۔؟

چونکہ جرم رشوت کی سزا ایک تعزیری سزا ہے۔ جس کا تمام تر اختیار امام کی صوابدید پر موقوف ہے، وہی اس جرم کے سماج پر مضر اثرات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کی سزا کا تعین کر سکتا ہے۔ اس لئے ان قوانین کی صریح دفعات میں میری نظر سے ایسی کوئی چیز نہیں گذری، جو شریعت اسلامیہ کے خلاف ہو، اتنا ضرور ہے کہ ان کے بعض مآخذ ــــ جن کا ذکر میں نے گذشتہ فصلوں میں کیا یا جو نمایاں نہ ہو سکے، اس لئے میں نے تو انہیں ذکر کیا البتہ ہو سکتا ہے کسی اور کی ان پر نظر پڑ سکے، ان ــــ کا ذکر، ان کا از سرِ نو مطالعہ اور ان کی قدر و قیمت کا اندازہ کرنا ضروری ہے، تاکہ ان کے ذریعہ اس جرم کی کلیہ انسداد کی منزل کا تعین کیا جا سکے، اور حکومت کے ماتحت ملازمتی شعبوں میں ہی نہیں، بلکہ تمام ہی شعبوں میں اس کا تدارک اور دفعیہ ممکن ہو سکے، اس لئے کہ یہ ایک خطرناک سماجی بیماری ہے۔ اور بالخصوص مسلم سماج میں اس کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور اگر کسی مخصوص شعبہ میں ہی اگر اس مرض نے اپنی جڑیں مضبوط کر لیں، تو اس کے مضر اثرات فرد اور سماج پر اس سے کہیں زیادہ پڑیں گے، جتنا اس کا برا اثر کسی سرکاری ملازم پر تنہا پڑتا ہے۔

دفعہ ۹ کا فقرہ ۵ جس کی رو سے "عام ملازم" کی وضاحت یہ کی جاتی ہے کہ وہ امداد باہمی کے اداروں کے ملازم ہوتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کسی خاص شعبہ سے

ہی مخصوص نہیں ہوتے، کیونکہ یہ نظام اور یہ قوانین کسی ملازم کو صرف اس بنا پر سزا دیتے ہیں کہ وہ حکومت کے پاک وصاف دامن کو گندہ کرتے ہیں، اور عام ملکی باشندوں کے اعتماد کو ٹھیس پہونچاتے ہیں۔ اور امداد باہمی کی سوسائٹیوں سے مراد وہ سوسائٹی اور ادارے ہیں، جنہیں قائم کرنے کے لئے حکومت بھی اشتراک کرتی ہے۔

اور ان کمپنیوں کے ملازمین بھی جو مفاد عامہ سے وابستہ ہوتے ہیں، اور ان اسکیموں کے ماتحت کام کرتے ہیں جنہیں گورنمنٹ خود بحال کرتی ہے۔ خود اس کی کارکردگی کی نگرانی کرتی ہے۔ اور انتظامی عملہ کے ذریعہ اس کی دیکھ بھال کرتی ہے۔ تاکہ عوام اپنی ان بنیادی ضرورتوں سے لیس ہوسکیں جن کی انہیں بطور خاص ضرورت ہے۔ اور ان کا قیام محض نفع اندوزی کے لئے نہیں، بلکہ ساجھے داری کے تحت ہوتا ہے۔ تاکہ عام نظام بحال ہوسکے، اور حکومت کے ان محکموں کا نظم برقرار رہ سکے، جن کے ذریعہ عوام کی خدمت سپرد ہے۔[1]

ان تمام باتوں سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ ان قوانین کے ذریعہ صرف ان لوگوں کو سزا دی جاتی ہے۔ جن کا تعلق حکومتی کاموں سے ہے۔ حالیہ اور سابقہ ان تمام تفصیلات کی روشنی میں میں عرض کروں گا کہ انسداد رشوت ستانی کے سودی قوانین کا از سرنو جائزہ لینا ضروری ہے اور اس میں حصہ ان لوگوں کو لینا چاہئے۔ جن کا شمار شریعت اسلامیہ کے کبار فقہاء میں ہوتا ہے پھر اس کی از سرنو ساخت فقہ اسلامی کی روشنی میں اس طرح ہونی چاہئے، جس کے اندر رشوت اور اس کی جائز اور ناجائز تمام صورتیں ہونی چاہئیں، اور اس پر مرتب تعزیری سزاؤں کی تفصیل درج کی جانی چاہئے، اور اس کے ساتھ ساتھ اس جرم میں ہاتھ کالا کرنے والے تمام ہی حصہ داروں کا ذکر کیا جانا چاہئے، خواہ ان کا تعلق کسی گوشے یا شعبہ سے کیوں نہ ہو، اور اس کے بعد ہی کہیں

---

[1] جرائم الرشوۃ فی التشریع المصری لاحمد رفعت ص ۲۴۱، ۲۴۲، قدرے تصرف کے ساتھ

ہم ان جراثیم کی افزائش کے سلسلے کو روک سکتے ہیں، اور پھر جہاں ان کا حملہ ہوگا ان کا تدارک بھی ممکن ہوگا ۔ ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ نشر و اشاعت کے گوناگوں ذرائع سے ان قوانین کی تشریح اور وضاحت وقفہ وقفہ سے مسلسل کی جانی چاہئے ۔

اور پھر سب سے آخر میں یہ لازمی ہوگا کہ ان قوانین کی عبارت کی جگہ دوسری ایسی عبارت لانی ہوگی، جو تمام تر فقہ اسلامی کی روشنی میں اور اس سے ہی مستفاد ہوگی!

(اس بارے میں کہ شریعت اسلامیہ کو ہر نظام اور قانون کا ماخذ بنانا واجب ہے، اور جن ملکوں میں ان کے نفاذ کے اندر سستی برتی گئی، وہاں از سر نو ان کا نفاذ ضروری ہے ۔ اور ان اسباب کا بیان جو اس نفاذ کے داعی ہیں ۔)

اسلامی شریعت کسی سماج یا گروہ کا بنایا ہوا دستور نہیں، نہ ہی سماج کی منزل بہ منزل ترقی کے نتیجہ میں اس کا ظہور ہوا، جیسا کہ انسانی بنائے ہوئے قوانین کا یہی حال ہے ۔ بلکہ یہ اس ذات کا بنایا ہوا قانون ہے جس نے ہر ہر چیز کو بنایا، اور نہایت خوب بنایا ۔

اور جب شریعت کسی سماج کی پیدا کردہ نہیں، تو سماج کو خود شریعت کا ساختہ پرداختہ ہونا چاہئے، کیونکہ اسلامی شریعت سماجی امور کی تنظیم اور درستی کے لئے ہی عمل میں نہیں آئی، جیسا کہ انسانی بنائے ہوئے قوانین کا منتہا اور مآل ہے ۔ بلکہ شریعت اسلامیہ کا حقیقی مقصد تو یہ ہے کہ صالح افراد، صاف ستھرا پاکیزہ سماج، مثالی حکومت اور ایک نئی مثالی دنیا بسائی جائے ۔ یہی وجہ ہے کہ نزول کے وقت سے اس کے تمام احکام اور نصوص دنیا کے بلند سے بلند معیار کے مطابق رہے ہیں ۔ اور آج بھی ان کی شان یہی ہے ۔ پھر شریعت میں ان اصولوں اور نظریات کو جگہ دی گئی ہے ۔ جن کی بابت عالم اسلام کے علاوہ دوسری دنیا ان کو نہیں جان سکتی، نہ ہی صدیوں

ان تک رسائی اس کے لئے ممکن ہے۔ اس لئے کہ عالم اسلام کے بغیر آج تک اس دنیا نے ان نظریات کو نہ تو سمجھا نہ ہی کسی کے حاشیہ خیال میں اس کا گزر ہوا ہے۔ یہی وہ بنیادی وجہ تھی جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے از خود شریعت کو وضع کیا اور اس کا کامل ترین نمونہ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا، تاکہ اس کی روشنی میں عالم انسانی اطاعت خداوندی اور فضائل کے حصول کے لئے سرگرم ہو، ان میدانوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا جذبہ ان کے اندر پیدا ہو، ان کے اندر پختگی اور کاملیت کے جوہر ابھریں اور کامل شریعت کے معیار پر وہ پورے پورے اتر سکیں، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ شریعت کے ذریعہ خدا کی ہمہ داں اور علیم وخبیر ذات کی جس قدر توقعات ہیں۔ وہ بدستور پوری ہوتی رہی ہیں، کیونکہ اس شریعت اور اس کے حامل نے اس پیغام کو ٹھیک ٹھیک پہونچایا۔ پتھروں کو پوجنے اور بکریاں چرانے والوں کو اس دستور نے اقوام عالم کا پیشوا اور سالار بنایا، اور کل تک جو لوگ ناخواندہ اور صحرا بھٹکتے تھے انہیں تہذیب واخلاق کا معلم اور انسانیت اور آدمیت کا رہنما بنا کر کھڑا کیا۔

اور جب تک مسلمانوں نے شریعت مطہرہ کو مضبوطی سے تھاما۔ اور اس کے احکام پر عمل پیرا رہے۔ اس شریعت نے اپنا کام کیا، اور اپنے ثمرات ونتائج سے اپنے ماننے والوں کو شادکام کیا قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے اپنے زمانے میں اس دستور کو مضبوطی سے تھاما، اور اس پر عمل کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ باوجودیکہ وہ تعداد میں کم تھے، انہیں یہ کھٹکا لگا رہتا تھا کہ لوگ انہیں اچک نہ لے جائیں، لیکن بیس سال کا عرصہ نہیں گذرا کہ انہوں نے دنیا کی قیادت سنبھالی، اور عالم انسانی کی رہنمائی کی، چار دانگ عالم میں ہر طرف صرف ان کا شہرہ تھا، ان کی بات سب سے اونچی، اور ان کے سر تمام سروں سے بلند اور اعلیٰ وارفع رہے اگر ان پر کوئی افتاد آتی تو وہ دائیں بائیں مشرق ومغرب کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے تھے۔ وہ صرف اپنے اللہ سے لو لگاتے تھے اور اسی کے آگے جھکتے تھے، جو ہر حال میں جہاں کہیں وہ جاتے تھے ان کے ساتھ ساتھ

ہوتا تھا، اس نے انھیں وہ اعجازی شریعت یعنی اسلامی دستور بخشا تھا۔ جس نے انھیں زیورِ علم سے آراستہ کیا، انہیں ادب اور تمیز سکھائی، ان کے دلوں اور ان کے احساسات و جذبات کو سوز و گداز بخشا۔ انہیں خودی، اور خود کے اعزاز و اکرام سے واقف کرایا۔ اور ان کے اندر کامل مساوات، اور مکمل عدل و انصاف کی جوت جگائی، ان پر یہ ذمہ داری عائد کی کہ وہ نیکی اور تقویٰ اور پرہیزگاری کے ساتھ ایک دوسرے سے تعاون کریں۔ ان پر گناہ، ظلم اور سرکشی کو حرام ٹھہرایا۔ ان کی عقلوں، ذہنوں، اور ان کے دل و ضمیر کو جہالت اور خواہشات کے بارِ گراں سے آزاد کرایا۔ ان کے اندر اس عقیدے کو بسا دیا کہ وہ سب سے بہتر امت ہیں۔ جسے لوگوں کی خاطر محض اس لئے برپا کیا گیا تاکہ وہ لوگوں کو نیکی کا حکم دیں۔ برائی سے روکیں۔ اور اللہ پر ایمان لائیں۔

مسلمانوں کی یہ روش اس وقت تک رہی جب تک انہوں نے شریعت اسلامیہ کو مضبوطی سے تھاما، اور اس پر کاربند رہے، لیکن جب سے انہوں نے اس شریعت کو خیرباد کیا اور اس کے احکام کو پس پشت ڈالا، ترقی کے زینوں نے ان سے منہ موڑا، گراوٹ اور پسماندگی ان پر مسلط ہوتی گئی، اور وہ لوٹ کر پھر سے ان اندھیریوں میں جا ڈوبے جس میں اس سے پہلے صدیوں ٹھوکریں کھاتے رہے۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہ پھر سے کمزور و ناتواں اور تابع غلام بن گئے، نہ وہ ظلم و زیادتی کا دفعیہ کرسکتے ہیں۔ نہ مظالم کی تیز آندھیوں سے کسی صورت بچ سکتے ہیں۔

مسلمانوں کی اپنی غفلت اور مدہوشی کے اسی عالم میں نہ جانے کہاں سے ان کے دلوں میں یہ خیال بس گیا کہ یورپ والوں کی ترقی ان کے آئین اور ضابطوں کی مرہون منت ہے، اسی خیال کا آنا تھا کہ اقصائے عالم میں انہوں نے یورپ کی نقالی شروع کردی، اس کے طرز اور روش کو معیار بنا کر اپنے آپ کو اس پر ڈھالنا شروع کیا، اور نتیجہ یہی ہوا کہ ان کی جہالت اور گمراہی بیش از بیش ہوتی رہی، ان کی الجھنیں سوا ہوتی گئیں، اور کمزوری اور ناتوانی حد سے بڑھتی

رہی۔ یہی نہیں بلکہ وہ ٹکڑیوں اور گروہ میں بٹ گئے، اور ہر گروہ اپنے آپ میں مست رہنے لگا، ستم بالائے ستم یہ کہ آپس میں وہ ایک دوسرے سے خوب خوب لڑتے رہے۔ بظاہر ایک گروہ اور جماعت کا لیبل ان پر لگا رہا، لیکن اندر سے ان کا دل پراگندہ اور منتشر تھا، یہ نادان اگر عقل کے ناخن لیتے، تو انہیں بخوبی یہ احساس ہو جاتا کہ آخر شریعت اسلامیہ بہ تمام وکمال ان کے پاس آئی، کامل اور مکمل صورت میں ان کے سامنے جلوہ گر ہوئی۔ اس کے کسی گوشے میں کہیں کوئی خامی نہیں، اس کی تہہ میں سماج کی مسلسل ترقی، پیش قدمی، اور لگاتار آگے بڑھنے کی توانائی موجود ہے۔ جملہ شریعتوں اور تمام دستوروں کے بالمقابل تنہا یہی وہ دستور ہے۔ جو ترقی اور تنزل غرض ہر زمانے کے لائق اور موافق ہے۔ کیونکہ یہ دستور ہر حال میں اس پر زور دیتا ہے کہ ایک صالح لائق و فائق اور ممتاز جماعت برپا ہو جو تمام ترلیاقت اور قابلیت کے ہوتے ہوئے مزید ترقی اور برتری وبلندی کے مدارج کی طرف تیزی سے گامزن رہے۔ اور تاوقتیکہ کاملیت اور فضیلت وکمال کے سب سے اونچے مرتبہ پر نہ پہونچ جائے اس کے قدم لگاتار سرگرم عمل رہیں۔

اسلامی تاریخ خدا کی ایک نشانی اور درخشاں تابندہ معجزہ ہے، اس کے اندر بطور خاص ان لوگوں کے لئے عبرت ونصیحت کا دفتر مضمر ہے، جو حقیقت پسندی کی نگاہ سے اس کا جائزہ لیں۔ اس تاریخ میں اس بات کی پختہ دلیل موجود ہے۔ کہ اسی دستور نے مسلمانوں کو نیست سے ہست اور عدم سے وجود بخشا۔ تمام قوموں اور گروہوں پر انہیں فوقیت اور بالادستی دی، ترقی کے میدان میں ان کے قدموں کو آگے آگے رکھا، تا آنکہ دنیا کے ملکوں اور چپے چپے کا انہیں تاجدار بنایا۔ یہ تاریخ اپنے اندر اس ٹھوس حقیقت کو ودیعت کئے ہے کہ مسلمانوں کی زندگی، ان کی عظمت، ان کی ترقی، اور ان کا مسلسل آگے بڑھنا صرف اور صرف شریعت اسلامیہ پر چلتے رہنے میں مضمر ہے۔ مسلمان شریعت اسلامیہ کے مرہون منت اور اس کے پروردہ ہیں

ان کا وجود شریعت کے وجود کے تابع ہے۔ ان کی ہستی اسی کی ہستی سے وابستہ ہے۔ اور ان کی جباری، ان کی قہاری، اور ان کا جبروت تمام تر شریعت اسلامیہ کے بل پر ہے۔

ان وجوہات کی بنا پر ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم اسلامی شریعت کو جملہ قوانین اور نظام کی۔ خواہ ان کی نوعیت کوئی ہو ــــ بنیاد قرار دیں۔ تاکہ فرد اور جماعت کی دیرینہ آرزوئیں پوری ہوں۔

اور ہر اسلامی بستی اور مسلم ملک کی ــــ جو اپنے لئے عزت اور خودداری کا خواہاں ہے اور جو مشرق و مغرب یا دائیں بائیں نہیں دیکھتا۔ اس کی ــــ یہ ذمہ داری ہے کہ وہ جلد سے جلد اس شریعت اور اس کے آئین و قوانین کو اپنے اوپر چسپاں کرے، اور زندگی کے ہر شعبہ اور گوشہ میں اس کے مبادی اور احکام کو حرز جاں بنائے، تاکہ ہم اپنی زندگی کے اس ابدی اور سرمدی لائحہ عمل کے ذریعہ برتری، سربلندی، فضیلت اور کمال کی چوٹیوں پر پہونچ سکیں۔

شریعت پر عمل درآمد اور اس کو چسپاں کرنے کا تقاضہ متعدد وجوہ سے ہمارے سامنے آتا ہے۔ ان میں بعض یہ ہیں۔

۱۔ اطاعت اور تابعداری صرف اللہ کے لئے ہو، اور پیروی صرف اس کے احکام اور شریعت کی ہو۔

۲۔ ایک ایسی کامل اسلامی سوسائٹی اور مکمل مسلم سماج کی تشکیل جسے اپنے دین اور عقائد پر ناز ہو۔

۳۔ احکام اور مسائل کے رخ سے پیش آنے والی مسلمانوں کی جملہ ضرورتوں اور حاجتوں کی تکمیل۔

۴۔ اندھی پیروی کے دور سے گریز اور خدا کے علاوہ کسی کی بے جا تابعداری سے گریز۔

۵۔ جہاں اسلامی حکومتیں قائم ہوں، وہاں آباد مسلم اور غیر مسلم تمام باشندوں کے ساتھ عدل

مساوات اور رواداری کا برتاؤ اور ہر مظلوم اور ستم رسیدہ کو مداوا اور سہارا فراہم کرنا۔

۶۔ سماج کے ہر طبقہ میں امن وسکون کی لہر دوڑانا،

۷۔ جملہ اخلاقی جرائم کا سدباب، جن کی وجہ سے معاشرہ میں فساد کا بیج پڑتا ہے۔ اور بگاڑ کے جراثیم اندر تک اترتے جاتے ہیں۔

۸۔ علم وبصیرت، تہذیب وشائستگی، اور ترقی اور پیش قدمی کے اسباب و ذرائع کو بروئے کار لانا۔

۹۔ اور اس حقیقت کا بیباکانہ اظہار کہ کسی قوم، ملت، یا مملکت کے لئے سب سے بہتر قانون وہ ہے جس کی کرنیں خود اس کے احول، اس کے نیک چلن، اور اس کے صالح رواج سے پھوٹ کر نکلی ہوں، عام ماہرین قانون یہی کہتے ہیں، لہٰذا مملکت اسلامیہ میں ان کا دستور شریعت اسلامیہ سے مستنبط اور مستعار ہونا ضروری ہے۔ اور یہ وہی قانون ہوگا جو سب سے بلند وبالا اور سب پر حاوی ہو۔ اسی کا حکم جاری ہو۔ اور اسی کا طوطی ہر طرف سے بول رہا ہو۔ اور اگر قانون میں کسی اور آئین کی پیوندکاری کی گئی، تو اس میں شک نہیں کہ اس سے ایسا لباس تیار ہوگا، جو نہایت تنگ یا بے حد ڈھیلا ڈھالا ہوگا۔ اور جو کسی صورت لائق استعمال نہ ہوگا۔

یہ امر ملحوظ رہے، ساتھ ہی یہ بھی واقعہ ہے کہ اس وقت سارا عالم اسلام جس امن و آشتی، راحت اور آسودگی، اور فراخی اور بہتر زندگی سے بہرہ ور ہے۔ اس کی وجہ جہاں اور جتنی مقدار میں سہی لیکن اسلامی شریعت کی تابعداری اور اس کی اطاعت میں ہے۔ اور صرف اس لئے ہے کہ اس دستور کو دستور اور زندگی کا لائحہ عمل بنایا گیا، خصوصاً اس لئے بھی کہ ماضی میں اور آج بھی کورٹوں اور عدالتوں میں — محض توفیق خداوندی سے — شریعت کے احکام رائج ہیں۔ حدود قائم کی جاتی ہیں۔ اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہر طرف امن وامان اور چین

کا دور دورہ ہے۔ اور جب بھی خدا کی کسی ایک حد کو بحال کیا جاتا ہے، امن اور سکون میں اضافہ ہوتا ہے۔

اور کیا یہ حقیقت نہیں کہ آدمی جہاں کہیں ہو، گھر میں ہو، آفس یا دفتر میں ہو، منڈی یا بازار میں، درس گاہ میں سڑکوں چوراہوں پر خشکی یا تری میں جہاں کہیں ہوتا ہے۔ امن و آشتی سے رہتا ہے۔ اور چین کا سانس لیتا ہے۔ اور طرفہ یہ کہ اس کے ہاتھ میں یا اس کے پاس کوئی ہتھیار بھی نہیں ہوتا، نہ اسے کوئی ڈر یا خوف ہوتا ہے۔ نہ ہی کوئی دہشت اس کے اعصاب پر سوار ہوتی ہے۔

اسلامی دستور کی بجا آوری اور تعمیل اور شریعت الہیہ کی مکمل تابع داری نے عالم اسلام کو امن کا گہوارہ بنا رکھا ہے۔ چنانچہ دنیا کے چپہ چپہ سے ارض پاک میں حجاج کے قافلے چلے آتے اور چلے جاتے ہیں۔ لیکن انہیں کوئی فکر نہیں ہوتی، اپنی جان یا اپنے مال کا انہیں کوئی غم نہیں ہوتا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس حفاظت اور حزم و احتیاط کی حقیقی وجہ اور ہر قسم کی زور زبردستی، اور فتنہ و فساد سے نجات کا سبب محض احکام اسلام کی تطبیق اور اس کی بجا آوری ہے۔ یہی وہ سرچشمہ ہے جس سے طمانیت اور تسکین کی نہریں ہر طرف جاری ہیں۔ اور اس سرزمین کے بسنے والوں کو راحت و آرام نصیب ہے۔ ورنہ ابھی زیادہ دن نہیں گذرے جب سعودیہ عربیہ میں شرعی قوانین کا نفاذ عمل میں نہیں آیا تھا۔ اور حجاج اس خطے کا رخ کرتے تھے تو وطن کو خیرباد کہنے سے پہلے اپنے اہل وعیال اور خویش واقارب کو اس طرح رخصت کرتے تھے جیسے انہیں لوٹ کر آنا نہیں ہے۔ کیونکہ قافلے اور کاروان کی صورت میں چلنے کے باوجود راستے پر امن نہیں ہوتے تھے، اس لئے غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ شریعت بھی کیا خوب شریعت ہے۔ اور اس کے ذریعہ ملنے والی نعمت بھی کتنی بڑی نعمت ہے اور جیسا کہ

ن پاک کا ارشاد ہے ۔ اس نعمت میں مزید ترقی کی صورت یہی ہے کہ ہم اس نعمت خداوندی سے لگاتار شکر گذار رہیں ۔

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ (ابراہیم: ۷)

اور جب تمہارے پروردگار نے تم کو جتا دیا تھا کہ اگر تم شکر کروگے میں اور زیادہ دوں گا .

اور اگر اس دستور کو ــــ بحیثیت آئین اور قوانین ــــ جاری اور نافذ کرنے میں ذرہ برابر سستی اور غفلت کی گئی تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا ۔ ہ کس قدر تاریکی اور اندھیاری میں ہمارا ٹھکانہ ہوگا . اور ہم وہاں کتنی حسرت اور ندامت کے ساتھ اپنی انگلیوں کو دانتوں سے دبائے ہوں گے ، ــــ اور بس .

ان سطروں کے ساتھ محض فضل خداوندی اور توفیق الٰہی کے تحت ہم نے اپنی دیرینہ خواہش کو ــــ جس کی تکمیل کی آرزو دل میں کروٹیں لیتی تھیں، ــــ پوری کیا . اور اس بحث کو پوری کر لیا جس کا عنوان ہے " جرم رشوت اسلامی شریعت کی روشنی میں نیز حکومت سعودیہ عربیہ میں قوانین انسداد رشوت ستانی پر ایک نظر "

آخر میں خدائے عظیم و برتر کا شکر گذار ہوں جس کی بے پایاں اور لامتناہی نعمتیں اس راقم پر رہیں . اس کی توفیق اور نصرت غیبی کو میں کبھی کسی صورت فراموش نہیں کر سکتا میں بارگاہ خداوندی میں عجز و انکساری کے ساتھ دست دراز ہوں کہ اگر میری رائے یا فکر میں جہاں کہیں کوتاہی ہو مجھے معاف کر دے . میرے قصور کو بخش دے قلم کی لغزش اور دل کے کھوٹ سے میری حفاظت فرمائے . میں بھی خیر اور اصلاح کو دل سے چاہتا ہوں مجھے توفیق ملنا صرف اللہ رب العزت کی طرف سے ہے . میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف ہر حال میں رجوع کرتا ہوں ... ت مال اور مآل کی سب سے زیادہ خبر صرف اللہ کو ہے ... وَصَحْبِهِ وَمَنْ سَارَ عَلَى نَهْجِهِ ... الى يوم الدِّيْنِ

ختم شد